

سخن نیکو الاصفیاء

ایکسٹریکٹ شدہ: نواد اکابر و صوفیاء کرام کا ایجم تذکرہ

تالیف: شمس الدین
محقق: علامہ سید ابوالکلام آزاد

پیشہ: ملاقاتی
پیشہ: ملاقاتی

مکتبہ نوریہ
لاہور

خزينة الأصفى



جلد اول : سلسلہ قادریہ

خزینۃ الاصفیاء

مصنّف

مفتی غلام سرور لاہوری

مترجمین

مفتی محمود عالم ہاشمی

علامہ قبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ لاہور

www.maktabah.org

جد حقوق بقی ناست محفوظ

بار اول _____ سوال المکرم ۱۴۱۰ھ
 تعداد _____ ایک ہزار
 جلدات _____ آفٹ . سفید کاغذ ، مجلد
 ضخامت _____ $\frac{19 \times 23}{8}$ ۳۲۸ صفحات
 طابع _____ مکتبہ جدید پریس لاہور
 ناشر _____ مکتبہ نبویہ لاہور
 قیمت _____ روپے

B66

فہرست اسمائے بزرگاں

صفحہ	اسمائے گرامی	نمبر شمار	صفحہ	اسمائے گرامی	نمبر شمار
۱۱۵	حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰؑ	۲۰	۹	حالات مصنف از مترجم	
۱۱۹	حضرت حسن بن علی بن محمد بن علیؑ	۲۱	۳۱	مقدمہ از مصنف	
۱۲۲	حضرت امام مہدی امام الغیبؑ	۲۲		مخزن اول	
	مخزن دوم؛ سلسلہ قادریہ	۳۵		خاتم النبیین رسالتاب صلعم	۱
۱۲۶	حضرت معروف کرخیؑ	۲۳	۳۹	سیدنا ابوبکر صدیقؓ	۲
۱۳۱	شیخ سری تقیؑ	۲۴	۵۲	امیر المومنین فاروق اعظمؓ	۳
۱۳۵	سید الطائفہ جنید بغدادیؑ	۲۵	۵۶	امیر المومنین عثمانؓ	۴
۱۴۳	شیخ ابوبکر شبلیؑ	۲۶	۵۹	امیر المومنین علی المرتضیٰؓ	۵
۱۴۸	شیخ عبدالواحد قمیؑ	۲۷	۷۰	امیر المومنین حضرت حسنؓ	۶
۱۴۸	شیخ ابوالفرح طرطوسیؑ	۲۸	۷۲	امیر المومنین حضرت حسینؓ	۷
۱۴۹	شیخ ابوالحسن بککاریؑ	۲۹	۷۵	حضرت زین العابدینؓ	۸
۱۴۹	شیخ ابو سعید مبارک مخزومیؑ	۳۰	۸۰	حضرت امام محمد باقرؑ	۹
۱۵۱	شیخ حماد دیاسؑ	۳۱	۸۵	حضرت امام جعفر صادقؑ	۱۰
۱۵۲	شیخ بقا بن طورؑ	۳۲	۹۰	حضرت امام الاعظم ابوحنیفہؑ	۱۱
۱۵۳	شیخ علی بن یثربیؑ	۳۳	۹۳	حضرت امام مالکؑ	۱۲
۱۵۵	شیخ سید عبدالقادر جیلانیؑ	۳۴	۹۴	حضرت امام ابو یوسفؑ	۱۳
۱۶۷	شیخ ابو عمر قریشیؑ	۳۵	۹۴	حضرت امام شیبانیؑ	۱۴
۱۶۸	شیخ قصبہ ابان موصلیؑ	۳۶	۹۵	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	۱۵
۱۶۹	شیخ احمد بن مبارکؑ	۳۷	۹۷	حضرت امام شافعیؑ	۱۶
۱۶۹	شیخ سید احمد رفاعیؑ	۳۸	۱۰۰	حضرت امام علی بن موسیٰؑ	۱۷
۱۶۲	شیخ سید شرف الدین عیسیٰؑ	۳۹	۱۰۹	حضرت امام نقیؑ	۱۸
۱۶۲	شیخ صدقہ بغدادیؑ	۴۰	۱۱۲	حضرت امام احمد بن حنبلؑ	۱۹

۱۹۶	سید عبدالقادر گیلانی لاہوریؒ	۶۵	۱۶۳	شیخ ابو عمر حریفیؒ	۴۱
۱۹۷	سید عبدالرزاق گیلانی اوچیؒ	۶۶	۱۶۵	شیخ محمد الاوانی المعروف ابن النابیدؒ	۴۲
۱۹۷	میر سید مبارک خٹانی گیلانی اوچیؒ	۶۷	۱۶۵	شیخ ابوالسعود بن شبلؒ	۴۳
۱۹۸	سید محمد غوث بالا پیرؒ	۶۸	۱۶۷	شیخ حیات خیراتیؒ	۴۴
۱۹۸	سید بہار الدین گیلانیؒ	۶۹	۱۶۸	شیخ ابو عبدالرحمن عبدالقدیرؒ	۴۵
۲۰۰	مخدوم جی قادریؒ	۷۰	۱۶۹	شیخ شمس الدین عبدالعزیزؒ	۴۶
۲۰۰	سید عبداللہ ربانیؒ	۷۱	۱۶۹	شیخ ابو مدین مغربیؒ	۴۷
۲۰۱	سید اسماعیل گیلانیؒ	۷۲	۱۸۰	شیخ تاج الدین عبدالرزاقؒ	۴۸
۲۰۱	سید حامد گنج بخش گیلانیؒ	۷۳	۱۸۱	شیخ ابوالفضل محمدؒ	۴۹
۲۰۲	شیخ داؤد چوہانی وال شیر گڑھیؒ	۷۴	۱۸۲	شیخ ابو بکر زکریا بکھیؒ	۵۰
۲۰۳	شیخ بہلول دریائیؒ	۷۵	۱۸۲	شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ	۵۱
۲۰۴	شیخ ابواسحاق قادری لاہوریؒ	۷۶	۱۸۳	شیخ ابونصر موسیٰؒ	۵۲
۲۰۴	سید میر میراں گیلانی اوچیؒ	۷۷	۱۸۳	شیخ موفق الدین المقدسیؒ	۵۳
۲۰۷	شیخ معروف حقی قادریؒ	۷۸	۱۸۳	شیخ ابواسحاق ابراہیمؒ	۵۴
۲۰۷	سید محمد نور قادریؒ	۷۹	۱۸۳	شیخ صدر الدین قونیویؒ	۵۵
۲۰۸	شاہ قمیس الدین گیلانی سادھوریؒ	۸۰	۱۸۵	شیخ محی الدین ابن العربیؒ	۵۶
۲۰۹	شیخ سید اسماعیل گیلانیؒ	۸۱	۱۸۷	شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینیؒ	۵۷
۲۱۰	سید انجش گیلانی لاہوریؒ	۸۲	۱۸۷	امام عبداللہ ثانیؒ	۵۸
۲۱۰	شیخ خضر سیوستانیؒ	۸۳	۱۸۸	شاہ نعمت اللہ دلیؒ	۵۹
۲۱۱	سید شاہ نور حسوریؒ	۸۴	۱۸۹	شیخ بہار الدین جینیدیؒ	۶۰
۲۱۲	سید موسیٰ پاک شہیدؒ	۸۵	۱۸۹	سید محمد غوث گیلانی حلبی اوچیؒ	۶۱
۲۱۲	شیخ عبدالوہاب متقیؒ	۸۶	۱۹۲	شاہ فیروز الدین قادری لاہوریؒ	۶۲
۲۴۵	سید صوفی گیلانیؒ	۸۷	۱۹۲	مخدوم سید عبدالقادر ثانیؒ	۶۳
۲۱۵	سید کامل شاہ قادری لاہوریؒ	۸۸	۱۹۵	سید محمود حسوریؒ	۶۴

۲۵۹	سید عبدالرزاق قادری	۱۱۳	۲۱۶	شیخ حسین لاهوری	۸۹
۲۵۹	شیخ شاه محمد قادری	۱۱۴	۲۲۶	شیخ حسین قادری چشتی	۹۰
۲۶۲	شیرازہ محمد دارا شکوہ	۱۱۵	۲۲۶	شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری	۹۱
۲۶۲	شاه صفی اللہ	۱۱۶	۲۲۵	شاه بدر گیلانی	۹۲
۲۶۳	شیخ حاجی عبدالجلیل	۱۱۷	۲۲۸	شاه شمس الدین قادری	۹۳
۲۶۴	حاجی محمد با شمس گیلانی	۱۱۸	۲۲۸	سید جبرین الشہید عبدالقادر شاہ گیلانی	۹۴
۲۶۵	سید سرور دین سنوری	۱۱۹	۲۲۹	سید خیر الدین ابوالعالی قادری کلائی	۹۵
۲۶۵	سید محمد امیر قادری گیلانی صاحب حجرہ	۱۲۰	۲۳۰	میاں تنہا قادری	۹۶
۲۶۶	شیخ حاجی محمد قادری	۱۲۱	۲۳۲	حاجی مصطفیٰ سرہندی	۹۷
۲۶۳	سید جعفر بن حاجی محمد با شمس گیلانی قادری	۱۲۲	۲۳۳	سید عبدالوہاب گیلانی	۹۸
۲۶۵	سید عبدالکیم گیلانی	۱۲۳	۲۳۳	شیخ عبداللہ تہی	۹۹
۲۶۶	سید محمد فاضل متوکل لاهوری	۱۲۴	۲۳۴	طاہر قادری	۱۰۰
۲۶۷	خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہی	۱۲۵	۲۳۴	شیخ محمد میر الشہید میاں میرالایزہ قادری	۱۰۱
۲۶۹	شیخ رحیم داد قادری	۱۲۶	۲۳۱	سید ندام غوث و شاہ حاکم	۱۰۲
۲۸۰	سید عمر گیلانی	۱۲۷	۲۳۳	شاه بلادل قادری	۱۰۳
۲۸۰	سید حسین پشادری قادری	۱۲۸	۲۳۶	سید عبدالقادر اکبر آبادی	۱۰۴
۲۸۱	شاد رضا قادری شطاری	۱۲۹	۲۳۶	مولانا شیخ عبدالقی محمد علی دہلوی	۱۰۵
۲۸۲	سید محمد صالح قادری	۱۳۰	۲۳۷	پیر مکیں شاہ امری	۱۰۶
۲۸۳	شیخ صدر الدین قادری نوشاہی	۱۳۱	۲۳۸	سید محمد تقیم الدین قادری جردی	۱۰۷
۲۸۴	شاه درگاہی قادری لاهوری	۱۳۲	۲۵۰	شیخ مادھو لاهوری	۱۰۸
۲۸۴	شیخ تاج محمد قادری	۱۳۳	۲۵۳	خواجہ بہاری قادری	۱۰۹
۲۸۶	شیخ عبدالحمید قادری نوشاہی	۱۳۴	۲۵۴	شاه سلیمان قادری	۱۱۰
۲۸۶	سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانی	۱۳۵	۲۵۷	سید جان محمد حضور	۱۱۱
۲۸۷	شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی	۱۳۶	۲۵۸	محمد صالح اکبر آبادی قادری	۱۱۲

۱۳۷	حافظ برغزاد قادری نوشابی	۲۸۷	۱۵۹	سید شاه حسین بن سید نور محمد جروی	۳۱۰
۱۳۸	سید عبدالوهاب شعوری	۲۸۹	۱۶۰	شیخ رحمت اللہ قادری نوشابی	۳۱۱
۱۳۹	شیخ محمد تقی قادری نوشابی	۲۹۰	۱۶۱	شیخ نصرت اللہ قادری نوشابی	۳۱۲
۱۴۰	خواجہ ہاشم دیب اول قادری نوشابی	۲۹۱	۱۶۲	میر سید کبیر شاہ قادری شطاری	۳۱۲
۱۴۱	سید امین اللہ قادری	۲۹۲	۱۶۳	سعد اللہ قادری نوشابی	۳۱۳
۱۴۲	سید بدر الدین گیلانی قادری لاہوری	۲۹۲	۱۶۴	شیخ محمد عظیم قادری	۳۱۴
۱۴۳	شاد شرف قادری لاہوری	۲۹۳	۱۶۵	شاہ سراج قادری	۳۱۵
۱۴۴	شیخ نعمت اللہ قادری نوشابی	۲۹۳	۱۶۶	سید میر محمد شاہ عبدالرزاق جروی	۳۱۵
۱۴۵	شیخ احمد بیگ قادری نوشابی	۲۹۵	۱۶۷	شیخ مناصح خان غور قادری لاہوری	۳۱۶
۱۴۶	شاد عنایت قادری شطاری لاہوری	۲۹۷	۱۶۸	شاہ صدر الدین جروی	۳۱۶
۱۴۷	سید حاجی عبدالکبیر گیلانی اوچی لاہوری	۲۹۸	۱۶۹	سید سعد الدین جروی	۳۱۷
۱۴۸	شیخ جمال اللہ قادری نوشابی	۲۹۸	۱۷۰	شیخ جان محمد قادری لاہوری	۳۱۷
۱۴۹	مولانا حافظ محمود قادری نوشابی	۲۹۹	۱۷۱	شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوری	۳۱۸
۱۵۰	شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوری	۳۰۰	۱۷۲	شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوری	۳۲۰
۱۵۱	شیخ پیر محمد قادری نوشابی	۳۰۲	۱۷۳	سید مادل شاہ گیلانی لاہوری	۳۲۱
۱۵۲	مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشابی	۳۰۳	۱۷۴	سید شادی شاہ قادری لاہوری	۳۲۲
۱۵۳	شیخ عبدالرحمان قادری نوشابی	۳۰۳	۱۷۵	شاہ سردار قادری	۳۲۲
۱۵۴	سید عبدالغفور دشاہ گیلانی	۳۰۶	۱۷۶	سید علی شاہ قادری لاہوری	۳۲۳
۱۵۵	شاہ فرید قادری نوشابی لاہوری	۳۰۷	۱۷۷	سید مزیل شاہ شہید تقیم شاہی جروی	۳۲۴
۱۵۶	شیخ فتح محمد قادری نوشابی	۳۰۸	۱۷۸	شاہ غلام نبی جروی	۳۲۶
۱۵۷	شیخ عنایت اللہ قادری نوشابی	۳۰۹	۱۷۹	سید قطب الدین گیلانی	۳۲۶
۱۵۸	شیخ محمد سلطان لاہوری	۳۱۰	۱۸۰	شیخ مسلم خان قادری	۳۲۸

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ

۱۲۴۴ھ ————— ۱۳۰۶ھ

حضرت علامہ الحاج محکم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الماشمی سرور دیہشتی لاہوری عقدہ اقدس مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہ کے فرزند اعجندہ تھے۔ آپ اپنے آبائی شہر لاہور محلہ کوٹلی مضفیان میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی انہی سے پڑھی۔ سلسلہ سرور دیہ میں بھی انہی سے بیعت تھی۔ پھر حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے عقدہ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، صرف و نحو، معانی و منطق، اصول و فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے عالم نبیل، فاضل جلیل، بے مثال ادیب، بلند پایہ شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مستند مؤرخ، شہرہ آفاق سوانح نگار، ماہر علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے۔ سرزمین پاک و ہند میں ایسے طباع، عالی دماغ، جامع علوم و فنون، حامل کمالاتِ صوری و معنوی شاذ ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ نے اپنی پیش بہا اور بلند پایہ تصانیف سے علم و ادب کے ہر شہسوار کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگارنگ سے بھر دیا۔

تمام تصنیفات و تالیفات میں گزاری۔ زندگی کا کچھ ادائل حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ چنانچہ پہلے کچھ عرصہ سرور جگوان سنگھ رئیس لاہور و جاگیر دار قلعہ گڑھ چوئیاں کی جائداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کھنیا لال ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن نے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے مل لاہور میں آخری عمر بسر کی تھی۔ ان کا والد راجہ ہرنب سنگھ خلعت راجہ تیا سنگھ رنجیت سنگھ کے امراء میں سے تھے جن کے سپرد کچھ عرصہ نظامتِ کشمیری بھی رہی تھی۔

ملہ کاشترہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن جلیسر ضلع ایٹہ تھا۔ ہندی تعلق کرتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حکم میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت ولادی تھی مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت کے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لئے موزوں تھی۔ چنانچہ اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی اور اسی شغل میں طر عزیز حرم کر دی۔

آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے جو نعمتیں عشق رسولؐ میں ڈوب کر کھیں وہ آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

آخر آپ کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور آپ ماہ جون ۱۸۹۰ء کو اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی جلال الدین خٹک حضرت مولانا مفتی سید محمد کی مصیبت میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ حج کے بعد ۲۰ ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبا کے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمہرات کے روز ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۸۹۰ء کو دار البقا کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے وفات سے دو گھنٹہ پیشتر فرمایا تھا کہ میری نعش مدینہ منورہ لے جا کر حنظل البقیہ میں دفن کی جائے۔ اس امر کے لئے کوشش بھی کی گئی لیکن موسم کی شرابی اور بیماری ہیضہ کے پھیل جانے کی وجہ سے نعش کا دباؤ تک لے جانا مشکل تھا، اس لئے مجبوراً منزل بیر الملاحانی میں جو مسافرات جنگ جبر میں تھے سپرد خاک کئے گئے۔

مٹی نہ ہو برباد پس مرگ انہی!

جب خاک اڑے میری مدینے کی جواہر

(بقیہ ماشیہ ۱)

شعرو سخن میں کچھ موصوفی احمد بخش بیل سے بھی اصلاح لی تھی۔ فارسی اردو میں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً:

۱۔ رنجیت نامہ منظم فارسی میں ہے۔ رنجیت سنگھ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۔ نگاریں نامہ (قصہ بیرون انجنا) یہ بھی فارسی نظم میں ہے۔

۳۔ تاریخ پنجاب ۴۔ تاریخ لاہور اردو نثر میں ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاق ہندی،

ہندگی نامہ، نصیحت نامہ، گلزار ہندی، فارسی وار و نظم میں ہیں۔ زبان سیدھی سادی ہے۔ خیالات اتنے

بلند نہیں۔ فارسی کلام اوسط درجے کا ہے اور تصوف و اخلاق کا رنگ غالب ہے۔

جناب مولانا غلام دستگیر قصوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس طرح آپ کی یہ ولی آرزو پوری ہوئی کہ مجاز جاؤں تو واپس نہ آؤں۔ فرماتے ہیں،

ارادہ ہے کہ جب یثرب کو جانوں یا رسول اللہؐ
آپ کے آخری دیوان وصالِ سرور میں ایک نعتیہ غزل ہے جس کا عنوان ہے،

غزل در اہلار زیارت حرمین الشریفین

اس نعتیہ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکہ معظمہ میں متعدد نعتیہ غزلیں لکھی تھیں جنہیں آپ روضہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر پڑھنا چاہتے تھے مگر قدرت نے اتنی مہلت نہ دی اور آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی،

ہے سپنا سرور عالم کے آج گھر سرور کھڑا ہے صورتِ دیوانہ زیرِ در سرور

اب اپنے درپا سے کھینکو کہ آئندہ پھرے جہاں میں نہ آوارہ در بدر سرور

زیارتِ روضہ اطہر کے متعلق بھی ایک قطعہ تاریخ لکھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں گا۔ لیکن یہی قطعہ تاریخ آپ کی تاریخِ وفات بن گیا۔
”ابھی سرور نے کی ہے مقرر عالم کی پا پوی“

دیگر قطعاتِ تاریخِ وفات:

از مفتی غلام صفدر فوقانی و کمیل

در رو یثرب بہ ثبوتی روضہ پاک رسولؐ سرور آں شیدائے احمد یافت رُجعتِ مکا

سالِ ترحیلِ سرورِ شہیدِ نبیب در گوشِ دلم زودنا سرورِ معلیٰ منزلتِ رفت از جہاں

از مفتی محمد چستان بن روشن اور میرٹھ

مفتی غلام سرور چوں رفت از جہاں گفتم بدل کہ روشن تاریخِ آں بگو

لے ملائے اہلسنت میں شہداءِ آفاق تھے۔ علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری مجددی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تمام عمر عقائدِ باطلہ کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کیا۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔
۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزارِ قصور میں ہے۔ ”غفرلہ“ تاریخِ وفات ہے تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ ملائے لاہور مولانا غلام اقبال احمد فاروقی ملاحظہ فرمائیں۔

بعد از تاملے پئے تاریخ رحلتش ! گفتا غلام سرور صدر جہاں بگو
از داکتر سید علی الفت

رفت ز دنیا چوں سوے عقبی ! عاشق روئے پیمبر سرور !!
افت نعلین سال وفاتش گفت یتیم مسافر سرور
از مفتی غلام اکبر وکیل

عاشق صادق جناب رسول گئے دنیا سے جانب عقبی
سال تاریخ رحلت اکبر نے شمس علم عاشق رسول کما
از حکیم مفتی محمد انور

کہ سرور چوں مفر اندر سفر سوئے حق زین عالم ناپا سیدار
بر سال ارتحاش انورا !! گودصال سرور عالی تبار
از مولانا پیر غلام دستگیر نامی

جو کہ مفتی غلام سرور تھے چاہئے ان کی بر ملا تاریخ
چل دیا عاشق رسول خدا آج سرور ہے نامیا تاریخ
دیگر

گئے راہ مدینہ میں گزر آہ جو تھے اک شہرہ آفاق سرور

۱۔ غلام دستگیر نام ، نامی تخلص ، والد کا نام پیر عابد شاہ تھا۔ حضرت شیخ عبد الباقی چوڑا شاہ سبکی ترقیاتی سروردی المتوفی ۱۹۱۰ء کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۲۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء میں سرکاری ملازم ہو گئے۔ سولہ مئی سنٹرل ریڈنگ کالج میں خزانچی رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ مسائل وراثت پر پورا عبور حاصل تھا۔ انیس اوارڈز ، اسلامی قانون وراثت ، تاریخ جلید ، بزرگان لاہور آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۶۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو لاہور میں وفات پائی اور رتہ پیراں میں دفن ہوئے۔

ہوا القاء پئے تاریخ نامی قلم لے کر کھوہ مشاق سرود

چار فرزند ۱۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر ۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور
اور ایک دختر اقبال بیگم اپنے بعد اولاد یا دار چھوڑی۔

آپ سگفتہ مزاج، خلیق و شفیق، مرنباں مرنج، مایہ وزاہد اور صوفیہ باصفا تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ مفتی رسول آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صحابہ بزرگان دین اور اولیائے کرام سے بے حد محبت و عقیدت تھی۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے والہانہ ارادت تھی۔ چنانچہ دیوان سروری آپ کی منقبت میں پورا دیوان لکھا ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام بزرگ اہلسنت، حنفی المذہب، مفتی، وقت اور جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں اور اصلاح باطن کے مونیانہ طریقوں کو آپ کے خاندان میں ہمیشہ ممتاز جگہ حاصل رہی ہے۔

علوم شریعت و طریقت، تفسیر و حدیث، تاریخ و ادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس پر بے غلط گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار و رموز مع تمام جزئیات کے اس طرح بیان کرتے تھے کہ اذق سے اذق مسئلہ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔
ہات بات پر تاریخ کہتے تھے۔ حلقہ اجاب بڑا وسیع تھا۔ چھوٹے بڑے سرانگھوں پر بٹھاتے تھے۔ اہل علم کی مجلس میں قناد مقام پاتے۔ اہل ذوق آپ کی صحبت کو غنیمت تصور کرتے۔
بایں ہر طبع عالی میں حد درجہ کا استغناء تھا۔ حکام وقت سے غلنا ناپسند کرتے تھے۔
تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ پنڈت بیچ ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار

لے اس علمی خاندان کے منصل حالات ذکر جیل مولفہ مفتی محمود عالم دہلوی میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔
سہ دیوان احمد صابر شاد المتوفی ۱۸۸۰ء جو رنجیت سنگھ کی فوج میں دیوانی عہدہ رکھتے تھے، ان کے فرزند تھے۔
انگریزی عہد میں تحصیل دار تھے۔ ۱۸۷۲ء میں پنشن لے لی تھی۔ آخری عمر میں جمالاجی کی یاत्रا کو گئے اور وہیں ہیضہ میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

سہ فقیر نور الدین التوفی ۱۸۵۰ء جو رنجیت سنگھ کے دربار کے رکن رکین تھے ان کے فرزند دوم تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز تھے پھر پنشن لے لی تھی۔ کچھ عرصہ لاہور کے انگریزی مجسٹریٹ بھی رہے۔ اخلاقی عہدہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کیجئے۔ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی شائیس دے کر تامل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بھی بننا منظور نہ کیا ہوا اور نہ کرنل ہالڈنڈ ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴)

اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

لکھ ڈاکٹر جی۔ ڈیو لائٹنر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نہایت باذوق اور صاحبِ علم و فضل انسان تھے۔ ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں ترکی پڑھ گئے تھے۔ وہاں عربی، فارسی اور ترکی زبان سیکھی۔ ۱۸۵۹ء میں برطانیہ کی فوج میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت ترک کر کے پادری بن گئے۔ پھر اسے بھی چھوڑ کر اسلامی قانون پر لکھ دینے لگے۔ ۱۸۶۳ء میں ہندوستان آ گئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج پھر اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر جسرار پنجاب یونیورسٹی ہو گئے۔ عرصہ دراز تک اسلامی ممالک کی سیاست کی غمی۔ اس دوران میں اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا اسلامی نام قلم عبدالرشید سیاح رکھا تھا اور اسلام کی تصدیق میں بخارا و سمرقند کے علماء تصدیق نامہ حاصل کر لیا تھا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں اردو زبان میں مولوی کریم الدین کی امداد سے لکھی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے چلے گئے تھے۔ دو لنگ لندن کی مسجد انہوں ہی نے بنوائی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں وفات پائی۔ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب رہے۔ ۱۸۶۴ء میں انگریزوں کے ایما سے انگریزی زبان و ادب کو فروغ دینے کے لئے جدید شاعری کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اسی زمانے میں طلبہ مدارس کے لئے انگریزی سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ان کتابوں کی زبان درست کرنے کے لئے مولانا محمد حسین آزاد (باقی اگلے صفحہ پر)

اُس نئی ادبی تحریک میں شامل ہو گئے جو انگریزوں کے ایلا اور ان کی سعی و امداد سے ۱۷۷۴ء میں سیاسی مقاصد کے استحکام کے لئے شروع ہوئی تھی۔ اس تحریک کے روح رواں مولانا محمد حسین آزاد

(بقیہ ماضیہ ص ۱۷)

اور مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک بزمِ مشاعرہ قائم ہوئی۔ اس مشاعرہ میں مختلف عنوانات پر نچول اور اخلاقی نظمیں پڑھی جانے لگیں۔ انہی نزاجم کے ذریعے سے مولانا آزاد اور مولانا مآقی کو انگریزی ادب سے واقفیت ہوئی، وہ بھی بہ نچتہ جس کے سامنے ان بزرگوں اور ان کے ہم نواؤں نے نیاز پاشی شروع کر دی۔ ظاہرِ نظر میں کرنل ہارڈ کا مددِ اردو زبان کی توسیع میں ایسا ہی قابلِ قدر ہے جیسا کہ فورٹ ولیم کالج میں جان گلکرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کا۔ مگر ہمیں اس خوش قسمی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھونا چاہئے کہ یہ ادب نوازی محض سیاسی استحکام کے لئے تھی۔ ۱۷۷۴ء میں اردو ہندی کا جھگڑا انگریز مستشرقین اور انگریز حکمرانوں ہی نے پیدا کیا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں زبان کی آڑ میں دائمی افتراق کا بیج بویا، جس نے آگے چل کر مکمل سیاسی صورت اختیار کر لی۔ یورپی میں اردو کی مخالفت سرسید مرحوم کی وفات کے قریب زمانے ہی میں پیدا ہو گئی تھی جو رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی۔ ۱۷۹۵ء میں جب سرانٹونی میکڈائل صوبے کے گورنر ہوئے تو ہندی کے حامیوں کے حوصلے بڑھے۔ اس کے تعاون کی وجہ سے اردو زبان کی بجائے ہماری زبان اور فارسی حروف کے بجائے کبیتی حروف رائج ہوئے۔ ۱۷۹۸ء میں صوبے کے معزز ہندوؤں نے پھر ایک عرضداشت پیش کی کہ تمام سرکاری مداراتوں اور کچھروں میں بجائے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔ ۱۷۹۰ء میں سرانٹونی میکڈائل کی حکومت نے حکم صادر کیا جس کی رو سے اردو کے ساتھ ہندی کا استعمال بائز قرار دے دیا گیا۔ نواب محسن الملک کے زمانے میں جبکہ وہ علی گڑھ کالج کے سیکرٹری تھے۔ اردو کی حمایت و حفاظت کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی جس کا ایک عظیم الشان جلسہ مکھنویں ہوا۔ اس میں نواب محسن الملک نے بڑی پُر جوش تقریر کی جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اردو کی حمایت میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرانٹونی میکڈائل اس وقت صوبے کے گورنر تھے اور ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔

انہوں نے اہل انجمن کو کچھ ایسی دھمکی دی کہ انجمن ٹوٹ گئی۔ اردو کی تحریک کو ختم کر دیا لیکن اس کلش کا ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر پڑا اور حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سرسید مرحوم اور ان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مولانا مآلی تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جا رہا تھا وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ان کا دینی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور علمی زوال بھی پاتا تھا اور اس کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتا تھا۔

اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکا تھا کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کر کے اس کی جگہ انگریز تعلیم، تمدن اور معاشرت کو اس طرح رائج نہ کیا جائے جو وہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی اور علمی و ادبی تقویٰ کو بحیرہ فراموش کر گئی۔

اکتسابِ علوم و فنون کی ادویت اپنی جگہ مسلم۔ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں منفرد اس لئے کہ معاشرہ جامد و ساکن نہیں ہے۔ مسائلِ حیاتِ علوم و فنون کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سانی و معاشرتی تعلیم سے احساسِ برتری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ابتداء میں ملانے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی اس میں درحقیقت یہی جذبہ کار فرما تھا۔ نہ اکتسابِ علوم جدیدہ کی مخالفت تھی اور نہ محض انگریزی زبان پڑھنے کی۔ بلکہ اس تمدن و معاشرت کی مخالفت کی جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی۔

چنانچہ اس وقت مدارس کے لئے جو علمی و ادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف و تالیف ہوئیں ان کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنی تاریخ کو فراموش کر دو اور

(بقیہ ماضیہ ص ۱۷)

رفائے کار نے بڑی کوشش سے قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی وہ باطل کرنے سے نوبہ لگتی مگر اس میں شکاف ضرور پڑ گئے۔ یہ ہے انگریزوں کی اردو ادب و نوازی کا سیاسی پس منظر۔ بلکہ موجودہ مصنوعی ہندی جس کو بھارت اپنا رہا ہے، انگریز مستشرقین نے ہندی ادب سے ان کا جذبہ قومیت ابھار کر پیدا کرائی ہے۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ عربی و فارسی کے وہ عام فہم الفاظ و صدیوں سے اردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے، نکال کر ان کی جگہ بھاشا و سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ داخل کر دیئے۔

انگریزی ادب کے سامنے اسے مہمل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو۔ مسلمان حکمران ظالم اور متعصب تھے۔ اب انگریزی راج کی برکتیں یاد کرو اور پہلا سبق یہ پڑھو: "ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ باپ خٹہ پنی رہا ہے۔"

گلازگو ٹیوٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صد لا الہ الا اللہ انگریزوں کو اس وقت ایسے اہل قلم اور ایسے مدبرین کی ضرورت تھی جو انہیں تعلیمی نظام کے رائج کرنے میں بھی مدد دیں اور ان کے سیاسی استحکام کا بھی سبب بنیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام سہروردی دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ تادمِ زیست اس اپنے مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۳ء میں سرسید مرحوم نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لئے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈوہٹی برکٹ علی کے ہاں فوکش ہوئے۔ خان بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمایندہ جلسہ اپنی کوشی واقع بیرون موچی دروازہ میں بلایا جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سرسید سے کرایا۔ سرسید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: "نام سُنا ہوا تھا اب مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: "سید صاحب! میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے یہ اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں اور پھر جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیزیں یہاں نہیں دیکھتا۔"

سرسید آپ کا جواب سن کر خاموش ہو رہے۔

لے انجمن اسلامیہ کے بانی، لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، سرسید کے معاون و مددگار اور علی گڑھ کالج کے سرسٹی تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور اپنی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے وقف کر دیں۔ نہایت خلیق، حلیم اور صاحبِ برکت تھے۔ اصلی وطن شہر جہان پور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

تصانیف

کُل اکیس ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور اہم ہیں۔ مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ۱۔ پنے دماغ و قلم کو شعور و ادب، تاریخ و سوانح نگاری اور علم لغت تک ہی محدود رکھا ہے۔

۱۔ مگدستہ کرامات ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نوکلشور کھنڈوے چار بار، دہلی سے دوبار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ المتوفی ۶۱۱ھ کے مناقب میں ہے۔

اس میں کُل اکیانوے مناقب ہیں۔ کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مصنف نے دیباچہ میں رقم فرمایا ہے۔

۲۔ گنجینہ سرورِ معروف باسم تاریخِ گنجِ تاریخ

تمام کتاب نظم و نثر فارسی میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباس و دیگر سلاطین اسلام اور مشاہیر صوفیاء و علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں اور عاشیہ پر شخصیتوں کے تعارف کھلے مختصر حالات لکھے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی افادہ حیثیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے اور خاص خاص قادر و احکام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک موتن و ناتج ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے مگر گنج تاریخ اور خزینۃ الاصفیاء دیکھنے کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر و بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسبِ حال ہیں اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پھر سب سے بڑی غریبی یہ ہے کہ مادہ ہائے تاریخ میں تحریر یعنی کچھ الفاظ خارج کرنا اور تعمیہ یعنی کچھ الفاظ جوڑنا۔ اس کا کچھ جھگڑا نہیں۔ پورا مادہ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا نصف مصرع یا پورے مصرعے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال

لفظ تہوا وراحب سے نکالی ہے۔ مثلاً :

چوں محمد از جہاں پوشیدہ رو مثل غورشید جلوہ گر اندر جہاں
محبوب و دست ذات پاک او گشت از ہوسالِ ترحیش عیاں
بود آتش مخزنِ حبِ خدا سالِ ترحیشِ احب اے جواں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات احد، وجد، جہاد، ولی سے نکالی ہے۔ مثلاً :

حضرت صدیق اکبر یارِ عسار عالم دیں والی کون و مکان
صادق و صدیقی و غم خوار نبی ! دردش عشقِ محمد ہم چہ جاں
یارِ دلدار جنابِ مصطفیٰ ! شد چو از دنیا بجنسد جاوداں
و تہذکن تحریر یا لفظ جہاد یا احداً یا جود و صلش کن بیاں
باز چوں جہم وصالِ پاک او شد ندا از دل ولی از جہاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات لفظ پاک، وحی، ہدیہ، جاوید سے نکالی ہے مثلاً :

چوں عمر چوں گنجِ زیرِ خاک رفت روح پاکش بر سرِ افلاک رفت
پاک شد سال وصال او عیاں یعنی پاک آمد بدنیا پاک رفت

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات اہل اُلو اور اہل اُلو سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی تاریخ وفات زہد پاک اور ہادی ہادی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی محبت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حبیب ازل، حضرت شیخ مخدوم علی جویری داتا گنج بخشؒ کی تاریخ وفات پیر لاہوری، شمس دین اور گشت دین ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی تاریخ ولادت ربیع الثانی اور تاریخ وفات امیر المومنین

ہادی دین ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار مادہ ہائے تاریخ اس کتاب میں ملیں گے۔

آنانہ کتاب میں نہایت پر سوز اور فصیح و بلیغ حمد باری تعالیٰ۔ نعمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت صحابہ رضی اللہ عنہم تحریر کی ہے۔ اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کو بیان کیا ہے جو

آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔

در تشریح و تقسیم این کتاب کہ بہ ہشت مخزن منقسم است

- | | |
|-------------------------------|--------------------------------|
| یافتہ این گنج تاریخ انتظام | بہر ذکر خیرہ پیرانِ کرام |
| دادہ ام این گنج خود را افتخار | نیز در ذکر شہان با وقار |
| طرقہ تردد نظم گوہر سفتہ ام | با بجا تاریخ ہر یک گفتہ ام |
| گنج تاریخ آمدہ اندر حساب | نام تاریخی ز بہر این کتاب ! |
| تا بیابی حصہ بے دست نہ | کردہ ام تقسیم اندر ہشت گنج |
| گشت در ذکر مشہ خیر الانام | (۱) مخزن اول رقم اے نیک نام |
| شد در در تقیم اے عالی وقار | نیز سال فوت اصحابِ کبار |
| ختم شد گنج تحسین و اسلام | باز در ذکر امامانِ کرام ! ! |
| در بیان اولیائے قادری | (۲) گنج ثانی شد مہیا اے انہی ! |
| بہر ذکر خاندانِ اہلِ چشت ! | (۳) گنج ثالث آمد اے نیکو شرت |
| ذکر خیر اولیائے نقشبند ! ! | (۴) چہارم شد بہ طرز دل پسند |
| شرح حال سہروردیہ عیاں | (۵) کردہ ام در مخزنِ پنجم عیاں |
| ہفتیں ذکر نسا و ماریات | (۶ + ۷) گنج ششم بست در متفرقات |
| کردہ ام در یادہ حصہ رستم ! | (۸) گنج ہفتم را من اے والا ہم |
| بخزہ زو دادم بنی امیہ را | حصہ اول چہ کردم ابتداء |
| شد بنی عباس را در شے بیاں | حصہ ثانی چہ شد از من عیاں |
| شد در و ذکر شہانِ غزنوی | حصہ ثالث ز زوئے آگہی ! |
| گشت ددوے ذکر غوریہ رقم | حصہ چہارم چہ آمد بہر قلم |
| تلفیق ششم بیاں اے با وقار | پنجمیں علیہ آمد در شمار |
| ہشتی لودیہ اے والا گہر | خطر خانی را بہ قوت کن نظر |
| نیز تیموری و چغتائی گو | در نہم چکیزی است اے نیک خو |

شد رقم اندوہم اے نوبواں !
 حصہ احمدی عشر اے جان من
 نیز ذکر شاعران ہوش مند !
 جامع ایں جملہ گنج مختصر
 سرورم نے غلام سرورم
 بہت پیش شاعران با ہنر
 ذرہ ام در پیش نور آفتاب !
 نہیں سبب دارم بعد عجز و ندامت
 بر خطا ہائے کہ باشد در کتاب
 در نہ ہند از سر لطف و سخا
 ہر کہ بر ایں پر خطا احسان کند
 پردہ پوشی کن کہ ستار العیوب
 یا الہی بہر آلِ غافلہ !
 یا الہی بہر اولادِ علی
 یا الہی بہر اصحابِ رسول
 کن دعائے سرور بیدل قبول

یا الہی بہر پیرانِ کرام !

دار مارا در دو عالم نیک نام

۳۔ تاریخ مخزنِ پنجاب : یہ ملک پنجاب کی بسیط تاریخ اور جغرافیہ دونوں کی حامل ہے ۔ اس میں پنجاب کے مشہور شہروں ، قصبوں ، دیواؤں ، پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشہور تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں ۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر ، لداخ و کشمیر بھی شامل ہے ۔ اس تاریخ کی تحریک گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی ۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیوان بیچ ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے یہ تاریخ لکھوانی چاہی اور ان حضرات نے آپ کو ہزار مشکل آمادہ بھی کر لیا ۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ بعارضہ تپ و آشوب چشم بیمار ہو گئے اور مصیبت

ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ گورنمنٹ اس کتاب کی تالیف جلدی چاہتی تھی۔ اس لئے یہ کام قاضی تاج الدین لاہوری کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ مکہ کر پیش کر دی جو نہ تو حکومت کو پسند آئی اور نہ مقبول مام ہوئی۔ آپ نے صحت یاب ہونے کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیقی و تدقیق کے بعد حالات فراہم کر کے اسے مکمل کیا۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

بندۂ احقر غلام سرور غفلت مفتی الشریعہ الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری خدمتِ صاحبانِ علم و ہنر کے بیان کرتا ہے کہ جب راقم کتاب گلدستہ کرامات، خزینۃ الاصفیاء، گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پاچکا، فارغ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ اور کتاب پنجاب کے ملک کے احوال میں بہ زبان اردو لکھی جائے۔ اس شوق میں ایک سال کامل تلاش کتب درپیش رہی اور بہت سی سعی کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی کے حاصل ہوا۔

زیب اندراج پایا۔ مخزن پنجاب نام رکھا۔ پانچ حصوں اور پچیس تقسیموں میں منقسم ہوا۔ پہلا حصہ تلچ پار سے میدانی ملک کے حال میں جو فی زمانہ گورنمنٹ پنجاب کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ وہاٹے تلچ کے واسطے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی اور مغربی پہاڑ اس میں آٹھ تقسیمیں ہیں۔

تیسرا حصہ پنجاب کے کوہستانی اور ان علاقوں کے احوال میں۔ اس میں پانچ تقسیمیں ہیں۔ چوتھا حصہ پنجاب کے حاکموں اور فاتحوں کے ذکر میں۔ سلاطین غزنوی سے چغتائی و درانی سلطنت کے آخر تک۔

پانچواں حصہ پنجاب کے میدان اور کوہستان۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور حرارات و مقابر کا ذکر۔ ہندو اور مسلمان قوموں کا بیان اور مذاہب و عقائد کی تفصیل۔

۱۲۸۵ء میں لکھی گئی۔ لاہور اور ملتان نوکثور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ عجیب ہے

لے خاندانِ قاضیان لاہور میں سے تھے ان کے والد قاضی امام الدین، قاضی مسیح الدین قاضی لاہور کے بھائی تھے۔ انگریزی مدین قاضی سراج الدین سرشتہ دار تھے اور ان کے بھائی قاضی فقیر الدین دارو خذہ نزل تھے۔

محزن حالات پنجاب" اس کا مادہ تاریخ ہے۔

۴۔ گلشنِ سروری: منقول کتاب ہے۔ اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن کے تمام مسائل سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ طرزِ بیان نہایت موثر ہے۔ نیک اعمالی اور بد اعمالی کا شاید ہی کوئی باب چھوڑا ہوگا۔ ۱۲۸۹ھ میں کتاب لکھی گئی۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں متعدد بار چھپی۔ محکمہ تعلیم پنجاب اور وائیان ریاست ہائے پنجاب و ہند نے مصنف کے سینکڑوں جلدیں خریدیں۔

۵۔ گلشنِ تازہ "سروری" اس کا مادہ تاریخ ہے۔

۵۔ دیوانِ سروری، اردو نظم میں ہے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی منقبت میں ہے۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں کئی مرتبہ چھپا۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔

۶۔ حدیقۃ الاولیاء: اردو تشریں ہے اور صرف انہی ادیبانے کرام کا ذکر ہے جو پنجاب میں گزرے ہیں۔ سببِ تالیف اس طرح رقم طراز ہیں،

ور اظہار باعث تالیف کتاب حدیقۃ الاولیاء

اس کتاب کی تالیف سے پہلے بھی احقر المحقر غلام سرور خلیف مولانا مفتی غلام محمد قریشی ہاشمی سروردی لاہوری ادیبانے کرام و پیرانِ عظام کے حال میں ایک کتاب خزینۃ الاصفاء، زبانِ فارسی تالیف کر چکا ہے جو دو مرتبہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تحفہ نظر اربابِ شوق ہو چکی ہے۔ اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ابتداء سے اس زمانے تک ہے۔ اب میرے واقعیِ معبانِ قدیم و صادق و دوستانِ صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خواں رسول کویم میرے مکلف حال ہوئے کہ ایک اور مجبور محقر اردو زبان میں لکھے جس میں مک پنجاب کے ادیباء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر ملاقا اس وقت پنجاب کے ساتھ متعلق ہے اور مشہور ادبیاد کے مزار اس میں ہیں۔ سب کا حال ضروری ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کے فرمانے اور دلی محبت جو قدیم سے مجھ کو ادیباء اللہ کے ساتھ ہے، اس کام پر مجھ کو آمادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امداد چاہتا ہوں کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیا کے فانی میں یادگار رہ جائے۔ آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاولیاء رکھا گیا اور سات چھپوں پر تقسیم ہوئی؟

پہلا چمن مشائخ قادر یہ کے احوال میں -
 دوسرا چمن مشائخ چشتیہ کے احوال میں -
 تیسرا چمن مشائخ نقشبندیہ کے احوال میں -
 چوتھا چمن مشائخ سہروردیہ کے احوال میں -
 پانچواں چمن مشائخ متفرقات -
 چھٹا چمن مجاہدین و مجاہدین کے احوال میں -
 ساتواں چمن عوراتِ صالحات کے ذکر میں -

قطعہ تاریخی

یہ کیا اچھا ہے سرور کا حدیقہ یہ کیا باغ و بہارِ اولیاء ہے
 نہیں داخلِ خزاں اس بوستان میں کہ باغِ اقیانوسِ اصفیاء ہے
 کہاں ہے باغ کوئی اسکے ہر گنگ کہ یہ گلزارِ فیض کسبِ یار ہے
 یہ ہے سرسبز باغِ اہلِ عرفاں! کہ جس پر عنذیبِ دلِ فدا ہے
 کہیں سبزہ کہیں غنچہ کسبِ گل کہیں سنبل کہیں لالہ کھلا ہے
 غرض رُوئے زمین پر شلِ فردوس بنا سرور کا یہ بستان سرا ہے

کہا رضاں نے بہر سالِ تالیف

کہ گوناگوں حدیقہ خوش نما ہے

خاتمہ تالیف کتابِ منجانبِ مولف

الحمد للہ والمنة کہ یہ کتاب حدیقہ بے خار و گلزارِ تانہ بہارِ نبضِ کردگار یعنی تذکرہ ابرار فی اخبار
 حضراتِ الانبیاء میں موسم کے وقت پھل پھول لایا۔ مولف نے اپنا دلی مطلب پایا۔ مقامِ شکوہ
 تسلیم ہے کہ خداوندِ کریم نے مجھ عامی و درسیاہ گنہ گار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے۔ محبت کا
 راستہ دکھایا ہے اور یہ توفیق دی ہے کہ میں کسی قدر اپنے وقتِ عزیز کو حضراتِ اولیاء کے ذکر میں
 صرف کروں اور ان کی افست سے بہرہ پاؤں۔ اگرچہ میں ناکارہ کجا اور بے کار کجا مگر یہ شوقی مجھ کو صرف
 حضرتِ غوثِ الثقلین، محبوبِ سبحانی، قطبِ بابائی، سید سلطان محمد الدین عبدالقادر جیلانی کی محبت

میں حاصل ہوا اور محض یہ حضرت محبوب کی توجہ ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کارساز ہونے لگے بلکہ ایک ماجز و نواتواں کو یہ قوت بخشی گئی کہ پہلے اس سے کتاب خزینۃ الاصغیاء تمام بزرگوں کے حال میں اس نے لکھی۔ مگر وہ کتاب فارسی تھی اور بہت بڑی تھی اور شائقین ملک پنجاب کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں حاجبِ طریقت گزرے ہیں۔ اب اس مختصر اردو زبان کی کتاب بخنے میں وہ دقت رفع ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اولیاء اللہ کی محبت کا شائق کرے اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی پر طریقت مل جائے کہ اس کی راہ نمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پر آئیں۔ خدا کی محبت کا راستہ پائیں کیونکہ اب یہ لوگ عنقا ہو گئے ہیں اور محبت کا حرف لوگوں کے لوح سینہ سے صاف ہو گیا ہے باطنی تو کجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ دُور سے اپنے فائدہ کے لئے دوستوں سے ایسے روگرداں ہوتے ہیں کہ منہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ خیر

قطع

مردمانے کہ اندریں حین اند! گم لاناں گئے شیاطین اند
 بہ ہیں مردماں بیاید ساخت چہ توان کرد مردماں این اند
 حضرات اہل محبت و عرفان کی محبت ہے۔ ایسے ناپرساں وقت میں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے، غنیمت ہے۔ گو بظاہر کوئی صاحبِ محبت نہیں ملتا۔ مگر باطنی نسبت اُن خدا دوستوں کے ساتھ جو اس ناپرساں وقت سے اول گزر چکے ہیں، رکھنی ایک ضروری امر ہے اور یہ بھاری ذریعہ گنہ گاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ:

شنیدم کہ دو روز امید و بیم
 ہواں را بہ نیکان بہ بخشد کریم

قطعات تاریخ خاتمہ اس کتاب کے جو میرے عزیزوں نے لکھ کر دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

دائے بہادر کنہیا لال ہندی

بہ سال خاتمہ ہندی سے ہاتھ پکارا گلشن بے خار و دیس ہے

ڈاکٹر سید علی شاہ الفت

یہ سال خاتمہ ہے اس الفت کا کہ یہ کیا گلستانِ بے خزاں ہے

مفتی محمد حیدر خان دین روشن

باتنم روشن بسال اختتام گفت نادر گلستانِ سروری

مفتی غلام صفدر

مصرع تاریخ کر صفدر رستم حوزہ جاں تازہ بہارِ مائیں

یہ کتاب لاہور، نکلنو، کانپور اور دہلی سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۷۔ مدینۃ الاولیاء، یہ بھی ادیبائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے

چار سال میں مکمل ہوئی۔ اردو نثر و نظم میں ہے۔ مطبع نو کشور، نکلنو، کانپور اور دہلی سے تین بار شائع

ہوئی۔ اب نایاب ہے۔

۸۔ مناقب غوثیہ، حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔

یہ بھی اب نکل کم یاب ہے۔

۹۔ تحفۃ الاولیاء، پندنامہ شیخ فرید الدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔

۱۰۔ احوال الآخرت، پنجابی نظم ہے۔ حشر کے دن کے حالات لکھے گئے ہیں۔ غریب اسلام

کے اقتصاد کے بموجب قیامت کے دن کا پور نقشہ دکھایا ہے۔ لاہور میں متعدد بار چھپ کر

شائع ہوئی۔

۱۱۔ بہارِ ستانِ تاریخ معروف بہ گلزار شاہی، ایک موزن کی حیثیت سے بھی آپ کا

درجہ بہت بلند واقع ہوا ہے اور یہ تاریخ اس کا تین ثبوت ہے۔ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ

ہندوستان کے ہندو راجوں کے ذکر میں ہے۔ اس میں دو چین ہیں۔ یہ حصہ خاص طور پر آریہیل

مروگھی سنگھ بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی۔ وائی بڑام پور کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔ کچھ حالات احسن التواریخ

مولفہ سید آقا حسن رضوی کنوی سے لئے گئے ہیں جو مہاراجہ کے خاص امراء میں سے تھے اور

باقی منشی جواہر سنگھ جوہر شاگرد غالب نے جو مہاراجہ کے حضور نویس تھے۔ انہوں نے فراہم کئے

اور آپ نے مختصر کر کے درج تاریخ کئے۔ مہاراجہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ شعراء، علماء و فضلاء

کے مرتبی تھے۔ اپنا دیوان غامس اہتام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ دیوان کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں: "ہمارا راج شاعر ہیں۔ راجہ تخلص کرتے ہیں۔" دیوان مخزن فصاحت جو اسم باہمی ہے۔ ہمارا راج کی تصنیف ہے۔ عطیہ ہمارا راج راقم کے مطالعہ سے گزرا۔ ایک ایک مصرع دیوان کا۔ ہمارے خود دیوان ہے۔ سچ پوچھو تو دیوانوں کی جان ہے۔ کیوں نہ ہو کلام الملوک ملوک الکلام ہے۔

دوسرا چمن ان والیان ریاست کے ذکر میں ہے جو حکومت ہند کے تحت اپنے اپنے علاقوں اور ریاستوں پر تصرف تھے۔

دوسرا احمد سلطان سلاطین کے حال میں ہے۔ عہد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے زمانے تک ہے۔ یہ حصہ ۵۲ چمنوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکمرانوں کا کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات مستند عربی و فارسی تاریخوں سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے۔ اسے تاریخی قاموس کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ آخر میں ان مسلم ریاستوں کا ذکر ہے جو سلطنت مغلیہ کے ضعف کے بعد ہندوستان میں قائم ہوئیں۔ تیسرا حصہ سلاطین انگریزی کے حالات میں ہے۔ ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نول کشور لکھنؤ سے اضافہ و تصحیح کے بعد ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ مخزن حکمت: اردو نشر و نظم میں ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں دو مرتبہ چپ کر شائع ہوئی۔ پندرہ ۱۲۹۵ھ میں، تیسری مرتبہ تصحیح کے بعد مطبع نول کشور سے آٹھ بار چپ کر شائع ہوئی۔ اس میں حکماء متقدمین و متاخرین اور فضلاء و صوفیاء کے تاریخی حالات۔ ان کے احوال اور پند و نصائح کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں،

حمد و ثنا کے لائق وہ قادر بے چوں، صانع گوناگوں، خالق برقلموں، حق جل و علاء، ذات کبریا، والی بے ہمتا۔ جس نے ایک شخص کے امر سے دونوں جہاں، زمین و آسمان، جن و انساں، کل حیوان، سب سامان بنایا، قدرت کا جلوہ دکھایا۔ سب سے اعلیٰ و اشرف انساں کو کیا عقل کا

چراغ اس کے ہاتھ میں دیا جس کے نور سے انسان کے دل نے روشنی پائی۔ آنکھوں میں بینائی آئی۔
حق کو پہچانا، خالق کو برحق اور حق کو حق جانا، حقیقت کا راستہ پایا۔

نامِ حق نامِ خدا کیا نام ہے
سارے ناموں سے ہے جسکو برتری

اسلام کے امام حضرت خیر الانام سید ابراہیم محمد مصطفیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیلہ سیدھی راہ پر آئے، مسلمان کھلائے۔

ذات پر جن کی نبوت ختم ہے	ہیں محمد مصطفیٰ صلّی علیٰ
لوگ سب پڑھتے ہیں ان کے نام کو	روز و شب صبح و صلاّ علیٰ
ہو گھر دینی سے اس کی ماہ و سال	پڑ گھر دامن ہر اصل کمال
رکھے حق روشن اسی سے صبح و شام	سرورِ گناہ کا دنیا میں نام
آسمان جیت تک زمیں ہے جب تک	مہر و مہر کرسی نشین ہے جب تک
فائدہ اس سے کرے حاصل جہاں	مستفید اس سے رہے دورِ زماں

قطعہ تاریخ از مصطفیٰ

ہو اظہارِ بفضلِ ایزدی جب ! یہ فضل و علم و حکمت کا دُفیئہ
بسالِ خاتمہ ہاتھ نے سرور ! کہا ہے عہدِ حکمت کا خزینہ
قطعہ تاریخ از رائے بہادر کنھیالال اگر کیٹوانجیر لاہور ڈویشن

چہ نادر مخزن است این مخزنِ ہوش و خرد مندی

سر اسرارِ فضل و عین علم و معدنِ حکمت !!

چہ بستانی ست این بستاںِ سائے فیضِ حقانی

چہ گلبنِ گلبنِ عرفاں چہ گلشنِ گلشنِ حکمت !

مددِ جستم زار و ارجِ یکجاں بہرہ تاریخش

خازنِ دجوانِ افلاطون کل معنیٰ حکمت

۱۳۔ تحفہ سروری، منظرِ کتاب ہے۔ سات حصوں میں منقسم ہے۔ تصوفانہ و اخلاقی

مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۷ء/۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ مطبع ذول کثوف سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔

پہلا حصہ: عبادت و خاکساری اور عجز و نیاز میں ہے۔
 دوسرا حصہ: اختتام وقت و بے اعتباری عمر کے متعلق ہے۔
 تیسرا حصہ: نیک نامی حاصل کرنے اور ترکِ ملائقت کی تعلیم میں ہے۔
 چوتھا حصہ: شجاعت و مروت کے فوائد میں ہے۔
 پانچواں حصہ: خیرات و مبرات کی توصیف میں ہے۔
 چھٹا حصہ: توبہ کرنے اور گناہ پر پشیمان ہونے کے بیان میں ہے۔
 ساتواں حصہ: اتفاق و ہمدردی کے فوائد اور نفاق و تعصب و عداوت کے نقصان میں ہے۔
 عمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں:

یہ اب لکھا گیا دلچسپ نامہ
 بنوکِ خامہٗ عنبر شمامہ

من بعد احقر المحقر صریحاً عیب خالی از ہنر غلام سرور غلط مفتی الشریع الامجد مولانا مفتی
 غلام محمد ولد حقیقت آگاہ مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی ہاشمی سہروردی عرض پرداز ہے کہ جب کمترین نے
 پہلی کتابوں گلدستہ کرامات خزینۃ الاصفیاء، گنجِ تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی تو مناسب سمجھا کہ
 ایک اور مختصر کتاب حکماء و متقدمین و متاخرین کی تاریخ اور ان کے اقوال و افعال، اخلاق و آداب،
 نکات و حکایات، حکمت و پند و نصائح میں جمع کر کے طلبہ کو فائدہ پہنچاؤں۔ دینائے فانی میں
 اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں جس کے مطالعہ سے ہر ایک شائقِ فیض پائے۔ دیکھنے والا
 حفاطاً اٹھائے، موقت کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزنِ حکمت رکھا اور تین حصوں
 میں تقسیم ہوئی۔

پہلا حصہ: قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال اور ان کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال
 و افعال، نکات و حکایات حکمت کے بیان میں۔
 دوسرا حصہ: اسلام کے ظہور کے بعد کے حکماء و فضلاء اور ان کے اقوال و افعال و

نصائح و حکایاتِ حکمت کے بیان ہیں۔

تیسرا حصہ، بعض بادشاہوں کے حالات و حکایات و اقوال و افعال و اخلاق و عدل کی تشریح ہیں۔

پہلے یہ مخزن دو مرتبہ ۱۲۸۸ء میں چھپ کر تحفہ نظر باب بصیرت ہوا۔ جب تیسری بار میرے دوست قدیم مالی جناب منشی نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ نے خود اس کے چھاپنے کا مصمم ارادہ کیا تو کمترین نے اس کی نظم و نثر کو پھر دیکھا اور اپنی رائے ناقص سے حتی الامکان اس کی اصلاح کی۔ چونکہ انسان ضعیف البیان سہو و خطا سے کبھی خالی نہیں ہے۔ ناظرین باتمکین کی خدمت میں نہایت عجز کے ساتھ التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ عند الملاحظہ اس کی نظم و نثر میں کوئی نقص پائیں، اصلاح فرمائیں ورنہ خاموش رہیں۔ عیب جوئی و انگشت نمائی نہ کریں۔

گناہ سے آدمی کوئی نہیں پاک کوئی انسان نہیں نبیاً خالی
ہے کام اس کا جب آخر قبولِ جان تو پھر کیوں کر ہو یہ نقصانِ خالی
ملنوی در خاتمہ کتاب

سرور ابس کر نہ کہ زیادہ کلام تاکہ ہو یہ مخزنِ حکمت تمام
ہو یہ گنجینہ بہ فضل کردگار ! و اما مطبوع طبع روزگار !
مقرر اس کا تحفہ سروری نام کہا سرور نے بہ اعزاز و ہاکرام
ہوایہ تحفہ سات حقوں میں تقسیم بہ تعدادِ حساب ہفت اقلیم
برائے انکشافِ حال تاریخ پئے اظہار سن و سال تاریخ

یہی جملہ سرورش غیب بولا !

کہ کیا نادر ہے یہ سرور کا تحفہ

۱۳۔ اخلاق سروری، یہ کتاب بھی علم اخلاق میں اردو نظم و نثر میں ہے۔ اخلاقی مضامین پر ایک نادر چیز ہے۔ اس میں اخلاق کی اصلاح اور دوسرے اخلاقی نکات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

انڈیا کی نہایت سادہ و دل نشیں ہے۔ گلشنِ سرودی، نغمہ سرودی اور اخلاقِ سرودی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ ان ٹوٹ جھوٹ، بے معنی و بے مغز نکتوں کی بجائے مدارس میں داخلِ نصاب کی جائیں۔ ان سے جہاں طلبہ زبان و بیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں وہاں تہذیب، اخلاق و اعمال کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر غرضِ کلام یہ ہے کہ یہ کتابیں طلبہ و اساتذہ دونوں کے لئے یکساں مفید و کارآمد ہیں۔ یہ ایک علمی خدمت بھی ہوگی اور مذکورہ کتابیں نمایاب ہونے سے بھی بچ جائیں گی۔ اسی طرح بہارستانِ تاریخ اور تاریخِ معجزِ پنجاب اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند تاریخیں ہیں۔ اگر ان کتب کو بھی عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایڈٹ کر کے تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بہت بڑی تاریخی و ملی خدمت ہوگی۔ نیز خزینۃ الاصفیاء، گنجِ تاریخِ فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیاء اردو زبان میں۔ ایسی نادر کتابیں ہیں جو فنِ تاریخ و سوانح نگاری میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور پاک و ہند میں آج تک جتنی کتابیں اس فن میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے اکثر و بیشتر تاخذ یہی تینوں کتابیں ہیں۔ اگر ان کتب کی حفاظت کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ کتابیں بھی بالکل کیسا ہو جائیں گی۔ اس لئے جہاں ہمارے علمی اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہئے وہاں خاندان کے ذی علم و صاحبِ ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے علمی نژاد کی حفاظت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں تاکہ آباؤ اجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ہو کر آئندہ حسلوں کے لئے دلیلِ راہ بن سکیں۔

- ۱۵۔ دیوانِ محمد ایزدی : ۱۸۸۰ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ محمد باری تعالیٰ میں ہے۔
- مضامینِ متصوفانہ و عارفانہ ہیں۔ لاہور، لکھنؤ اور کانپور میں کئی مرتبہ چھپ کر مقبول خاص و عام ہوا۔
- ۱۶۔ دیوانِ نعتِ سرور : ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۳ء تک ہزاروں کی تعداد میں اس کے نسخے چھپ کر مشہور ہوئے۔ اردو نظم میں ہے۔ بعض فارسی غزلیں بھی ہیں۔ لاہور میں چھو دفعہ اور لکھنؤ کانپور میں دو مرتبہ چھپا۔ ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ انشائے یادگارِ اصغر ی : اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت مغفور نے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام پر لکھی تھی جو بارہ برس کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں وفات پا گیا تھا۔ علمی و ادبی مضامین پر

مشکل ہے۔ بعض مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور انوکھے ہیں۔ ہر مضمون سے کوئی نہ کوئی اخلاقی و اصلاحی نتیجہ نکالا ہے۔ اسلوب بیان دلکش ہے۔ زبان سادہ و پُر تاثیر ہے۔ ۱۸۔ لغاتِ سروری؛ اس کا تاریخی نام زبدۃ اللغات ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی الفظ پر مشتمل ہے۔ معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔ پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ یہ لغت شعراء کے لئے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر ایک حرف لغت میں آخری رویت کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے۔

لاہور اور مطبع نو کشتور لکھنؤ سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ دیباچہ لغت میں سببِ تالیف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں؛

بعد حمد و ثنائے رب الغلیں و لغت سید المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ احقر غلام سرور غلط مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی الاسدی الهاشمی سہروردی خدمت میں اربابِ دانش و نبیشت و اصحابِ اہلِ بصیرت کی یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں مثل گلدستہ کرامات، بہارستانِ تاریخ، حدیقۃ الاولیاء، دیوانِ سروری، لغتِ سروری، گلشنِ سہروردی، تحفہ سروری لکھی ہیں جو بار بار چھپ کر تحفہ نظر اصحاب ہو چکی ہیں۔ اب یہ ارادہ ہوا کہ ایک مفید نسخہ لغت کے علم میں ایسے طرز سے لکھا جائے کہ شعراء کو قافیہ و رویت میں مدد دے اور شائقین لغت کو لغت میں اور رویت ہر ایک لغت کے اخیر حرف پر رکھی جائے۔ پہلے حرف کی رویت کی تغیر و تبدل بھی از روئے حروف تہجی لحاظ رہے۔ فارسی و عربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان میں تحریر ہوں۔ چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید نسخہ تحریر میں آیا اور بڑی کتابوں مثلاً برہان قاطع، منتخب رشیدی، صراح اور غنیات وغیرہ سے انتخاب ہو کر اس میں درج ہوئے اور لغاتِ سروری نام رکھا گیا اور اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

فصلیں ہر ایک باب کی پہلے حروف تہجی کی رعایت سے جدا جدا قرار پائیں اور ابواب اخیر حروف کے شمار پر قائم ہوئے اور نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک لغت کے ساتھ تحریر ہوا۔ یعنی جو عربی کی لغت ہے اس کے واسطے میں فارسی کے ساتھ فا، ترکی کے ساتھ تا اور یونانی کے

ساتویا۔ علی بن القیاس تحریر ہوا۔

۱۹۔ جامع اللغات : یہ آپ کی آخری اور بہت ہی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ مستند لغت
نقشی نزل کشور مالک مطبع نزل کشور کسٹو کے ایما، پر لکھی گئی تھی۔ یہ اپنی طرز کی نئی لغت ہے اور فن
لغت میں اپنی ندرت و جامعیت اور انداز بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ۱۸۹۰ء
میں تیار ہوئی۔ اس کے پانچ باب ہیں،

باب اول : عربی، فارسی، ترکی الفاظ ہیں۔ معانی اردو میں تحریر ہوئے ہیں۔

باب دوم : اردو الفاظ اور عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اردو میں رائج و مستعمل ہیں۔

باب سوم : فارسی محاورات و اصطلاحات اور سندھ میں اساتذہ کا کلام ہے اور جہاں کہیں کسی
استاذ کا شعر بطور سند نہیں مل سکا وہاں اپنا شعر بطور محل استعمال کھلبے۔ محاورات و
اصطلاحات کے معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔

باب چہارم : اردو محاورات و اصطلاحات کی تشریح اور سندھ میں اساتذہ کا کلام۔

باب پنجم : علم ادیب کے بیان میں ہے۔ تمام ادیب کے عربی، فارسی اور ہندی نام اور ان کے مزاج و
خواص درج کئے ہیں۔ فاضل مولف لغات کے آثار میں سبب تالیف اور مذکورہ بالا
باتوں کی توضیح بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں،

خوشہ چین خرم از باب فضل و ہنر غلام سرور خلف مفتی الشریع الامجد مولانا مفتی غلام محمد
فسریشی اسدی الهاشمی سہروردی کی یہ گزارش ہے کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف
و تالیفات نظم و نثر اردو فارسی کے پہلے بھی زبدۃ اللغات المعروف بہ لغات سروردی، لغت
کے علم میں لکھی تھی جواب تک دو بار چھپ کر ہدیہ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے۔ اب پھر میرے
محبِ قدیم، عنایت فرما، کرم گستر، قدر دان علم و ہنر، نقشی نزل کشور مالک مطبع ادھر اخبار لکھنؤ خاص
طور پر میرے مکلف مال ہوئے کہ ایک اویسیط کتاب جامع اللغات عربی و فارسی و ترکی و

اردو الفاظ و محاورات سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات و محاورات کتب معتبرہ و متعین
و متاخرین سے لئے جائیں۔ پس تعمیل ارشاد اپنے مرنے کے کمر بستہ کی جست باز دی۔ الحمد للہ
دن رات کی محنت، صبح و شام کی عرق دیزی اور ساعت کی جاں نشانی سے یہ کام بانجام پہنچا جامع اللغات

نام لکھا گیا ہے اور میں ابواب پر تقسیم ہوئی اور ہر ایک باب میں پانچ پانچ تفصیل ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم روایت وار پہلے حرف پر تقسیم ہوئی ہے مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت پر بھی لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں روایت اولین و آخرین سے زینت بخشی۔ وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

فرہنگ معنیہ از مولوی سید احمد دہلوی، امیر اللغات از امیر مینائی گھنوی، نور اللغات از مولوی نور الحسن کاکوروی، نفائس اللغات از مولوی امد الدین بگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں جو ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اسی زمانے میں شائع ہوئے مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت نہیں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے لکھی تھی جس کی اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کمی کو آپ نے پورا کیا۔ اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ و لغت لکھے گئے مثلاً فیروز اللغات وغیرہ یہ سب بتغیر ہیئت و اسلوب بیان و تحقیق لغت جامع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں۔

۲۰۔ کلیات لغت سرور: دیوان لغت سرور ۱۱۸۸ء سے ۱۸۴۳ء تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر خواص و عوام سے غراہی تحسین حاصل کر چکا تھا۔ جب آپ ۱۱۸۹ء میں حج بیت اللہ زیارت و خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تشریف لے گئے تو جو نعتیہ غزلیں اثنائے سفر حج میں تصنیف فرمائی تھیں آپ کے فرزند مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل نے ان نعتیہ غزلوں کو وصال سرور کے نام سے شائع کیا تھا اور بعد ازاں ان کے برادر اصغر حکیم محمد انور نے آپ کا تمام و کمال نعتیہ کلام کلیات لغت سرور کے نام سے شائع کیا جس میں اکثر و بیشتر نعتیں اردو زبان میں ہیں لیکن متعدد فارسی بھی ہیں۔ آپ کے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر ثنوی تحفہ سروری، ثنوی گلشن سروری، ثنوی اخلاق سروری جدت ادا، زبان و بیان کی روانی اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر کہ جو اس وقت متروک ہیں سارے کا سارا کلام اردو محاورہ و روزمرہ کے عین مطابق ہے۔ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک ایک شعر عشق رسول میں ڈوب کر کہا ہے اور اساتذہ نے بھی نعتیں لکھی ہیں بلکہ نعت گوئی میں صاحب دیوان

ہوئے ہیں مگر ان کا کلام قابل ہے، حال نہیں۔ مفتی غلام سرور صوفی باصفا اور صاحبِ دل شاعر تھے۔ یہاں مصرع مصرع سے پتہ اور ولی جذبات پک رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑی چیز جو تمام کلام میں یکساں طرز پر پائی جاتی ہے وہ حفظ مراتب ہے۔

عبدالباری تعالیٰ، لغت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور منقبت بزرگانِ دین میں حد فاصل رکھی ہے جس سے آپ کے جو علم اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ زبان اور تشبیہات و استعارات میں بھی یہ نازک فرق ملحوظ رکھا ہے۔ تمام کلیات نغلی و معنوی خوبیوں کا اکٹبہ دار ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیات کے آخرین غزل، ممدس، ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک سی حرفی ہے۔ اہل بیت، خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگانِ دین کی مدح و منقبت میں آب و آتش کا کچھ ہے۔ سب سے آخر درود شریف شمس الفی ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ہر کہ ہر روز بخواند در دین و دنیا محترم گردد و بندہ در وقتیکہ اس درود شریف تصنیف کرد مشکل کشائی کا یہ خود فی الفور از جناب الہی حاصل نمود۔ درودِ مکرم اس است۔ اس درود شریف کے ۱۹۰ اشعار ہیں۔ سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی میں بے نظیر و بے مدیل ہے۔ اسی طرح آپ نے جو کتابیں فارسی و اردو و نثر میں لکھی ہیں ان کی زبان اور اسلوب بیان بھی مشکل نہیں۔ تمام نثر سادہ ہے۔ مگر اس زمانے کے طرزِ انشاء اور مذاقِ علمی کے مطابق اکثر فقرات نثر مزج و مقفیٰ میں بھی ہیں مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلف واقع ہوا ہے اور نہ نقصِ روانی و تعقیدِ معانی نے راہ پائی ہے۔

اردو و نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں مگر تمام الفاظ و تراکیب خوبی و تقادارِ کلامی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں کہ کیسے ثنات پیدا نہیں ہوئی۔

۲۱۔ خزینۃ الاصفیاء: فاضل مولف کی یہ معرکہ آرا کتاب اردو لباس میں لہجہ اندازِ زیبائی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ صوفیائے اسلام کا ایک مستند تذکرہ ہے جس پر دنیا کے تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس دور میں بزرگانِ دین کے جتنے تذکرے یا سوانحی حالات مختلف انداز میں اہل ذوق کی تشنہ کامی کو تسکین بخشتے رہے ہیں وہ اسی خزینہ کے جواہر پارے ہیں۔ یہ مستند

تذکرہ تمام تذکرہ نگاروں کے سامنے رہا اور اسی بنیاد پر اہل قلم اپنے اسلوب تحریر کی عاریتیں کھڑی کرتے گئے۔

خزینۃ الاصغیاء تاریخی نام ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ، رواں و شستہ فارسی نثر میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور متقدمین و متاخرین صوفیاء و علماء و شعراء کے حالات نہایت تحقیقی و تدقیق کے ساتھ درج کئے ہیں اور ساتھ ساتھ مآخذ بھی بیان کئے ہیں جس سے مصنف کے وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں مفصل حالات ان بزرگوں کے ملتے ہوں۔ اس میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی آئے ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ ۱۱۰۰ بزرگوں کی حالت اور ۱۱۰۰ صفات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک صوفی کی تاریخ ولادت و وفات بھی نظم میں لکھی ہے۔ ۱۲۰۰ء میں شروع ہوا اور ۱۲۸۹ء میں مکمل ہوا۔

تمام کتاب سات مخزنوں پر تقسیم ہے جیسا کہ خود داخل مصنف نے نماز کتاب میں سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حمد و نعت کے بعد تحریر کرتے ہیں :

مے گوید بندہ احقر المحقر، سدا پامیب، خالی از ہر غلام سرور خلعت مفتی الشرع الامجد غلام محمد بن مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الباشمی مہروردی لاہوری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ فی الدنیا و الآخرہ۔ کہ چوں ایں خاکسار سراپا انکسار بعنایت پروردگار از تصنیف و تالیف کتاب گلدستہ کرامات اعلیٰ مناقب حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صدانی سید سلطان ابو محمد محمدی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنى والحسینى الحنبلى قدس سرہ العزیز فراغت یافت بعضہ دوستان صداقت آئین مہمان محبت گزین مکلف مال نیاز مال شدند کہ مجبور دیگر در احوال المشائخ دین و ادبیائے اہل یقین جمع آورده بہ تسوید حالات و ترقیم خوارق و کرامات آن حضرت جدا جدا سلسلہ پر درازد۔ تا سالکان طریقت و طابان ہدایت راہ قوت حالات مشائخ غلام فیض مام و فائدہ نام حاصل گردد و شوق بر شوق و ذوق بر ذوق بیفزاید و محبت بر محبت ترقی پذیرد و برائے مولف یا دیگرے بر صغیر و بزرگارسے بماند۔ چوں رخت زندگانی از ایں سراے فانی بر بند بگافتہ خیر یاد شود۔ لہذا ایں کہ ہمت بگفتہ مخلصان اخلاص مند و مہمان محبت پسند و علی الخصوص بامید آنکہ شنیدم کہ در روز امید و بیم۔ ہاں را بنیکاں بہ بخشد کریم۔ تو سل نجات بوسیلہ جمیلہ حضرات تصور نمود و بہ ہزار محنت و

رنج باجماع این گنج مشغول شد و باحوال ہر یک بزرگ از کتب والارتب متقدمین و متاخرین جمع آورده بنیاد این گنج گوہر سنج نهاد و بہ خزینۃ الاصفیاء کہ نام تاریخی است۔ موسوم ساختہ بہ ہفت مخزن تقسیم نمود۔

مخزن اول، و در ذکر قائم المرسلین، شفیع المذنبین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و علمائے راشدین و ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مخزن دوم، و در ذکر مشائخ خاندان قادریہ اعظمیہ۔

مخزن سوم، و در ذکر حضرت خانوادہ چشت اہل بہشت۔

مخزن چہارم، و در ذکر پیران سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ۔

مخزن پنجم، و در ذکر بزرگان سہروردیہ عالیہ۔

مخزن ششم، و در ذکر خانوادہ ہائے متفرقات۔

مخزن ہفتم، مشتمل بر چہار حصہ:

حصہ اول، و در ذکر ازواج مطہرات سرور کائنات علیہ السلام۔

حصہ دوم، و در ذکر والادربات بنات حضرت شاہ رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حصہ سوم، و در ذکر عورت صالحات و عارفات کہ از اہل ولایت و کرامت بردہ اند۔

حصہ چہارم، و در ذکر مجاہدین و مجاہدات زمانہ سلت و حال و خاتمہ کتاب و چون یہیچ مدوں،

سرپا نسیاں در فن تنظیم نظم و نثر مہارتے و یاقوتے ندارد۔ بنا بر آں از شعرائے

نامدار و مثنیان باوقار امیدوار است کہ در عبارت نثر یا قطعات منظومہ مندرجہ

ایں کتاب کہ در خاتمہ احوال ہر یک بزرگ در ماوہ۔ ولادت یا وفات ایشاں

نوشتہ شدہ است۔ بر سموئے یا خطائے دست یا بند بدست عطا پوشیدہ

دست از انگشت نمائی باز دارند۔ بلکہ بتواند اصلاح فرمایند۔

من دیریں دنیا خطا دار آدم ! بندہ خاکي گنہگار آدم !!

چوں سراپا عییم و کیسر خطا در جنابت و انم ایں عرض و دعا

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب پردہ پوشی کن تو از راہ ثواب

گر تویی بے عیب از راهِ کرم از سرِ اصلاحِ راں بر من قلم
لطف و احسان کن کہ ربِّ الغلین ضائع نکند اجرِ پاکِ عسین !
قطعہ تاریخ

جلوہ گردشِ چو این خزانہ فیض ! در جہاں مشلِ ماوِ پُر انوار
در نظر ہائے خلق شد منظور گشت مقبولِ ہر معنار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است کانِ معنی است مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حقِ انوشد ! پر گھرِ شلِ ابرِ گہرِ بار
سال او خازنِ خود فرمود !

گو مقدس خزینہ ابرار !

دیگر

گشت چو آغاز از فضلِ الہ مخزنِ مالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمو ز شد سرِ خود ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلا
چشمہ فیض است بہرِ غافلِ نام سرِ سرِ گنجِ است گنجِ بے ہما
معدنِ نور است از انوارِ حق ! مخزنِ سریت از اسرارِ حق
در ہزار و دو صد ہشتاد گشت جمعِ این کنزِ معانی با صفا
بادتا باشد زمین و آسمان ! جلوہ گرِ این گنجِ معنی جا بجا

خازنِ دل گفت سرود سال او

مخزنِ اسرارِ گنجِ اولیاء

خاتمہ الکتاب

الحمد للہ و المفتی کہ این مخزنِ عیب و غریب با مدافعی و توفیقِ لاریبی با تمام و مدعاے دل
با انجام رسید و منظورِ نظر اصحاب و پسندِ خاطرِ احباب گردید۔ ہر چند کہ فراہمیِ این گنجینہ و اجتماعِ این خزینہ
کارِ این کمینہ نبود۔ لیکن توجہاتِ حضراتِ اولیاء و اہلادِ مشائخِ عظام۔ دولتِ این گنجِ بے محنت و بے سنج
مفت باین طرح شیخِ حاصل شد و در مدتِ دو سال در ماہِ شوال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و یک علیہ

اختتام پوشیدہ و حالات بعض حضرات کہ درخبر اردو دھند و ہشتاد و دوسہ وفات یافتہ اند۔ بعد اختتام کتاب داخل کردہ شد کہ غالی از لطف نہ بود و بندہ بے ہنر غلام سرور مدعی آں نیت کہ در فن نظم یا نثر و قوفیہ دارد۔ اما چون در دنیا و عقبی وسیلہ نجات بجناب و امب العالیہ داشت و حیران و سرگردان مالی کار خود بود۔ بنابر آں حضرت سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ و ائمہ ذی درجات و ادبیاء و الامعات و تنفیج المجرمین و مادی المفلکی و جل المتین در دنیا و دین تصور نمود۔ دست ارادت و یقین بدامن حق تو اماں ایشان زد و چند اوقات بدماجی آں حضرت صرف نمود و کتابے در احوال آں اہل کمال جمع آورد۔ بدیں امید کہ شاید حشر ایں رویہا سراپا نگراہ بروز حشر از غلامان در گاہ و غلامان اولیاء بوقوع آید و از کمترین خادمین ایشان بشمار آئمہ بہ مغفرت رسد۔ و لہذا الموفق و المعین۔

قطعہ تاریخ آغاز و اختتام از مؤلف

گشت پر از عطائے ایزد پاک کنز خوبی و گنج محسبوی !
ابتدایش خزینہ قرب است ! انتہایش خزانہ خوبی !

فاضل مؤلف نے کتاب کے آغاز و اختتام میں کتاب کی تالیف و ترتیب کے مقاصد پر تفصیل روشنی ڈالی ہے۔ ہم مفتی صاحب قدس سرہ کے اس عظیم علمی اور تاریخی کارنامے پر داتحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے اس بے بہا خزینے کو اس دور میں ترتیب دیا، جب سکھ گردی نے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علمی خزینے ایک ایک کر کے نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ علمی محفلیں، دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں ایک ایک کر کے ویران ہو چکی تھیں۔ اہل علم اپنی جان کی سلامتی کے لئے اپنے علم کو چھپاتے پھرتے تھے ان حالات کے باوجود مفتی صاحب نے سیکڑوں ماخذ جمع کئے اور خزینہ الاصفیاء کو ضمیمہ تحریریں لائے۔ فاضل مؤلف کی شبانہ روز کوشش اپنے گوہر زیر قلم کو تیشہ فریاد بنا کر حالات کے کووگراں کو چیرتی گئی اور اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ کتاب ۱۲۸۰ھ / ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوئی اور پلا ایڈیشن لاہور میں چپا کر بعد میں ہریم و اضافہ کئی ایک ایڈیشن نوکشتور بکشن نے مفتی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہی شائع کئے۔

میں صرف مخزن دوم کا ترجمہ ہی کر پایا تھا اور میری صحت نے اجازت نہ دی کہ میں اپنے
 ناتمام مرحوم کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکتا۔ چنانچہ میرے فاضل عزیز زادہ علامہ اقبال احمد ناردقی
 ایم۔ اے نے اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ترجمہ کا کام قریب الانصاف ہے۔
 میں اپنے فاضل دوست محکم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور
 مفید حاشی کا اضافہ فرمایا۔ میں اپنے فاضل معاصر جناب سید شرافت نوشا ہی صاحبہ کا بھی ممنون ہوں
 جنہوں نے نوشا ہی بزرگان دین کے حالات کے ترجمہ اور حاشی میں میری قابل قدر مدد کی۔ عزیز محکم
 محمد عالم مختار حق کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے تصحیح کا کام بڑی صحت سے کیا۔ آخر میں اپنے محترم
 دوست الحاج میان باغ علی بسیم کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مفید مشوروں
 سے نوازا۔ موصوفہ سی کی مخلصانہ کوششوں سے مکتبہ نبویہ نے اس عظیم اشان کتاب کی طباعت کا
 اہتمام کیا ہے۔ مکمل کتاب کا ترجمہ ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر پھیل رہا ہے اور پانچ جلدوں میں منقسم ہے
 پہلی جلد پیش خدمت ہے باقی جلدیں ان شاء اللہ سلسلہ وار پیش ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگان دین رضوان اللہ عنہم اجمعین کے صدقہ
 میں مفت مرحوم، مترجمین، معاونین، طابعین اور ناشرین کے گناہوں کو معاف فرمائے اور تمام
 مسلمانوں کو اپنے رسول پاک اور بزرگان دین کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مفتی محمد عالم ہاشمی

۲۳۔ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ



حمد

حمد ہی اس ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ کی تائی و اپنائیت، اس کی صفت ہے اور
شکر بھی اسی ایک اللہ کے لئے ہے جس کی مشیت سے تعینات کی تمام اقسام کا ظہور ہوا۔

مَالِكُ الْمَلِكِ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَحْدَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

وہ ایسا کبریائی کا مالک ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اس کی بارگاہِ لم یزلی میں سجدہ ریز ہیں۔
وہ ایسا بڑا ہے کہ دنیا کے شان و سلطوت رکھنے والے بڑے بڑے شہنشاہ اس کی بارگاہ کے
ادنیٰ سے بندے ہیں۔ وہ ایسا صانع ہے کہ اس نے اپنے ایک ہی حکم "کُنْ" سے کائنات
کو پیدا کیا۔ وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ بڑے بڑے ظالموں اور داناؤں کی عقلیں اس کے
کلماتِ قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ صدیقین یعنی ذاتِ باری کو مشاہدۂ سچ ماننے والے
اس کے جمال کی تعریف کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہل عرفان کے دل اس کی ذات کے
عرفان کے باب میں یوں ہیں کہ جیسے وہ اسے نہیں پہچان سکے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مُنْفَرِدٌ بِذَاتِهِ و اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و

صفاتِ کمثلہ شئی و صفات میں یکتا ہے۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور

هو السميع العليم وہ سنے، جاننے والا ہے۔

نعت

اور نعت اسی مالک کو ثناء جبار کے لئے ہے، جس کے سر پر تاجِ لولاک خوب زیب
دیتا ہے۔ وہ ایسا شفاعت کرنے والا نبی ہے کہ رُوسیا ہیوں کے گناہ اگرچہ پہاڑ کی مانند

کیوں نہ ہوں، اُس کی شفاعت کے مقابل، بموجب حکم و لَسَوْتَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ
 محاس کے ایک تھکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ آپ ایسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ آپ کے روح
 کو بین وجود کی برکات کے ساتھ پوری انسانیت سخی کہ کفار اور کفر اپنے فتن و فحور کے باوجود بھی
 حکم خداوندی لَا يُعَذِّبُهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ کی رو سے قہر الہی سے بچے ہوئے ہیں۔ صلی
 اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ تسلیماً کثیراً کثیراً ۵

عاجز و حقیر، سراپا عیب اور ہنر سے خالی انسان، غلام سرور جو مفتی شریعتِ مطہرہ غلام محمد
 بن مفتی رحیم اللہ قریشی، اسدی الماشی لاہوری (مقرنہ ذنوب و ستر عیوب فی الدنیا و الآخرة) کا بیٹا ہے
 گزارش کرتا ہے کہ جب خاکسار نے اللہ کی مہربانی و عنایت سے کتاب "گلستانہ کرامات" جس
 میں حضرت محبوبِ سبحانی، قلبِ ربانی، غوثِ صدیقی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی
 الحسینی والحسینی الحبلی کے مناقب لکھے ہیں، کی تصنیف و تالیف سے فراغت پائی تو بعض جانِ نثار
 ساتھیوں نے اصرار کیا کہ میں مزید ایک کتاب لکھوں جو مشائخِ دین اور اولیائے اہل یقین کے
 حالات اور ان کی کرامات و سوانح پر مشتمل ہو تاکہ راہِ طریقت پر چلنے والوں اور ہدایت طلب کر نیوالوں
 کو مشائخِ عظام کے حالات سے واقفیت ہونے کے علاوہ پُر راہ پُورافیض حاصل ہو، اُن کے
 شوق و ذوق کا جذبہ پڑ ان چڑھے اور عقیدت و محبت میں ترقی ہو۔ نیز ساری دنیا میں موعظ کئے
 ایک یادگار بنے اور جب وہ دنیا سے روانہ ہو تو لوگ اس کی کاوش کے پیشِ نظر اسے اپنی نیک
 دعاؤں میں شریک کریں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے ۵

بماند سالہا این نظم و ترتیب ز ماہر ذرہ خاک افتادہ جانے
 غرض نقشے است کہ زیاد ماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

لہذا یہ کم بہت (غلام سرور) مخلصِ اجاب کے مشورہ سے اور خاص طور پر یہ امید لئے ہوئے ہے
 شنیدم کہ در روزِ امید و بیم ہاں را بہ نیلِ بہ بخشد کریم
 اپنی ابدی نجات کی خاطر ان تمام بزرگوں کا (جن کا ذکر خیر شامل کتاب ہوگا) وسیلہ و صونڈ ہے،

خوب محنت کے ساتھ اس تاریخی خزانہ کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا اور آخر ہر ایک بزرگ کے صحیح حالات متقدمین اور متاخرین اصحاب قلم کی سیدھی کتابوں سے ترتیب دے کر، اس خزانہ کی بنیاد رکھ دی اور تاریخی نام "خزینۃ الامنیاء" سے موسوم کر کے اسے سات حصوں (محزون) میں تقسیم کیا:

پہلا محزون :- خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر میں۔

دوسرا محزون :- خاندانِ قادریہ اعلیہ کے مشائخ کے ذکر میں۔

تیسرا محزون :- خاندانِ چشت اہل بہشت کے بزرگوں کے ذکر میں۔

چوتھا محزون :- سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگوں کے ذکر میں۔

پانچواں محزون :- بزرگانِ خاندانِ سہروردیہ کے ذکر میں۔

چھٹا محزون :- مختلف سلسلوں کے بزرگوں کے ذکر میں۔

ساتواں محزون :- چار حصوں پر مشتمل ہے :-

حصہ اول: حضورِ سرور کائنات کی ازواجِ مطہرات کے ذکر میں۔

حصہ دوم: حضورِ اکرمؐ کی صاحبزادیوں کے ذکر میں۔

حصہ سوم: ان پاکباز عورتوں کے ذکر میں جو ولایت و کرامات میں ممتاز تھیں۔

حصہ چہارم: موجودہ اور گزشتہ صدیوں کے مجذوب اور دیوانہ وار فیروں کے ذکر اور خاتمہ

کتاب میں۔

یہاں یہ بات بے عمل نہ ہوگی کہ اس خطا کار و ناکسار کو نظم و نثر میں چنداں بیباقت نہیں۔

اس لئے بلند پایہ شاعروں اور قابلِ عزت ادیبوں سے متوقع ہوں کہ اگر وہ کتاب کی نثر یا ان نظموں میں جو ناکسار نے ہر ایک بزرگ کے حالاتِ زندگی کے آخر میں کہی ہیں۔ کوئی غلطی پائیں تو خطا پرشی سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو اصلاح فرمادیں۔

من مدین دنیا خطا دار آدم ! بندہ خاک کی گنہ گار آدم
چمک سہرا پامیم و یکسر خطا در جنابت دارم این عرض و دعا

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب
پردہ پوشی کن تو از راہِ ثواب
گر توئی بے عیب از راہِ کرم
از سرِ اصلاح راں بر من قلم
لطف و احسان کن کربتِ اعلیٰ
ضائع نکند اجر پاکِ عسین
کتاب کے بارے میں موتف کے اپنے خیالات:

جلوہ گردش چو ایں خزانہ فیض
در جہاں مثل ماور پر انوار
در نظر ہائے خلق شد منظور
گشت مقبول بر معارف و کبار
معدن فیض و منبع فضل است
کان معنی ست مخزن اسرار
دامن طالبان حق زد شد
پر گھر مثل ابرِ گوہر بار
سال او خازنِ حسد و فرمود
گو مقدس و خشنود ابرار
ایضاً موتف کے قلم سے:

گشت چوں آغاز از فضلِ الہ
مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
بر کہ دیدش ہمو ز رشد سرخرو
بر کونادش گشت خداں چوں طلا
چشمہ فیضی ست بہرِ خاص و عام
سر بسر گنج ست گنج بے بہا
معدنِ نوریت از انوارِ حق
مخزنِ تریت ز اسرارِ خدا
یک ہزار و دو صد و ہشتاد گشت
جمع ایں کنیز معسانی باصفا
باد تا باشد زمین و آسمان
جلوہ گر ایں گنج معنی جا بجا
خازنِ دل گشت سرور سالِ او
مخزنِ اسرار ، گنجِ اولیاء
۱۲۸۰ ۱۲۸۰

منعتی غلام سرور لاہوری بنی منہ

مخزنِ اَوَّل

ذکرِ آنحضرت، خلفائے راشدین و ائمہ کرامؑ

۱۔ حضورِ خاتمِ المرسلین، شفیعِ المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضورِ شاہِ رسالت خاتمِ النبوت علیہ السلام والصلوة والتیمۃ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سے
برتر ہیں اور ساری موجودات کا وجود آپ کے وجود کی برکت سے قائم ہے جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے،

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِي وَكُلُّ
خَلْقِي مِنْ نُوْرِي۔
نہا نے سب سے اوّل میرے نور کو پیدا فرمایا اور
میرے ذرے پھر ساری مخلوق کا ظہور ہوا۔

اسی طرح آپ کا یہ برحق کلام بھی حدیثِ قدسی کا ایک حصہ

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلاَکَ۔ اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو میں عالمِ ایجاد کی نیکیاں پیدا نہ کرتا۔

اس حقیقت پر ایک قوی دلیل ہے اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قریش مکہ کے شریف قبیلہ میں سے
صحیح الطرفین تھے۔ عالی قدر والد عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے اور والدہ
ماعدہ بی بی آمنہ۔ وہب بن عبد مناف کے قبیلہ سے تھیں۔ حضور کے اسمائے صفائی بہت
زیادہ ہیں، ان میں سے ننانوے نام اپنی عظمت و خصوصیت کے اعتبار سے خاص و عام
کی نوکِ زبان پر ہیں اور مستند کتابوں میں درج ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں،

- (۱) محمد (۲) احمد (۳) حامد (۴) محمود (۵) مصطفیٰ (۶) مرتضیٰ (۷) خاتم النبیین
- (۸) شفیع المذنبین (۹) رحمتہ للعالمین (۱۰) وجید (۱۱) طاہر (۱۲) یسین (۱۳) رسول (۱۴) نبی
- (۱۵) بشیر (۱۶) نذیر (۱۷) منزل (۱۸) مدثر (۱۹) نور (۲۰) سراج (۲۱) متوکل (۲۲) کنیل
- (۲۳) منیق (۲۴) روح القدس (۲۵) صاحب التاج (۲۶) صاحب المعراج (۲۷) صاحب السیف
- (۲۸) قیم (۲۹) مسکین

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائے گرامی میں مسکین کی نسبت کو زیادہ عزیز
سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے،

اَللّٰهُمَّ اَحْبِنِیْ مَسْکِیْنًا وَاَمْتِنِیْ اے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھ اور

مسکیناً واحترافاً فی زمرة
مسکین کے گردہ ہی سے اٹائی۔

چونکہ آپ کی ذات بابرکات خود مسکین تھی اس لئے یتیموں اور مسکینوں کو آپ بہت قریب رکھتے تھے اور ان کی حمایت اور رہایت کے لئے دل و جان سے کوشش فرماتے تھے اور اپنے اصحاب پاک کو بھی یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کے سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔
حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کے مقدس نام کو ہر ایک آسمانی صحیفہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ قریت میں حامد، معلوک، قتال اور انجیل میں احمد، فارقلیطا اور قرآن پاک میں محمد و احمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ما شق صادق حضرت شاہ ابوالمعالی قادری کرمانی لاہوری حضور اکرم کے علیہ مبارک کی تعریف میں یوں کہتے ہیں:

هو اسرہا من التون و واسع	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ قدمی سرخ یا سفید
الجبہۃ وازج العاجین و اقلبہ	لاہو اتھا۔ فراخ پیشانی ، باریک ابرو
الاسنان و اسود العینین و ملیحہ	کشاوہ دندان ، سیاہ چشم ، حیا دار ملیح نظروالی
و اتنا نعت و ازج الحواجب و	بند ناک ، بھرے ہوئے
طویل الیدین و تمام العتد	لمے بازو ، سر و قد (یعنی سیدھا)
و مجتمع اللحیۃ و رقیق الانامل	جیسے مناسب ہوتا ہے ، اور گنجان ریش
وضیق الغداد و لیس فی بدنہ شعر	مبارک باریک بال ، تنگ بدن تھا۔ آپ کے
الا لخط الصدر الی الشو و صورۃ	بدن مبارک پر بال نہیں تھے مگر سینہ اقدس کے
احسن الصور و حسنہ حسن القمر	خط سے نازک اور آپ کی نازنین صورت تمام صورتوں
و نورۃ نور الشمس و علامۃ کلام	سچا احسن ہے ، آپ کا حسن چاند کے حسن سے بڑھ کر
روح القدس و قالہ قتال	اور آپ کا نور ، نورِ نور شہید سے افضل۔ آپ کا کلام
الشریعۃ و حالہ حال الحقیقۃ	بلاغت نظام روح القدس کا کلام اور آپ کی گفتگو
و علمہ علم الیقین و لسانہ	راز شریعت اور آپ کا مال حقیقت کی صورت ہے۔

لسان الذاکر و قلبہ : آپ کا علم، علم یقین اور آپ کی زبان خدا کا ذکر
 عین المعرفة و ذاتہ : کریمانی زبان ہے۔ آپ کا دل معرفت کا چشمہ،
 ذات انوار الحق و دینہ : آپ کی ذات انوار حق کا کمرشہ، آپ کا دین تمام
 اکرام الادیان ملتہ اثرات : دنیا کے مذہبوں سے بلند اور آپ کی قوت تمام
 السبل و خلقہ احسن الاخلاق : ملتوں سے برگزیدہ ہے۔ آپ کا خلقی مفیم اخلاق
 و عملہ امر اللہ و فعلہ : حسنہ کا بخور، آپ کا عمل خدا کا حکم، آپ کا کام
 عبادۃ اللہ و جمہ خیر الاجام : اللہ کی عبادت، آپ کا جسم مخلوق میں خیر و سعادت
 واسفہ خیر الانام صلی اللہ : اور آپ کا اسم گرامی "خیر الانام" ہے صلی اللہ
 علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

حضورِ فخرِ الرسل کی ولادتِ اعلیٰ علمائے ملت کی متفقہ رائے کے مطابق واقعہ اصحابِ فیل
 کے سال میں، ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے روز پو پھٹنے کے بعد ہوئی۔ گویا اس تاریخی
 واقعہ کو گزرے ابھی چالیس یا پچپن روز ہی گزرے ہوں گے۔

بعض بزرگوں کا خیال یوں ہے کہ حضورؐ کی ولادت اور ابراہیمؑ کا حملہ (واقعہ اصحابِ فیل)
 دونوں ایک ساتھ ہوئے۔ ایک لحاظ سے نو شیرواں کے زمانہ میں، اس کی حکومت کے یا لیسویں
 سال میں حضورؐ عالمِ آزاد ہوئے جبکہ سکندر اعظمؑ متحدہ دونوی کو دنیا سے رخصت ہوئے "چھ سو بہتر
 برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضورؐ کی ولادت
 تک کل چھ سو سال کا فرق تھا۔ چالیس برس کی عمر میں رمضان المبارک کے رحمتِ مہینہ کے
 اندر آپ پر کلامِ الہی کا نزول شروع ہوا۔ بعض علمائے حدیث کے بیانات کے مطابق وحی نازل
 ہونے کی ابتداء حضورؐ کی عمرِ عزیز کے اکتالیسویں سال میں ۳۔ ربیع الاول کو پیر کے روز ہوئی۔

وہ معجزے جو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتہنید سے ظاہر ہوئے، پہلے انبیاء میں سے یوں
 کسی نے سہی نہ کھلائے۔ ان کی تفصیل پانے بزرگوں کی کتابوں مثلاً معارج النبوت، مدارج
 النبوت، اعجاز نبوی اور صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جیسے نزولِ قرآن کا معجزہ اور اس کی

فصاحت اور معجزہ شق القمر وغیرہ۔ یہ معجزات ایک ہزار سے زائد بیان ہوئے ہیں۔

حضرت اکرمؐ صاحب السیف والناج کا عروج معراج (مشاہدات معراج) علم حدیث کے اکرم علماء کے فیصلہ کے تحت ربیع الاول میں بعثت نبویؐ کے بارہویں سال ہوا۔ بعض اصحاب شوال کا مدینہ اور بعثت کا گیارہویں سال بتاتے ہیں لیکن ۲۷ رجب المرجب کی شب پر اکثر علماء متفق ہیں اور اسی تاریخ کو زیادہ معتبر خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت میں ماہِ صفر کی ستائیسویں رات کو یا یکم ربیع الاول کو بعثت کے تیرہویں سال ہجرت فرمائی اور آپؐ نے مکہ معظمہ کی آبادی سے انوار یا ہجرات کے دن باہر قدم اٹھایا۔ بعض ائمہ دین کے فرمان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ رۃ ہجرات کو گھر سے نکلے اور غار سے نکلے اور مدینہ منورہ کی طرف رُح کرنے کا دن سوموار تھا۔ یا ممکن ہے اس کے برعکس واقعات ہوں۔ بہر حال مدینہ طیبہ میں داخلہ بارہ یا اٹھارہ ربیع الاول پر کے روز ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بوقت چاشت بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا۔ وصال کے وقت آپؐ مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک مورخ نے آپؐ کا وصال ۲ ربیع الاول ہجرت کی سحری بیان کیا۔ بعض کتابوں میں جمعہ کا دن لکھا گیا ہے مستند بات یہ ہے کہ آپؐ کا وصال سوموار کو ہوا اگر آپؐ کو بدھ کے دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال کی تھی۔ بعض حضرات نے ۶۵، ۶۴ اور ۶۲ سال ۶ ماہ لکھی ہے۔ ان حضرات نے مختلف حالات سے عمر مبارک کا تعین کیا ہے۔ مستند علماء تاریخ نے ان تمام اقوال کو سامنے رکھ کر ۶۳ سال پر اتفاق کیا ہے لیکن مندرجہ بالا اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعضوں نے سن ولادت اور سن وفات شمار نہیں کیا اور بعض نے قمری شمسی دونوں کا شمار کیا ہے۔ تاریخ وفات:

رفت چوں از جہاں جناب نبی	ہم جو خور گشت در زمین مستور
نور حق بود وصل شد با ذات	پردہ میم شد نہ احمد دور
گفت جبرئیل سالِ ترحیلش	اے بگو مہر شد سرایا نور

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ جناب رسالتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برگزیدہ ساتھیوں اور پُر عظمت جانِ نثار صحابہؓ میں سے تھے اور افضل البشر پیغمبرِ اسلام کے بعد خلافتِ راشدہ کے پہلے امیر تھے آپ کی کنیت ابو بکرؓ، لقب صدیق اکبر اور یثیق تھا۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن مامر بن مرہ بن کعب بن سعد بن میم بن مرہ تھا۔ والدہ ماجدہ کا نام ام الحیر مسلمی بنت صخر بن امر بن مرہ بن کعب بن سعد بن میم بن مرہ تھا۔ گویا آپ کے والدین کا نسب چھٹی پشت میں مرہ سے جاملتا ہے، جن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں پشت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس ناطقہ کے ساتھ دیکھا جائے تو حضرتؓ کی نسبتِ آبائی جنابِ مردِ کائنات کے ساتھ مشترک نظر آتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پیدائش متحقق روایات کے تحت، واقعہ اصحابِ فیل کے دو سال چار ماہ کے بعد ہوئی۔ آپؓ نے صحابہؓ میں سے سب سے اول کوئی معجزہ طلب کئے بغیر اسلام قبول کیا اور رسالت کی تصدیق کی۔ اسی لئے صدیق اکبرؓ نام پڑا اور نبی آخر الزماںؐ کی رحلت کے دو سال تین ماہ کی مدت تک، مسندِ خلافت پر بیٹھ کر، کمال صداقت و یقین کے ساتھ اجماعِ اسلام کے لئے سر توڑ کوششیں کیں اور بہت سے اُن عربوں کو جو حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو چلے تھے اپنی قوتِ بازو کے سانچہ راہِ راست پر لائے اور میلہٴ کذاب کو جو اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کر کے ایک عظیم لشکر کی معیت میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تھا، طوار سے کاٹ کے رکھ دیا۔

ابو مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود اپنی زبان سے ارشاد فرمایا: میں نے حضورؐ کی پیغمبری سے قبل ایک رات خواب میں دیکھا کہ نور کا ایک بہت بڑا بقعہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور حرمِ کعبہ میں نازل ہو کر تمام کوہِ ارضی میں پھیل گیا ہے اور حجرِ المکرمہ کا کوئی گھرانہ ایسا نظر نہ آتا تھا جہاں اس نور کی جلوہ گری نہ ہوئی ہو۔ پھر وہ سارا نور ایک معین صورت میں مجتمع ہو کر میرے گھر میں آگیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب

یہود کے ایک بہت بڑے عالم کے سامنے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر اوسوری ہے (کیونکہ) یہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس پر کوئی اتماد نہیں کیا جاسکتا۔ چند سال گزرنے پر میں تمہاری سفر پر گیا۔ جب ہم بکیرو راسب کے ٹھکانے "ویر بکورا" پر پہنچے تو میں نے بکیرو راسب سے ملاقات کی اور اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اُس نے کہا: "تو کون ہے؟"

میں نے کہا: "میں قریش مکہ میں سے ایک فرد ہوں۔" بکیرو راسب بولا: "خدا تمہی سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا جس کا تو مشیر و نائب ہوگا۔"

جب حضور کی رسالت کا اعلان کیا جاتا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے (حق الیقین کی خاطر) کوئی خاص دلیل چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری رسالت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جس کی تعبیر تجھے بکیرو راسب نے بتائی تھی۔" میں نے عرض کیا: "حضور آپ نے یہ حال کس سے سُن لیا؟" حضور نے فرمایا: "حامل وحی جبریل سے۔" پھر اسی وقت میں نے صدقِ دل سے یہ الفاظ کہے "لا الہ الا اللہ، انت (محمد) رسول اللہ۔"

شواہد النبوت کے مصنف نے یوں لکھا ہے:

"حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ اُس درخت کی ایک شاخ میری طرف پلکی اور میرے سر تک پہنچ گئی۔ اس ٹہنی میں سے میں نے ایک عجیب آواز سنی کہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ فلاں وقت میں پیدا ہوں گے اور تجھے ان کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تو "صدیق" ہو جائے۔ میں نے اُس شاخ سبز سے کہا کہ صاف صاف کہو وہ پیغمبر کون ہے اور اس کا نام کیا ہوگا؟ جواب ملا: "محمد بن عبد اللہ قریشی، مکنی، ہاشمی۔" میرے دل نے کہا وہ تو میرا حبیبِ مونس ہوگا۔"

”تب میں نے اس درخت سے ہمہ دیا کہ حضور جب مبعوث ہوں مجھے پھر بشارت دینا۔“
 جب حضورؐ کی بعثت ہوئی تو اس درخت سے پھر صد آئی : اے ابن ابوقحافہ ہوشیار
 باش کہ جناب مستند عظمیٰ علی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی پہلی وحی نازل ہو گئی۔ اب جلدی ایمان لانے
 کی کوشش کریں تاکہ اسابقون کے گروہ میں ہو جاؤ اور ان کی رسالت کی جلدی تصدیق کر دو کہ
 دنیا کے صدیقیوں میں تمہارا نام لکھا جائے۔ چنانچہ میں فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں اس
 مقصد کے لئے حاضر ہوا اور آپ نے مجھے معاً اسلام کی دعوت دی تو میں فوراً پکار اٹھا :
 اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ۔“

ایک رات چند مہمان حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر آئے۔ خود حضرت ابو بکرؓ اس وقت بارگاہِ
 نبویؐ میں حاضر تھے۔ نمازِ شام سے فراغت پانے کے بعد جب آپؐ گھر پہنچے تو پوچھا کہ مہمان
 شام کا کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟

گھر والوں نے کہا : ہم نے ان کے سامنے دسترخوان چن دیا تھا لیکن انہوں نے کھانا
 نہیں کھایا۔ ان کی منشا نابالہ یہ ہے کہ آپؐ بھی شامل ہوں تو بل کر کھایا جائے۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصال سے پہلے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو تو میرا تابوت
 سرکارِ دو عالمؐ کے روضہ اطہر کے سامنے رکھا جائے اور کہا جائے ”السلام علیک یا رسول اللہ، ابو بکر
 آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل جائے تو مجھے اندر دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں
 دفنانا۔“ جب وصیت کے مطابق آپؐ کا تابوت لایا گیا تو ابھی تک کلمات پورے نہ ہوئے تھے
 کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی ”دوست کو دوست کے پاس لے آؤ۔“ چنانچہ سیدنا
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو ارسبب میں دفن کر دیا گیا۔

آپؐ کا وصال ۲۲۔ بنیادی الآخر مسلمہ بروز اتوار ۱۱؎ روایت میں منگل کی رات کھا ہے۔ بعض کتابوں
 میں جمعہ ۲۲ اور ۲۳ ماہ جمادی الآخر بھی تحریر ہے۔ وصال کے وقت آپؐ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ	یار غار	حاکم دین والی کون و مکان
بود مقبول احد آں ذات پاک		از اٹھ شد سال نر حلیش عیاں
باز سال انتقالش گفت دل		آہ اے سرور ولی رفت از جہاں

۳۔ امیر المومنین سیدنا عمر ابن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کنیت ابو الحنفص، لقب فاروق الاعظم اور اسم گرامی عمر ابن الخطاب بن قنیل بن عبدالغزی ابن رباح بن عبداللہ بن فرط بن زراح بن عدی بن کعب۔ آپ کی والدہ کا نام ختم بنت ہاشم بن مغیرہ یا بنت خثام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخدوم۔ اس لحاظ سے وہ یا تو ابو جہل کے چچا کی لڑکی یا ابو جہل کی بہن تھیں۔ آپ کا نسب والد کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کا کعب پر تھا ہے۔ (کعب رسول اکرم کے جد ہشتم تھے اور حضرت عمر کے جد نہم تھے)۔
حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ میل سے تین سو سال قبل ہوئی تھی اور بعثت رسول پاکؐ کے چھٹے سال ایمان لائے تھے۔ آپ سے پہلے صرف چالیس مسلمان ہوئے تھے۔ جس دن حضرت عمرؓ ایمان لائے تو یہ آیر کید نازل ہوئی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَبِّكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ -

بروز منگل ۲۰ جمادی الآخر ۱۳ھ کو آپ مسند خلافت پر بیٹھے۔ آپ کی مدت خلافت دس سال آٹھ ماہ تھی۔

شواہد النبوت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں محدثین ہوا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے گفتگو کیا کرتے تھے مگر میری امت میں حضرت عمرؓ ایسے شخص ہیں جن کی زبان سے اللہ تعالیٰ خود گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جس معاملہ میں صحابہ رسول گفتگو کرتے تھے، حکم الہی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا : میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈول میں نے گُویں میں ڈالا اور اس سے پانی کھینچنے لگا اور اس وقت تک پانی کے ڈول کھینچتا رہا جب تک اللہ نے چاہا۔ اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پانی کھینچنے لگے۔ ابھی آپ نے دو ایک ڈول کھینچے تھے کہ تنک گئے رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور ڈول کھینچنے لگے۔ میں نے آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے تمام عرض کو پانی سے بھر دیا اور خلقِ خدا کو سیراب کر دیا۔ یہ عہد خلافت عمرؓ کی طرف اشارہ تھا۔ اپنے

فارس کے ہزاروں شہر اور قبضے فتح کئے اور بے پناہ لوگ دامن اسلام میں آئے۔

ایک دن جمعہ کے روز آپ برسر منبر خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں تین بار خطبہ کے دوران یا ساریۃ الجبل پکارا اور پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ حاضرین مجلس ان بے تصنیف جملوں سے متعجب تھے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن عوف نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: میں نے نظر کشف سے دیکھا کہ ساریہ اور اس کے لشکری ایک پہاڑ کے دامن میں لشکر کفار سے لڑ رہے ہیں اور قریب ہے کہ انہیں شکست ہو۔ میں نے یہ حال دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ میں نے انہیں لٹکارا کہ تم پہاڑ کے پیچھے چلے جاؤ۔ چنانچہ انہیں کفار کے لشکر سے نجات مل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آواز ان تک پہنچا دی ہوگی۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساریہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ میں پہنچے اور بتایا کہ جمعہ کے روز ہم لشکر کفار سے لڑ رہے تھے۔ صبح سے لے کر نمازِ ظہر تک ہم مصروفِ پیکار رہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا بے پناہ لشکر میں گھیرے میں لے رہا ہے۔ کسی منادی کرنے والے نے پکارا۔ یا ساریۃ الجبل۔ چنانچہ ہم نے پہاڑ کے دامن میں لشکر کفار کا مقابلہ کیا تو فتح یاب ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ مقام مدینہ پاک سے ایک ماہ کے راستہ پر تھا۔

جس وقت مصرفع ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے عمرو بن العاص کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال مصری لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے، دریا نے نیل کی مادے سے ہر سال اس ماہ ایک خوب صورت کنواری لڑکی کو اس دریا کی صحنٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ہم لڑکی کے والدین کو حسبِ خواہش روپیہ دے کر خوش کر لیتے ہیں اور لڑکی کو خوب صورت لباس پہنا کر دریا میں سینک دیتے ہیں۔ اس طرح دریا نے نیل کا پانی پورا ایک سال رواں دواں رہتا ہے ورنہ خشک ہو جاتا ہے اور قحط رونما ہو جاتا ہے جس سے فصلوں کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس سال بھی اگر یہ نذرانہ سپیش نہ کیا گیا تو نیل خشک ہو جائے گا اور فصلیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت عمر و ابن العاص نے یہ سارا واقعہ خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔

وہاں سے جواب آیا کہ اسلام اس قسم کی رسوم کو ختم کرنے آیا ہے۔ ایسی بات کو اسلام قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کی رسوم ادا کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے۔ کہتے ہیں، ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ دریا نے نیل خشک ہو گیا۔ رعایا برباد ہونے لگی۔

اور لوگ قحط سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دوبارہ سورت حال کھ کر حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا کہ بے آبی سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں اگر آپ امداد فرمائیں تو رمایا آباد ہو سکتی ہے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی ایک رقعہ دریا ئے نیل کو کھا جس میں یہ الفاظ تھے :

من عبد الله الامير المؤمنين عمري نيل مصر۔ اما بعد فانك ان كنت تعبدي من قبلك فلا تعبرو ان كان الله الواحد القهار ان تحريك فتجبر فقط !
(امیر المؤمنین عمر کی طرف سے دریا ئے نیل مصر کے نام۔ اگر تم خود جاری ہو تو رگ جاؤ۔ لیکن اگر اللہ واحد قہار کے حکم سے چلتے ہو تو تمہیں جاری رہنا پڑے گا)
آپ نے حاکم مصر کو بھی لکھا کہ میرا یہ رقعہ دریا میں ڈال دینا۔ دریا اللہ کے فضل و کرم سے جاری ہو جائے گا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ رقعہ دریا ئے نیل میں ڈالا۔ دوسرے روز دریا مام حالات سے سولفٹ اونچا بننے لگا۔ چنانچہ رمایا آباد ہو گئی اور حالات معمول پر آ گئے اور دریا ئے نیل کی یہ عادت بد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضرت نظام الدین محبوب النبی و بلوی راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں آفتاب کی روشنی کی طرف رخ کئے اپنے کپڑوں کو ٹانگے لگا کر سے تھے۔ چونکہ کچھ وقت لگ گیا اس لیے آفتاب کی گرمی نے آپ کو متاثر کیا۔ آپ نے اپنی خشکیں نکال کر آفتاب کی طرف اٹھائی تو آفتاب سیاہ ہو گیا اور ساری دنیا پر سیاہی چھا گئی۔ اس حال سے سرخار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے متفکر ہوئے۔ اسی وقت حضرت روح الامین حاضر ہوئے اور کہنے لگے : یا رسول اللہ! آج آفتاب نے آپ کے سر کو خشکیں کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے نور آفتاب گہنا کیا ہے۔ یاں اگر حضرت عمرؓ آفتاب کا گناہ معاف کر دیں تو آفتاب کی روشنی لوٹائی جاسکتی ہے ورنہ قیامت تک آفتاب کو اسی طرح سیاہ رہنا پڑے گا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آفتاب کو طلب کیا اور فرمایا کہ آفتاب کا گناہ معاف کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا : وق شہ رگہ ریب اور آفتاب کا نور مالتاب اسے لوٹا دیا گیا۔

راحت القلوب میں ایک اور روایت بھی درج ہے کہ جب حضرت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ

نے شاہِ رومِ قیصر سے خراج طلب کیا تو اسے ذرا تامل اور توقف تھا۔ اس نے اپنے خفیہ جاسوس آپ کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کی قوت کا مشاہدہ کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر سکیں۔ جب یہ جاسوس مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے جھوٹے میں بیٹھے دیکھا جو اپنے کپڑوں کو چوند لگا رہے تھے۔ اپنے دل میں سوچنے لگے ایسا بے وقار فقیر چرا اپنے کپڑوں کو خود چوند لگا رہا ہے قیصرِ روم سے کس طرح خراج حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؓ نے نورِ بصیرت سے ان کے ان خیالات کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ قیصرِ روم جو مال اور تحائف لائے ہو کہاں ہیں؟ وہ لوگ آپ کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کانپنے لگے اور تمام حالات و کوائف بے کم و کاست بیان کرنے لگے۔ آپ نے وترہ اٹھایا اور روم کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: ہم نے قیصرِ روم کا سر قلم کر دیا ہے۔ جاسوس یہ بات دیکھ کر واپس روم چلے گئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ قیصرِ روم ایک دن دربارِ لکائے بیٹھا تھا، تمام اعیانِ سلطنت بھی حاضر تھے کہ اچانک ایک دیوار سے شکاف پڑا اور ایک درہ برآمد ہوا، اس کی تحدید ضرب نے قیصرِ روم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمان چھپ چھپ کر اندر اذان دیا کرتے تھے اور غاروں میں چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئےنگلی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اذان دی تو کفار کے دل کانپ گئے۔ یہ اسلام کی پہلی لٹکار تھی جو کفار کے دلوں پر بجلی بن کر گر گئی۔ مشرکین مل کر کہنے لگے: یہ کیا مصیبت ہے کہ مسلمان اب برملا اذان دیتے لگے ہیں۔ اسی وقت شہر میں خبر ملی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سننے ہی کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور کہنے لگے: آج جن کا دین دو ٹوٹے ہو گیا اور اسلام ظاہر ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وترہ ہاتھ میں پکڑے جا رہے تھے ایک دیہی فروش راہ میں کھڑا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرا دیہی زمین پر گر گیا۔ زمین اس دیہی کو نکل گئی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی سادگی پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے زمین پر وترہ مار کر کہا: زمین! اس

غریب کا دہی واپس کر دو ورنہ انصاف کے درہ سے تمہیں سزا دوں گا۔ زمین اسی وقت پھٹ گئی اور وہ دہی جو مٹی نکل چکی تھی اس دہی فروش کو لوٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے اپنا برتن بھرا اور چلتا بنا۔

اس شاہِ خلافت کی شہادت ۶۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ ماہ محرم الحرام کی یکم بروز اتوار (بقول روایت دیگر بدھ ۲۹۔ ذوالحجہ ۶۲۳ھ) کو آپ ان تین زخموں سے واصلِ جنت ہوئے جو ایک بدنہاد نے دھوکے سے لگائے تھے۔ ہمارے نزدیک دوسری روایت یعنی ۲۸۔ ذی الحجہ کی زیادہ صحیح ہے جو لوگ یکم محرم الحرام کو صحیح خیال کرتے ہیں ان کے ہاں سال ۶۲۳ھ ہے۔ آپ ۶۰ یا ۶۱ سال اور بقول دیگر ۵۸ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار حضرت صدیق اکبرؓ کے مزار کے ساتھ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کے پہلو میں ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کے دفن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔ یہ دونوں بزرگ دُنیاء کے دریاں آرام فرما ہیں اور ان کے درمیان سے اٹھیں گے۔

جانشینِ مصطفیٰؐ حضرت عمرؓ بود بر فرشِ زمیں عرشِ آسمان!
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب گوز عالمِ رفتِ محبوبِ جہان!

۶۲۳ھ

۴۔ امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو عمر، ابویعلیٰ اور ابو عبد اللہ تھی۔ لقب ذو النورین (آں حضرتؓ کی دو بیٹیاں آپ کے نکاح میں رہیں) تھا۔ کہتے ہیں آج تک کسی انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے عقد میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اگر میرے ہاں چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے نکاح کرتا چلا جاتا۔

لے اس تاریخ گوئی میں ایک نکتہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اگر عالم کے اعداد سے محبوبِ جہان کے اعداد نکال لیے جائیں تو باقی ۶۳ بچیں گے جو آپ کا سن شہادت ہے۔

امیر المومنین عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف - آپ کی والدہ کا نام بیضا تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی تھیں اور آنحضرتؐ کے والد حضرت عبد اللہ کی توأم تھیں۔ آپ کا نسب والدہ اور والد دونوں نسبتوں سے آنحضرتؐ کے جد امجد عبد مناف سے جانتا ہے۔ عبد مناف حضرت رسول اکرمؐ کے جد چارم اور حضرت عثمانؓ کے جد پنجم تھے۔

آپ کی ولادت واقعہ فیل کے چھٹے سال ہوئی۔ اعلان رسالت کے سالِ اول میں ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دلالت و تبلیغ سے دامن اسلام میں آ گئے۔ یکم محرم ۲ھ کو مسند خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت بارہ سال بارہ دن تھی۔

ایک دفعہ چند صحابہؓ آپ کے گھر گئے مگر راستہ میں ایک کی نظر ایک نامحرم عورت پر جا پڑی۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: کیا بات ہے۔ تم میں سے ایک شخص ایسا بھی میرے گھر آیا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہے۔ وہ شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا: یا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وق آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: وحی نہیں، نور فراست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے خادموں کو عطا فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ شہادت سے ایک رات پہلے سرکارِ دو عالمؐ آپ کو خواب میں ملے اور فرمانے لگے: عثمان! آج افطار میرے پاس کرنا ہوگی دوسرے روز آپ کو سعادتِ شہادت ملی۔

شواہد النبوت کے مولف حضرت مولینا جامیؒ لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی نے کہا ہے، میں طوافِ کعبہ میں معروض تھا کہ مجھے ایک نابینا لاجو طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے حالانکہ مجھے یقین نہیں آتا کہ تو مجھے بخش لے گا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! ایسی جگہ پر تم ایسی مایوس کن بات کرتے ہو۔ اس نے کہا، میں نے ایک عظیم گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے بخشش کی امید نہیں۔ میں نے کہا، وہ کیا؟ اس نے بتایا کہ جس دن حضرت امیر المومنین عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مکان کا معاہرہ کیا ہوا تھا۔ میں بھی حضرت کے معاندین میں سے تھا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو جائیں گے میں ان کے برہنہ منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ جب آپ شہید ہوئے میں اندر آیا۔ دیکھا کہ آپ کا سر آپ کی یوی کی نعل میں پڑا ہے۔ میں نے کہا، عثمانؓ کا

منہ نکا کرو۔ بی بی نے پوچھا: تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں ان کے منہ پر لٹا پنچ ماروں گا۔ بی بی نے رو کر کہا: تم خیال نہیں کرتے کہ اس منہ کی رسولِ خداؐ نے تعریف کی ہے۔ اپنی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں دیں۔ اور بھی بہت سے فضائل بیان کئے۔ مگر میں نے پروا نہ کی۔ دوسرے لوگ ان کی باتیں سن کر شرمسار ہو کر لوٹ گئے مگر میں نے زبردستی آپ کا منہ نکا کر کے زور وار لٹا پنچ مارا۔ خاتون نے ایک دلدوز آہ بھری اور کہا: غلام! بے رحم جا اللہ تم پر کبھی رحم نہ کرے اور تیرے گناہ معاف نہ کرے۔ تمہارا ہاتھ سوکھ جائے اور تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ مجھے خدا کی قسم ہے ابھی حضرت عثمانؓ کے گھر سے میں باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ میرا ہاتھ سوکھ گیا اور میں اندھا ہو گیا۔ مجھے امید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کرے گا۔

ابن سعید غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کا عصا اٹھایا۔ یہ وہ عصا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا۔ اس نے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنے کی کوشش کی۔ نوٹوں نے اسے کہا۔ یہ عصا نہ توڑو یہ رسول اللہ کا ہے مگر اس نے سُنی ان سنی کر دی اور عصا توڑ دیا۔ اسی وقت اس کے گھٹنے میں درد ہوا اور وہ اسی درد سے مر گیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو جنات نے تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر ماتم کیا اور آپ کے مرثیہ میں آیات پڑھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ کو تین روز تک دفن نہ کیا گیا۔ ناگاہ بائف نے آواز دی: اَذْفَنُوهُ وَلَا اَصْلَبُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ مَزْجِلٌ قَدْ صَلَّى عَلَيْهِ۔

انہیں دفن دیا جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کا جنازہ ادا کر دیا ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۲۵ عہد میں شہادت پائی۔ یہ واقعہ فاجعہ بروز جمعہ ۱۳ یا ۱۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ میں رونما ہوا تھا۔ وقتِ شہادت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی۔ بعض روایات میں ۹۲ سال لکھی ہے۔ ۵، ۶، ۷ اور ۸۶ سال بھی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

آپ کا مزار پُر انوار مدینہ پاک کے جنت البقیع کے قبرستان میں ہے۔

شاہ عثمان خلیف برحق از جہاں شد بہ جنت اعظم
سال تاریخ آل سہرا پامل اسے بگرفت ماول از عالم

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ

کنیت ابو الحسن، ابو تراب ہے۔ لقب اسد اللہ، حیدر، صفدر، افکار ہے۔ نام نامی علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ آپ مکہ معظمہ اور یقول دیگر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۱۳ رجب المرجب تیس سال بعد از واقفہ نیل ہوئی۔ آپ کی عمر بعثت کے وقت صرف گیارہ سال تھی اور جو شخص نابالغ بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لایا وہ آپ ہی تھے آپ ۳۵ یا ۳۶ کو مسند خلافت پر بیٹھے اور مدت خلافت پانچ سال تین ماہ تھی۔ بعض مورخین نے آپ کا دور خلافت چار سال نو ماہ لکھا ہے۔ وہ ائمہ اثنا عشر میں سے امام اول تھے۔

حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی صحابی کی احادیث فضائل میرے علم میں نہیں آئیں۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے۔ ایک دفعہ حضور کے چاروں حلیل القدر صحابہ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو متوجہ فرمایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے شب معراج کو مجھے خرقہ فقر عطا کیا تھا اب اگر میں آپ کو دوں تو آپ اس کا حق کس طرح ادا کریں گے۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ صدق اختیار کروں گا اور صدق کو فروغ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ ڈالی اور وہی بات کہی۔ آپ نے جواب دیا کہ عدل کروں گا اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے نجات دلاؤں گا۔ پھر حضرت عثمان سے وہی سوال کیا تو آپ نے عرض کیا کہ میں خرقہ فقر کے شکرانہ کے طور پر حیا اختیار کروں گا۔ تحمل اور صبر کا مظاہرہ کروں گا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باری آئی تو آپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر اس فقیر کو خرقہ عالیہ فقر عطا کیا گیا۔ اس کے شکرانہ میں پردہ پوشی کر دوں گا اور حتی الاکان لوگوں کے محبوب کی پردہ پوشی کروں گا اور مخلوق کے مصائب کو مصاف

کروں گا۔ آپ حضرت علیؓ کی گفتگو سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا، تمہارا جواب رضا نے رسول خدا اور رضاؓ خداوندی کے قریب ہے۔ یہ فقر الہی کا خرقہ لے لو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے تم اسے پہن لو تاکہ شہنشاہِ اولیائے امت اور پیشوائے ولایت امت ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سواری کے لئے رکاب میں پاؤں رکھتے تو قرآن پاک تلاوت کرتے، جب دوسری رکاب پر پاؤں رکھتے تو سارا قرآن ختم کر لیتے۔ ایک دن بعد از ادائے نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فدہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں محلہ میں جاؤ، وہاں مسجد ہوگی جس کے قریب ہی فلاں گھر میں ایک مرد اور عورت آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ شخص گیا اور دونوں کو حاضر کر دیا۔ حضرت علیؓ نے انھیں مخاطب کر کے کہا، آج رات تم لوگ کیوں لڑ رہے تھے مرد نے بتایا آج رات اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہو رہا ہے۔ میں اس کے نزدیک آیا ہی تھا کہ میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو اس عورت سے علیحدہ کر رکھا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے طلاق دے دوں۔ مگر یہ عورت مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عورت کو علیحدہ لے گئے اور منہ مایا کہ میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تم اس کا جواب صحیح دو اور جھوٹ یا دروغ سے باز رہو۔ وہ بات یہ ہے کہ تمہیں آغازِ جوانی میں اپنے چچا زاد سے محبت تھی، وہ بھی تمہارے حسن و جمال پر فریفتہ تھا لیکن تمہارا والد نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا اس سے نکاح ہو۔ آخر کاظم دونوں ایک رات زنا کے مرتکب ہو گئے اور نتیجتاً تم حاملہ ہو گئیں۔ تم نے یہ راز جب اپنی ماں سے کہہ دیا اور وضع حمل کی رات تمہاری ماں تمہیں باہر لے گئی۔ تمہارے ماں ایک بچہ پیدا ہوا جسے تم نے کپڑوں میں لپیٹ کر دیوار کے باہر پھینک دیا مگر تم اس کو دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتا آیا اور اس نے اس بچے کو منہ میں اٹھالیا مگر تم نے ایک زوردار تھپڑ مارا جو اس بچے کے سر پر لگا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ تمہاری ماں نے اپنا آزار بند کھول کر اس کے زخم ایک کپڑے سے باندھ دیئے اور بچے کو چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں۔ پھر تمہیں علم نہیں کہ اس بچے پر کیا گزری۔ اس عورت نے کہا، یہ واقعہ بالکل درست ہے اور آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، لفظ بلفظ صحیح ہے۔ اب براہِ کرم

مجھے یہ بتائیں کہ اس بچے کے ساتھ کیا گزری۔ آیا وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: خدا کی قسم جہنم اس وقت اپنا شور برپا بیٹھی ہو دی لڑکا ہے جسے ایک سو اکر نے اٹھایا تھا اور وہ اپنے ساتھ لے جا کر پرورش کرتا رہا۔ وہ بڑا بڑا تو کوفہ میں آگیا اور تمہارے ساتھ شادی ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں سے محبت کرنے سے پہلے اس کے دل میں نفرت ڈال دی۔ عورت نے کہا: اگرچہ آپ کا فرمان اور بیان بالکل صحیح اور حق ہے۔ مگر پھر بھی مجھے کوئی ایسی دلیل چاہئے جس سے میں مطمئن ہو جاؤں۔ حضرت علیؑ نے اس مرد کو بلایا اور حکم دیا کہ اپنے سر سے کپڑا اتارو اور اس عورت کو کہا کہ اس کے سر پر نشانِ زخم دیکھ لو۔ اس عورت نے جب نشانِ زخم دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں پر گر گئی اور بیٹھے کو ہاتھ سے کپڑا کر روانہ ہو گئی۔

ایک دفعہ کوفہ کے فوج کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس دفعہ دریائے فرات میں بڑی طغیانی آئی ہے اور ہماری فصیلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ پانی کا بہاؤ شہر کو بھی اپنی پیٹ میں نہ لے لے۔ دیا فرمائیے کہ دریایا کا پانی حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھے اور لوٹ جائے۔ لوگوں کی درخواست سنئے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالمؐ کا عطا کردہ جہہ پہنا۔ پیر ابنِ نبویؑ بغل میں بیا، عنائے محمدیؐ اور عمامہ احمدیؑ سر پر رکھا اور شہریوں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ دو رکعت نماز ادا کی اور فرات کے کنارے پر کھڑے ہو کر اسی مصاصے دریا کی طرف اشارہ کیا۔ ایک اشارے سے ہی ایک گز پانی نر گیا۔ اسی طرح آپؐ نے تین بار کیا اور تین گز پانی نیچے چلا گیا۔ جب چوتھے گز تک نوبت آئی تو بل شہر چلا آئے: یا حضرت اس سے کمتر نہیں جونا چاہئے نہیں تو ہم پانی سے محروم ہو جائیں گے۔

بی بی اسماء بنت عبیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھے حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے اپنی شبِ عروسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا: مجھے اس رات حضرت علیؑ سے بہت ڈر آیا کیونکہ میں نے سنا کہ زمین بھی آپ کے ساتھ باتیں کر رہی ہے۔ صبح میں نے سرکارِ دو عالمؐ سے یہ بات بیان کی۔ آپؐ سن کر سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور منہ مایا: فاطمہ! تمہیں پاکیزگی، نسب و نسل کی بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام خلافت سے فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ اپنی خبریں اسے سنا دیا کرے اور مشرق و مغرب کے

تمام حالات اسٹل پرواضح کر دے۔

حجاج بن یوسف جریر الخالد اور شقی القصب تھا۔ اس نے اکثر صحابہ اور شیعیانِ حضرت علیؑ کو مروا دیا تھا۔ آخر کار حضرت قبرہ حضرت علیؑ کے وفادار اور جانثار خادم تھے کو طلب کیا اور پوچھا کیا قبر تم ہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! کیا تم حضرت علیؑ کے غلام ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کا غلام ہوں اور حضرت علیؑ میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا: اس کے دین سے تو بہ کرو۔ قبر کھنسنے لگے؛ حضرت علیؑ کے دین سے کوئی بدتر دین دکھاؤ۔ حجاج نے گرج کر کہا: میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بتاؤ میں کس طرح قتل کیا جائے۔ حضرت قبرہ نے کہا: تمہیں اختیار ہے لیکن یاد رکھو جس اذیت سے تم مجھے قتل کرو گے اسی اذیت سے کل تمہیں قتل کیا جائے گا۔ مجھے تو میرے آقا حضرت علیؑ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تجھے وہ شخص قتل کرے گا جو روئے زمین کے بدترین ظالموں میں سے ہوگا۔ حجاج نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دورانِ سفر میدانِ کربلا میں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے اور روتے روتے اس دہشت ناک جھکل سے گزرے اور کہتے جاتے تھے، خدا کی قسم یہاں ان کے اونٹ میٹھیں گے۔ یہاں وہ قتل کیے جائیں گے۔ اجاب نے حضرت علیؑ سے پوچھا: یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ جھکل ہے جس میں ایسی قوم قتل کی جانے لگی جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوں گے اور ان کے قاتل اللہ کی بارگاہ کے ہتھکارے ہوں گے۔

جنگِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھی تشنگی کا شکار ہوئے تو آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے کھودا جائے۔ جب ٹھوڑی سی جگہ کھودی گئی تو نیچے چٹان نکل آئی۔ کوئی ہتھیار اس پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پتھر پانی کے منہ پر ہے۔ ہمت کر کے اسے توڑ دو۔ سپاہیوں نے بے پناہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار حضرت علیؑ اپنی اونٹنی سے اترے اور آستین لپیٹ کر دو انگلیوں کے اشارے سے چٹان کو اکھاڑ پھینکا۔ پتھر کے نیچے سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ تمام نے پیا۔ سارا شکر سیراب ہو گیا۔ آپ نے وہی پتھر اس چشمہ کے منہ پر رکھ دیا اور مٹی سے بھر دیا۔ نزدیک ہی ایک عیسائی عبادت گزار (دراہب) رہتا تھا۔ آپ کے پاس دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا کیا آپ پیغمبرِ خدا ہیں۔ آپ نے

فرمایا، نہیں! پھر پوچھا کہ آپ فرشتہ مقرب ہیں؟ کہا، نہیں۔ کئے لگا، پھر آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا، میرا نام علی ہے اور حضرت پیغمبر آخر الزماں کا بھائی ہوں اور میرا دین اسلام ہے۔ راہب کئے لگا، اپنا ہاتھ مجھے دیکھئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر مشرت باسلام ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ راہب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے راہب سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے مسلمان ہونے اور ہمارے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اس نے بتایا یہاں ایک بہت قدیم بت خانہ ہے۔ اس بت خانہ کے باقی کی ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں مقام پر ایک چشمہ ہے جس پر ایک بڑا سا پتھر ہے۔ کوئی اس پتھر کو اٹھا نہیں سکے گا البتہ کوئی پیغمبر یا اس کا باشندین یہ کام سرانجام دے گا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ شخص کب آتا ہے۔ آپ نے پتھر اٹھایا، پانی پیا۔ میں سمجھ گیا جس شخص کی مجھے تلاش تھی آپ ہی ہیں۔ جب حضرت نے یہ بات سنی تو بڑے روئے جی کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور فرمایا: الحمد للہ الذی لم اکن عندہ منیّا وکنت فی کتبہ مسطوراً۔

وہ راہب حضرت امیر کا غلام بن گیا اور شاہیوں سے لانا ہوا شہید ہوا۔ جب حضرت شاہ رسالت مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تو ایک صحرا سے گزر رہا تھا پانی نہیں تھا۔ مسلمان لشکر بڑا پیاسا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ سے نیچے اترے اور فرمایا: نزدیک ہی ایک کنواں ہے۔ مسلمانوں میں سے کون ہے جو اس کنویں کی طرف جائے اور پانی لائے۔ میں ایسے شخص کا جنت میں ضامن ہوں گا۔ ایک شخص اٹھا اور کئے لگا، یا رسول اللہ! میں جاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم نے چند آدمی اس کے ساتھ لگا دیئے اور مشکیزہ بردار بھی ساتھ بھیج دیئے۔ سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں۔ میں بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ جب ہم اس کنویں کے پاس پہنچے وہاں بڑے میوہ دار درخت تھے اور بڑی دردناک آوازیں آرہی تھیں اور بڑی بری حرکات دیکھنے میں آئیں۔ نہیں بہت نہ ہونی کہ وہاں سے گزریں۔ مجبوراً واپس آگئے اور واپس آکر صورتِ حال آں حضرتؐ کے گوش گزار کر دی۔ آپ نے فرمایا: یہ سب شیاطین کا کارنامہ ہے جو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اگر تم چلے جاتے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ ایک اور شخص اٹھا اور کئے لگا مجھے بھیجا جائے چنانچہ وہ بھی مشکیزہ برداروں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوا اور اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ رات آگئی اور لشکر پر پیاس کی شدت بڑھتی گئی آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم نے

اشارہ فرمایا تو آپ مشیکرہ برداروں کی ایک جماعت لے کر آگے بڑھے۔ سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ جب ہم شکر سے باہر آئے تو مشیکرے اٹھائے ہوئے اور تلواریں سنبھالے ہوئے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں آگے بڑھے۔ جب ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے تو وہی دہشت ناک آوازیں اور ہولناک حرکات دیکھنے میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے بالکل توجہ نہ دی اور پھر فرمایا، ڈرو نہیں دل مضبوط کر کے آگے بڑھتے چلو۔ تمہارا کوئی شخص کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم درختوں کے جھنڈ میں پہنچے تو آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور بے سرحم نظر آنے لگے۔ ان ہولناک آوازوں سے ہمارے دل ٹوٹ رہے تھے۔ حضرت علیؓ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھائے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم کنویں کے کنارے جا پہنچے۔ ہمارے پاس ایک ہی ڈول تھا۔ ہرانی بن مالک نے ایک ڈول کنویں میں پھینکا تو رستی ٹوٹ گئی۔ اور کنویں سے قہقہوں اور ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، کوئی ایسا ہے جو شکر گاہ میں جا کر رستی لائے۔ سانحہ کنے لگے، ہمارا تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ آخر کار حضرت امیرؓ نے فیصلہ کیا کہ خود کنویں میں اتریں۔ قہقہوں اور ہنسی کی آواز تیز ہوتی گئی۔ کنویں میں پہنچے تو آپ کے پاؤں پھسل گئے اور کنویں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص خناق کے درد سے بڑبڑا رہا ہے۔ آپ نے ہر آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر انا عبد اللہ الخ رسول اللہ کہا اور ہمیں آواز دمی کہ مشیکرے کنویں میں پھینک دیئے جائیں۔ جب ہم نے پھینک دیئے تو آپ نے پانی سے بھر لیے اور باہر لے آئے۔ چنانچہ خود دو مشیکرے اور سب کو ایک ایک مشیکرہ دیا۔ راستے میں کوئی شور و غوغا نہ تھا البتہ غیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترانے سنا دیے رہے تھے حتیٰ کہ شکر گاہ میں آگئے۔ حضرت علیؓ نے تمام واقعات حضورؐ کے گوش گزار کیے۔ آپؐ نے متبسم فرمایا اور کہا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند !

الحمد للہ تمہیں فتح ہوئی اور جنوں کے جنگ سے منہ نہیں پھیرا۔

خدا نے قدوس نے دوبار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاسداری کے لئے سورج کو اٹا دیا تھا اور آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ ایک دفعہ تو عہد رسالت میں بحالت نزول وحی سورج واپس آیا جبکہ آپ کی ناز عطر قضا ہو گئی۔ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی

تو آپ کو پریشان پایا۔ آپ نے فرمایا، کیا تم نے نماز ادا نہیں کی۔ عرض کی، اشارے سے ادا کر لی۔ میرے خیال میں یہ غلط ادب تھا کہ آپ کے سر مبارک کو زانو سے ہٹانا۔ حضورؐ نے سنتے ہی دو گواہی میں انتہائی آسے اللہ! علیؑ نے نماز ادا نہیں کی سورج کو ٹوٹا دیا جائے۔ ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سورج مغرب سے چمکا۔ اس کے پر تو کوہِ دشت پر پڑنے لگے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔ اس دن غروبِ آفتاب کے وقت ایک دشتِ ناک آواز سنائی دی۔

دوسری دفعہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک بار حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ بابلؑ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دریا نے فرات عبور کرتے وقت دیکھا کہ نمازِ عصر قضا ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ نمازِ عصر ادا کر لی۔ لیکن دوسرے احباب جو اسباب و مال کو لے جانے میں مشغول تھے، نماز ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ لوگ حیران و پریشان آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ واللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ پھر طلوع ہو جائے۔ اس وقت سورج سے ایک ہونناک آواز سنائی دی۔ یہ تمام تسبیح و تہلیل کی آوازیں تھیں۔

ایک دفعہ حضرت امیر کے ایک سپاہی پر اس بات کا الزام لگا کہ وہ لشکر کی خبر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچاتا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو قسم کھاؤ۔ اس نے فوراً قسم کھائی۔ آپ نے فرمایا، تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھا کرے۔ ایک مہینہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ اندھا ہو گیا۔

ایک دن حضرت علیؑ نے حاضرینِ مجلس کو قسم دلائی کہ جس نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ وہ اس مجلس میں گواہی دے۔ وہ میری خاطر دروغ بیانی نہ کرے۔ چنانچہ حاضرینِ مجلس میں سے بارہ اشخاص نے اٹھ کر گواہی دی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجلس میں موجود تھا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے

سنا تھا مگر خاموش رہا اور گواہی نہ دی۔ آپ نے اسے مخاطب فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! تم واقف ہوتے ہوئے چُپ رہے اور سچی گواہی نہیں دی۔ اس نے کہا، میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرا حافظہ کام نہیں کرتا۔ یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ یہ بات سنتے ہی آپ نے فرمایا، اللہ! اس شخص نے دیدہ و دانستہ حق کو چھپایا ہے اسے سزا دے۔ وہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اس کے علاوہ چند اور لوگ بھی تھے جنہوں نے دیدہ و دانستہ گواہی نہ دی اندھے ہو گئے ایسے لوگوں میں سے زید بن ارقم بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور گواہی نہ دی۔ میری آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔ میں اس شہادت سے محرومی پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر بیٹھے فرما رہے تھے، میں اللہ کا بندہ ہوں! رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ وارث نبی رحمت ہوں۔ سیدۃ النساء فی الجنۃ کا خاوند ہوں اور دنیا کے ولیوں کا امام ہوں۔ جو میرے اس دعویٰ پر شک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کسی برائی میں گرفتار کرے گا۔ ایک شخص اسی مجلس سے اٹھا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو یہ باتیں کرتا ہے۔ کہتے ہیں، اسی وقت وہ دیوانہ ہو گیا اور لوگوں نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر کیا۔ جب تک زندہ رہا، مجنوں اور دیوانہ رہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی فریادیں کے لئے کہا تو انہوں نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان لوگوں پر ایسا حاکم مسلط کر دے جو ان پر رحم نہ کرے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اسی رات پیدا ہوا اور اس کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر جو کچھ گزری وہ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں۔

ایک دن امیر معاویہؓ حاکم شام نے چاہا کہ مجھے اپنی عاقبت کا علم ہو جائے۔ حاضریں مجلس نے کہا: اس معاملہ میں آپ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ کہنے لگا، میں یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کروں کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے تین خاص معتمدین بلائے اور کہا تینوں کوفہ میں چلے جاؤ۔ جب کوفہ ایک کو س رہ جائے تو علیحدہ علیحدہ ہو جانا اور ہر ایک دوسرے کے بعد کوفہ میں داخل ہونا اور میری موت کی

خبر لوگوں کو پہنچا دینا۔ لیکن ہر ایک شخص میری بیماری، موت کے واقعات، ذقت اور حالات میں متفق البیان رہے۔ چنانچہ تینوں حضرت معاویہؓ کے بتائے ہوئے طریقوں سے چلے گئے۔ سب سے پہلے ایک شخص شہر میں آیا اور حضرت معاویہؓ کی موت کی خبر سنائی۔ لوگ اسے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ اپنی زبانی موت کی خبر سنائے۔ آپ نے اس پر توجہ نہ دی۔ جب دوسرا شخص شہر میں داخل ہوا۔ اس نے بھی یہی خبر بیان کی۔ تیسرے روز تیسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ کے احباب نے آپ سے کہا، یا حضرت! تینوں آدمی علقاً ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں مگر آپ پر کچھ اثر نہیں ہے۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا: خدا کی قسم! معاویہؓ اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک میرے عاصی میرے خون سے رنگیں نہ کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی تو خوش ہو گیا اور کہنے لگا: حضرت علیؓ کی شہادت مجھ سے پہلے ہوگی۔

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ ایک دن مدینہ کے بازار میں چند یہودی بیٹھے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک مسلمان سائل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں بھوکا ہوں، مجھے کچھ کھانے کو دیجئے۔ یہودیوں نے ادرہ مذاق کہا: تم مسلمان ہو، دین محمدؐ میں داخل ہوئے ہو۔ علی شاہ مردان کے پاس چلے جاؤ، جو چاہو گے پاؤ گے۔ ابھی سائل نے جواب نہ دیا تھا کہ دور سے حضرت علیؓ آتے دکھائی دیئے۔ وہ کہنے لگے، ان کے پاس چلے جاؤ اور سوال کرو۔ سائل وہاں سے ہٹ کر حضرتؓ کے پاس آیا اور اپنی داستانِ غم بیان کی اور یہودیوں کے طعنوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ خیال کیا کہ ان یہودیوں نے تمسخر اڑایا ہے۔ میرے پاس سائل کو بھیجا ہے۔ مجھے افسوس ہو گا اگر خالی لوٹا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانچ بار صلوة غمہ پڑھی اور سائل کے ہاتھ پر دم کر دیا۔ پھر بند کر دیا اور کہا، جاؤ اور یہودیوں کو دکھاؤ۔ وہ اسی طرح پنجہ بند کئے یہودیوں کے پاس گیا۔ جب کھولا تو اس میں سونے کے پانچ دینار تھے۔ حیران ہو کر دوڑے دوڑے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر نائب ہو گئے اور مسلمان ہو کر ہدایت یافتہ ہو گئے۔

مارف نامی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شواہد النبوت میں فرماتے ہیں :
ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ تمام مخلوق میدانِ حشر میں جمع ہے میں
نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر کے کنارے تشریف فرما ہیں اور حضرت
حسینؑ و انیس بائیس کھڑے ہیں اور مخلوقِ خدا کو پیالے بھر بھر آبِ کوثر پلا رہے ہیں۔ میں بھی
آگے بڑھا اسی پانی کی درخواست کی۔ فرمایا : آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر پانی نہیں مل سکتا۔
میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا : تمہیں ہمارے حوضِ کوثر کا پانی نصیب
نہیں۔ تمہارے ہمسایہ میں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو حضرت علیؑ کو بُرا کہتا ہے۔ مگر تم منع
نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا : حضور مجھے ڈر ہے کہ اسے منع کروں تو وہ مجھے قتل نہ کر دے۔
یہ سن کر حضورؐ نے نعل سے ایک تیز چھری نکالی اور مجھے دمی اور فرمایا : یہ لے جاؤ اور اس
دشمنِ علیؑ کا کام تمام کر دو۔ میں اسی وقت چھری لے کر آیا اور اس دشمنِ مولا علیؑ کو قتل کر دیا۔
اس کے قتل کا حال آنحضرتؐ کی خدمت میں سنایا۔ آپؐ نے فرمایا : حسینؑ ! یہ محبِ علیؑ ہے
اسے اب کوثر دے دو۔ اس نے حقِ محبت ادا کر دیا ہے۔ میں نے حضرت حسینؑ کے ہاتھ سے
ایک پیالہ پانی لیا۔ مگر مجھے یاد نہیں ، پی سکایا نہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔ تمام رات اس خواب کی
دہشت سے کروٹیں لیتا رہا۔ صبح ہوئی تو باہر شور برپا تھا کہ فلاں شخص کو کسی نے بستر میں ہی قتل
کر دیا ہے۔ صبح پولیس آئی اور بے گناہ ہمسایوں کو گرفتار کر لیا۔ میں نے کہا : سبحان اللہ ! یہ
کیسا خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے اور اللہ نے اسے سچ کر دکھایا۔ اب بے گناہ ہمسائے
گرفتارِ مصیبت ہو گئے ہیں۔ انہیں بے گناہ قید و بند میں رکھنا دین کے خلاف ہے۔ میں اٹھا
اور قاضی شہر کے پاس گیا اور اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ دوسرے لوگ بے گناہ ہیں
انہیں رہا کر دیا جائے۔ رات کا سارا واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا : تم بھی اس مقدمہ میں بے گناہ
ہو، مقتول اپنے جرم کی سزا کو پہنچ گیا ہے۔

امامِ ستغفریؑ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک بنہاد آدمی حضرت علیؑ کو رم اللہ وجہ کو
بُرا بھلا کہتا تھا۔ سعد بنی مالک رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ ایک دن وہ
شخص اونٹ پر سوار مسجد میں آیا۔ اونٹ کو دروازے پر کھڑا کر کے ایک مجلس میں آ بیٹھا۔

اسی اثناء میں اونٹ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجلس میں آگھسا اور اس شخص کو اٹھایا اور اپنے سینے کے نیچے رکھ کر دبانے لگا اور اس کی بڑی پسلی ایک کر دی۔ اس طرح وہ واصلِ جہنم ہوا۔

سید کوئین حضرت امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے: جب ابراہیم بن ہشام سلطنتِ شام کی طرف سے حاکم مدینہ مقرر ہو کر آیا تو اس نے عہد کے دن شہر کے ایمان کو جمع کیا۔ مجھے بھی منبر کے سامنے بٹھایا اور خطبہ کے بعد میرے والدِ عزم کے حق میں بے ہودہ الفاظ کہنے لگا۔ میں نے اس کی لاطائل باتیں سنیں اور صبر و سکون سے بیٹھا رہا۔ ایک دن میں منبر کے پاس ہی بیٹھا تھا اور بیٹھے بیٹھے مجھے غمزدگی نے آیا۔ خراب میں دیکھا کہ میں رسولِ پاکؐ کے روضہ اطہر کے سامنے کھڑا ہوں آنحضرتؐ کی قبر مبارک پھٹ گئی اور ایک سفید کپڑوں میں ملبوس شخص نکلا اور کہنے لگا: اے اباعبداللہ! تمہیں ہشام نافرجام کی باتیں ناگوار تو نہیں گزرتیں۔ میں نے کہا: میں مجبوراً سُن لیتا ہوں اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ فرمایا: آنکھیں کھولو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ ہشام ابھی تک منبر پر بیٹھا بدربانی کر رہا ہے۔ تقریر مکمل کر کے اٹھا۔ چہاں کہ منبر سے نیچے اترے لیکن اس کا پاؤں پھسلا، گردن ٹوٹ گئی اور واصلِ جہنم ہوا۔

حضرت علیؑ کی وفات کے چند سال بعد ایک سیاہ دل کا فرمزہ بن قیس نامی نجفِ اشرف آیا۔ اس شخص کے آباؤ اجداد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ ایک رات وہ آپ کے روضہ پاک میں گھس گیا اور روضہ پاک کے تعویذ سے آپ کی نعش مبارک ہاہر لانے لگا ابھی مزار پر انوار پر کوئی گزند نہ پہنچی تھی کہ قبر سے دو انگلیاں اٹھیں اور ایک ضرب کاریِ حیدری نے اس کا سرِ ظلم کر دیا۔ صبح مجاوروں نے دیکھا کہ اس کی لاش روضہ اطہر کے پاس پڑی ہوئی ہے اس کے بعد بڑی احتیاط برتی جانے لگی۔ ابھی تک روضہ پاک کے پاس انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک سوراخوں میں قیمتی موتی جڑاؤ کر دیئے۔ ان موتیوں کو باقوتِ حسینی کہتے ہیں۔

حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کے چھ خلفائے تھے۔ امیر المومنین حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، حضرت کیل، خواجہ ابوالیس قرقی، قاضی عبدالقلام شریح بن ہانی، زید المحارثی، خواجہ حسن بصری، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ فقراء عظام اور مشائخ ذوی الاکرام کے تمام سلسلہائے تصوف

اسی واسطے سے جاری ہوئے اور روئے زمین پر یہ سلسلے پھیلے۔

آپ کی وفات قبل صبح تاریخ ۱۷۔ ۱۸ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ہوئی۔ بعض کتابوں میں ۲۱۔ ۲۲ رمضان بھی لکھی ہے۔ آپ نے عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھوں جاہل شہادت نوش کیا۔ آپ کی عمر مبارک ۶۲ سال تھی۔

تاریخ وفات

مقتضیٰ شاہ علی مظہر انوار حبلی خانہ دین نجی یافت از و آبادی
زاہد پاک چو تاریخ و عاشق جستم از خرد یاد انداشت کہ ہادی ہادی

۶۔ امیر المومنین حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد، لقب تقی اور سید تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۰۔ ۱۱ رمضان ۳۔ ۴ ہجری کو ہوئی۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کا نام نامی ایک ریشمی کڑے پر طلائی حروف میں لکھ کر حضرت شاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ اس فرزند و پسند کا نام حسن رکھا جائے۔

صبح اقوال میں سے ثابت ہوا ہے۔ امام حسنؑ سینے سے سر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؑ کو اپنے کندھے پر بٹھایا تھا اور قسم کھا رہے تھے کہ یہ شبیہ رسول مقبولؐ کی شبیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سن کر مسکرا رہے تھے۔

حضرت امام حسنؑ نے کچھ بیچ پاپادہ کئے۔ ایک دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؑ آپ کی گود میں تھے اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا سید ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وسالت سے امت کے دو بڑے گروہوں کو یکجا کر دے گا۔ یہ اشارہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؑ کی صلح کی طرف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعیان علیؑ اور فرقہ معاویہؓ کے درمیان شدید اختلاف ہوا تو حضرت حسنؑ خلافت سے

دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور چند شرائط کے ساتھ ایک عہد نامہ لکھ دیا۔
 شواہد النبوت کے مصنف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
 کی روایت سے لکھتے ہیں، ایک رات حضرت حسنؓ جناب رسالتؐ کے پاس سوئے ہوئے تھے
 جب رات کا ایک حصہ گزرا تو آپؐ نے حضرت حسنؓ کو فرمایا، اب اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔
 میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر حکم ہو تو رات کے اندھیرے میں ساتھ جاؤں۔ آپؐ نے
 فرمایا، نہیں میرا بیٹا تنہا جلے گا۔ چنانچہ آسمان سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور حضرت حسنؓ
 اس روشنی میں گھر پہنچ گئے۔

ایک دفعہ حضرت حسنؓ حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ساتھ سفر کو رہے تھے۔
 رات کو ایک خشک کھجور کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ ابن زبیرؓ نے کہا: کاش یہ درخت کھجوروں
 سے پُر میوہ ہوتا اور ہم کھاتے۔ آپؓ نے فرمایا، تم کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، ہاں۔
 آپؓ نے دعا کی اور درخت کھجوروں سے بھر گیا۔ ایک شتر بان نے دیکھ کر کہہا، واہ کیا جادو
 ہے۔ فرمایا، جادو نہیں یہ دمانے حسنؓ ہے جو کبھی رذ نہیں ہوتی۔ چنانچہ لوگ درخت پر چڑھ گئے
 اور اتنی کھجوریں آتاریں کہ سارا قافلہ سیر ہو گیا۔

کہتے ہیں، خلافت معاویہؓ کے دوران حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ اپنے بیٹے یزیدؓ کو
 اپنا جانشین بنا دے لیکن باہمی صلح کے شرائط نامہ کے ہوتے ہوئے یہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔
 تا وقتیکہ حضرت حسنؓ زندہ ہیں چنانچہ معاویہؓ آپؓ کے قتل کے درپے ہو گئے اور آپؓ کی ایک
 منکوحہ کی وساطت سے آپؓ کو زہر کھلا دیا گیا۔ آپؓ اس زہر ملاہل کے صدمہ سے واصل ہوئے۔
 آپؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنالیا اور نسا میوں نے سب سے
 پہلے بیعت کی۔ اس کے بعد مکہ والے، پھر مدینہ والے بھی بادلِ خواستہ بیعت یزیدؓ پر
 آمادہ ہو گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسنؓ کو زہر خورانی میں حضرت معاویہؓ کا ہاتھ نہیں تھا۔
 یہ کام صرف یزیدؓ کی سازش سے طے پایا تھا لیکن شواہد النبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ زہر خورانی
 کا فیصلہ معاویہؓ نے کیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آپؐ اوائل ماہ ربیع الاول بروز جمعرات ۵۰ھ میں اس وار پُر از ظلال سے قہر بایزید متعال پہنچے۔

آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور کہتے تھے: اے جانِ حسین! مجھے بتاؤ تمہیں کس نے زہر دیا؟ تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں اور اسے قصاص میں قتل کروں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر میرا قاتل وہ شخص ہے جس پر مجھے شک ہے تو خالقِ حقیقی اس سے ضرور انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں تو میں ایک بے گناہ کو قتل کرانے کو تیار نہیں۔ خدا کی قسم حسن کی جان تو دستِ قدرت میں ہے۔ قیامت کے دن مجھے انتقام لینے پر مامور کیا جائے گا لیکن میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے قاتل کو بخشوانوں گا۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو پناہیں دیں

حضرت حسنؑ کو زندگی میں چھ بار زہر دیا گیا لیکن کبھی کارگر نہ ہوا۔ ساتویں بار اذا جاد اجلہم لایستأخرون ساعة ولا یستفد مومن کے پیشِ نظر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تاریخِ وفات:

چوں محبِ جنابِ نبوی بود بس محبِ است سالِ رحلتِ آن
نیز گو سالِ رحلتِ آن شاہ! ماند بے یارِ سر بسرِ دوراں

۷۔ امیر المومنین سید الثقلین حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپؑ کی کنیت ابی عبد اللہ، ابو الائمہ اور لقب شہید، سید، سبب الشہداء تھا۔ آپؑ ائمہ اثنا عشریہ کے تیسرے امام تھے۔ آپؑ کی ولادت منگلوار چہارم ماہ شعبان ۳ یا ۴ ہجری کو مدینہ پاک میں ہوئی۔ آپؑ صرف چھ ماہ والہ کے پیٹ میں رہے۔ اتنی مدت میں آج تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاء سے آپؑ کا نام حسین رکھا گیا۔ آپؑ اتنے باجمال تھے کہ جب تاریکی میں بیٹھے تو آپؑ کی پیشانی

اور رخصتوں کی روشنی سے راستے منور ہو جاتے تھے۔ آپ سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ جبریم رسول پاکؑ تھے۔ حضرت رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے: حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ اس کو اپنا محبوب رکھے گا جو حسینؑ سے محبت کرے گا اور اسے خوار کرے گا جو حضرت حسینؑ سے نفرت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرات حسن اور حسینؑ آنحضرتؐ کے سامنے صحن میں کشتی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؑ کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہ الزہراءؑ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپؐ بڑے بیٹے کو فرما رہے ہیں چھوٹے کو گرائے۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: جبریلؑ حسینؑ کو کہہ رہے ہیں کہ حسنؑ کو گراؤ۔ اس لیے مجھے حسنؑ کی طرف ذاری کرنا پڑی۔

ام المہارتؑ نے حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس سے مجھے سخت دہشت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا دیکھا۔ کہنے لگی: لوگوں نے آپؐ کے جسم کا ایک حصہ کاٹ لیا اور میری گود میں رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ خواب بڑی اچھی ہے۔ فاطمہؑ کے ہاں بنیا پیدا ہو گا جو تم اپنی گود میں لے لو گی۔ پیدائش کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سرکارِ دو عالمؐ حضرت حسینؑ کو اپنی دائیں ران پر بٹھاتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کو بائیں ران پر۔ اسی حالت میں ایک روز حضرت جبریلؑ حاضر ہوئے اور پیغمبرؐ خداوندی سنایا کہ ہم دونوں کو آپؐ کے پاس جمع نہیں ہونے دیں گے ایک کو اٹھایا جائے گا۔ اب آپؐ کی مرضی ہے جسے چاہیں رکھیں۔ آپؐ دل میں بڑے فکر مند ہوئے اور سوچا کہ اگر حسینؑ فوت ہو گئے تو حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور خود مجھے بڑا صدمہ ہو گا لیکن اگر ابراہیمؑ فوت ہوئے تو صرف مجھے صدمہ ہو گا۔ چنانچہ مجھے اپنا صدمہ گوارا ہے۔ لیکن یہ گوارا انہیں کہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ علیہین رہیں۔ غرضیکہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیمؑ واصلِ جنت ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر چلے گئے اور کافی دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ جب آپؐ واپس آئے، آپؐ کے بال پریشان، غبار آلود اور خود تھکے تھکے دکھائی دیتے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ میں نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ اور آپؐ اس حال میں کیوں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا کہ آج مجھے عراق کے ایسے مقام پر لے جایا گیا جسے کہلاتے ہیں۔ یہ جگہ میرے حسینؑ کا مقل ہوگی۔ مجھے اپنی اولاد کے دوسرے افراد بھی دکھانے گئے۔ میں اس زمین پر پڑا ہوا غن اکٹھا کر کے لے آیا ہوں۔ آپؐ نے ہاتھ کھول کر مجھے فرمایا: اس سرخ مٹی کو اپنے پاس محفوظ رکھ لو۔ میں نے حضورؐ کے ہاتھ سے لے کر ایک شیشی میں بند کر لی اور اس کے منہ کو محکم کر کے بند کر لیا۔ جب حضرت حسینؑ ابن علیؑ سفر عراق کو روانہ ہوئے اور اس شیشی کو ہر روز باہر لاکر دیکھا کرتی تھی اور روتی تھی۔ محرم کی دسویں تاریخ کو شام کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ مٹی خون بن گئی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آج حسینؑ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت کجلی علیہ السلام کے قتل کے جرم میں مقررہ انساؤں کو قتل کر دیا تھا۔ آپ کے بیٹے حسینؑ کے خون ناحق کے بدلے میں ہتر ہزار سے ڈگنے انسان قتل کراؤں گا چنانچہ ”تاریخ گواہ ہے ایسا ہی ہوا۔“

روایات صحیحہ میں کہا ہے کہ قاتلان حسینؑ میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جسے موت سے پہلے دردناک مصائب اور ابتلاؤں میں نہیں ڈالا گیا۔ اور نہ شخص بدترین طریقہ سے ہلاک ہوا۔ ہرموزی کا انجام تفصیل طور پر تاریخی کتابوں مثلاً روضۃ الصفا، حبیب السیر وغیرہ میں تحریر ہے۔

قاتلان حسینؑ اور عبداللہ بن زیاد کے سر ہائے بریدہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں لائے گئے تو بہت بڑا ہجوم مسجد میں آگیا۔ اچانک ایک کونے سے شور اٹھا: سانپ سانپ!! وہ سانپ دیکھتے ہی دیکھتے عبداللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھسا اور باہر آیا اور دوسرے سردوں پر لہراتا رہا۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا جو لوگوں نے دیکھا۔

شمز می الجوشن (قاتل حضرت حسینؑ) کو بلا سے کچھ زیورات حمیہ سادات سے اٹھا لایا تھا۔ کچھ زیورات تو اس نے اپنی لڑکی کو دے دیئے۔ اس عورت نے ان زیورات کو از سب نو بنانے کے لیے حب آگ میں ڈل دیا تو وہ سارے زیور خاکستر بن گئے۔ جب وہ ٹھنڈے ہوئے تو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ چاندی ہے یا پیتل۔ جب یہ صورت حال شمر کو بتائی گئی تو اس نے سارے زیور سار کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ میرے سامنے اسے کٹھالی میں گالا جائے۔

دیکھتے دیکھتے وہ زیورات بھی بیکار و محلات بن گئے۔

تاتار خان حسین نے کربلا سے اہل بیت کے چند اونٹ ذبح کئے اور انہیں پکایا۔ لیکن گوشت اتا کر لیا تھا کہ کوئی بھی کھا نہ سکتا تھا۔

تاریخ شہادت شہداء ولایت سید کزین حضرت علی امام حسین رضی اللہ عنہ دسویں محرم الحرام ۶۰ھ ہے۔ جبکہ کاون تھا اور ظہر کا وقت تھا۔ میدان کربلا میں شہادت واقع ہوئی۔ بعض مورخین نے ۶۱ھ بھی لکھی ہے۔ آپ کے ساتھ بہتر دوسرے جاں نثار بھی شہید ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی، بھتیجہ اور دوسرے عزیز بھی تھے جو پیاسے، بھوکے اور بے سرد سامانی میں آپ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

نماندہ سنگسار بد روزگار

بماندہ برو لعنت پائیدار

تاریخ وفات :

ہست ہم آخوین و حزن حسین	سالِ تحویل سید الثقلین
سالِ تحویل سید عالمی	گفت دل رفت از زمین والی
سالِ وصلش عجب شد است عیاں	زیب آفاق رفت از دوراں !
کن رقم ہم با خست لاف رستم	زبدہ دین رفت از عالم !
سالِ تاریخ سرورِ دوراں !	از سر سرور آئندہ است عیاں

۸۔ حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اثناعشر کے چوتھے امام تھے۔ کنیت ابو محمد، ابو الحسن، ابو بکر۔ لقب سجاد، زین العباد تھا۔ آپ مدینہ پاک میں ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے سالِ پیدائش ۳۶ھ بھی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو دختر نذر دگر شاہ ایران تھیں۔

حضرت مولانا جامی اپنی تصنیف شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین

ایک رات نماز تہجد ادا فرما رہے تھے کہ شیطان بعین اثر دہا کی شکل میں نمودار ہوا تاکہ آپ درگ نماز ترک کر دیں لیکن آپ نے پروا نہ کی۔ سناپ آپ کے پاؤں پر پہنچا اور ایک ذریعہ دنگ چلایا۔ لیکن حضرت امام شہید درود کے باوجود بھی ترک نماز پر آمادہ نہ ہوئے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا کہ یہ تو شیطان ہے۔ آپ نے لاحول پڑھ کر اس کے منہ پر مارا تو وہ غائب ہو کر ہوا میں اڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد غیب سے آواز آئی، لین العابدین! اسی دن سے آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا۔

آپ نماز ادا کرنے کے لیے جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: تم دنیاوی ماکھوں کے حضور جاتے ہوئے کانپتے ہو۔ بل حکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہوئے کیوں نہ ڈرو۔

ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مکان کے ایک گوشے میں آگ بجڑک اٹھی۔ آپ نماز میں مشغول و مصروف رہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا اور چلاتے رہے: یا ابن رسول! آگ آگ! لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔ جب آگ بجھ گئی، آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے احباب و اعزہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نماز میں اس قدر کیوں محو رہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس آگ کی نسبت دوزخ کی آگ کا زیادہ خیال ہے۔

ذہری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت امام کو قید میں ڈالا اور پابجولاں کر دیا اور نگہداشت کے لیے سخت ترین پہرہ بٹھا دیا۔ میں از رو عقیدت و محبت جیل خانے کے دروازے پر گیا اور پہرے داروں سے منت ساجت کر کے آپ سے ملاقات کی اجازت لی۔ آپ کو اس حالت میں دیکھا تو میرا دل بے قرار ہو گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ میں نے کہا: کاشکے میں آپ کی جگہ قید ہو جاتا اور آپ کو آزاد کیا جاتا۔ آپ نے منہ نہ فرمایا، قید و بند، ذہر غوری اور قتل و شہادت تو ہمارا موروثی حصہ ہے۔ ان مصائب میں ہماری ولایت کے درہات بلند ہوتے ہیں۔ یہ پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کے طوق اور ہاتھوں کی زنجیریں اور یہ مصائب سب کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں دور بھیج سکتے ہیں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ آپ کی ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ بیڑیاں علیحدہ ہو گئیں اور طوق گر پڑے۔

اور آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا: جن تکالیف سے تم ڈر رہے ہو وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم خوش نموش چلے جاؤ۔ میں نے قدم چومے اور واپس آگیا۔ ابھی چار روز گزرے تھے کہ خبر مشہور ہوئی: حضرت زین العابدین جیل سے زنجیریں اور پٹریاں توڑ کر نکل گئے ہیں۔ جیل کے پہرے دار آپ کو تلاش کرتے رہے مگر نہ پا سکے۔ چند دن بعد میں عبد الملک بن مروان کے پاس گیا۔ اس نے حضرت زین العابدین کے حالات دریافت کرنا شروع کئے۔ میں نے کہا: وہ سید اور حضرت رسول اللہ کی اولاد پاک میں سے ہیں۔ عبد الملک نے کہا: وہ ہماری جیل میں تھے مگر وہاں سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسی دن میں نے اپنے نانا مکروں میں جہاں کسی غیر کا گزر نہیں آپ کو دیکھا۔ آپ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ میں اسی وقت سے چاہتا تھا کہ آپ سے بات کروں مگر دہشت کی وجہ سے بول نہ سکا۔

ایک دن حضرت امام زین العابدین اپنی اولاد کے ساتھ تفریح طبع کے لیے صحرا کی طرف تشریف لے گئے۔ وہیں دشرخان بچپایا اور کھانا کھانے لگے۔ ایک برن پاس سے گزرا۔ آپ نے برن کی طرف منہ کر کے کہا۔ میں علی ابن حسین ہوں۔ فاطمہ الزہرا کا نورِ نفس ہوں۔ تم آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ برن اسی وقت پاس آگیا۔ مختوڑا سا کھانا کھایا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک غلام نے عرض کی: یا حضرت! اس برن کو آپ دوبارہ بلائیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اسے پناہ دو اور تکلیف نہ پہنچاؤ تو دوبارہ بلا لیتا ہوں۔ غلام نے قبول کر لیا۔ آپ نے زور سے کہا: اے برن! میں علی ابن حسین ہوں، میری ماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ تم لوٹ آؤ اور ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ وہ برن آیا اور پاس آکر کھانا کھانے لگا۔ آپ کے غلاموں میں سے ایک نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ بھاگ کر جنگل میں چلا گیا۔ آپ اس غلام سے سخت خفا ہوئے اور فرمانے لگے: تم نے میری پناہ کو نقصان پہنچایا ہے آئندہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کے بعد اس غلام سے ہمکلام نہیں ہوئے۔

ایک دن حضرت امامؑ اپنے احباب کے ساتھ ایک صحرا میں بیٹھے تھے۔ اچانک ایک

ہر فی سائنے آئی اور اپنا منہ زمین پر رکھ کر فریادی ہوئی۔ حاضرین نے پوچھا، یا حضرت یہ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ کہتی ہے کہ فلاں قریشی نے کل میرے بچے کو پکڑ لیا ہے۔ میں اسے کل سے دودھ نہیں پلا سکی۔ اگر آپ اس بچے کو دودھ پلانے کی اجازت لے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا اور اس قریشی کو ہر فی کے بچے سمیت طلب کر لیا۔ جب وہ آیا تو ہر فی نے اپنے بچے کو دودھ پلا دیا۔ حضرت امام اس شخص کو مخاطب کر کے فرمائیے گئے: اگر تم چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے بچے ظلم و ستم سے ہمیشہ بچے رہیں تو اس بچے کو آزاد کر دو۔ تاکہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ اس نے یہ بات قبول کر لی۔ چنانچہ اپنے بچے کو لے کر ہر فی صحرا کو چلی گئی اور بلند آواز سے کچھ کہتی جاتی تھی جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہتی ہے۔ حاضرین نے حضرت امامؑ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ کہتی تھی، جزاك الله في الدارين خيرا۔

جب حضرت زین العابدین فوت ہوئے تو آپ کی سواری والی اونٹنی آپ کے مزار پر آئی۔ اور زمین پر سر رکھ کر رونے لگی۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے کہا: اٹھو! اللہ تجھے برکت دے۔ لیکن اونٹنی نے سہرا اٹھایا اور روتی چلی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو اپنے مالک کے پاس چلی جائے۔ چنانچہ دو دن کے بعد وہ اونٹنی مر گئی۔

حضرت امیر حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت محمد بن حنفیہؑ حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ سے بڑا ہوں، منصب امامت میرا حق ہے آپ کے پاس جتنے تبرکات یا اسلحہ از رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں، دے دو۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ آپ بڑے ہیں لیکن منصب امامت تو اہل بیت رسالت کا ہی حق ہے۔ خدا سے ڈرو اور جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کے وعدہ دار نہ بنو۔ محمد بن حنفیہ نے ایک نہ سنی اور اس معاملہ میں بڑا مبالغ کیا۔ آخر کار حضرت امام زین العابدین نے فرمایا: آؤ میں اور تم کسی ایسے حاکم کے پاس چلتے ہیں جو فیصلہ کر دے گا کہ یہ حق کس کا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ کون حاکم ہے جو میرے اور آپ کے منصب کا فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا: حجر الاسود۔ چنانچہ دونوں خانہ کعبہ میں آئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: چونکہ تم مدعی ہو، اپنا دعویٰ حجر الاسود کے سامنے پیش کرو۔ محمد بن حنفیہ نے اپنا دعویٰ حجر الاسود کے

سانے پیش کیا لیکن کچھ جواب نہ آیا۔

پھر حضرت امامؑ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور حجر الاسود کو مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے حجر الاسود! بندگانِ خدا کے موافقیت کا تو امانت دار ہے۔ تم فیصلہ دو کہ حضرت حسین کے بعد امامت و ولایت کا ہم دونوں میں سے کون حق دار ہے۔ جب آپ نے بات ختم کی تو حجر الاسود زور سے ہلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے نکل آئے گا۔ پھر فصیح زبان میں کہا: "اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت باطنی کا حق تو زین العابدینؑ کو دیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

محمد بن حنفیہ یہ فیصلہ سنتے ہی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک مرد اور ایک عورت نے حجر الاسود کو بوسہ دینے کے لئے ہاتھ لگائے تو وہیں چپٹ گئے۔ ساری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ہاتھ علیحدہ نہ ہو سکے۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں حضرت زین العابدینؑ تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت مبتلائے مصیبت ہیں۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر ہاتھوں پر ہاتھ ملا، فوری طور پر علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے موقع پر حضرت سید زین العابدینؑ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ جریر بن کامل الاسدی جو قاتلانِ حسینؑ ہیں سے تھا، کس حال میں ہے؟ میں نے بتایا اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا: اللھم اذقہ نار الحدید (اے اللہ اس پر آتشِ دوزخ مسلط کر) جب میں کوفہ میں واپس گیا ان دنوں مختار بن عبید نے علم بغاوت بلند کیا تھا چونکہ وہ میرے واقعہ تھے میں ملنے کے لیے چلا گیا دو راستے میں ہی مل گئے۔ ہم دونوں اکٹھے جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اس مقام پر جریر کو حاضر کیا گیا۔ مختار کہنے لگا: اے قاتلِ حسینؑ! الحمد للہ تم میرے قابو آ گئے ہو۔ اسی وقت جلاؤ حکم دیا کہ اس قاتلِ اہلبیت کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ پھر اس نے آگ جلا کر جریر کو اس میں پھینک دیا کیونکہ قاتلانِ حسینؑ کی سزا آگ ہی ہے۔

حب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ و بجدہ۔ مختار نے مجھ سبحان اللہ کہنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور دُعا کا ذکر کیا۔ مختار سنتے ہی گھوڑے سے نیچے آگیا اور دو گام شکرانہ ادا کیا اور دلوں سے چلا گیا۔ پھر وہ اسی دن میرے گھر آیا۔ تو میں نے کھانا حاضر کیا۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا، اے دوست تم نے آج مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ حضرت زین العابدین کی دعا میرے ہاتھوں پوری ہوئی ہے۔ میں اس خوشی میں شکرانے کا روزہ رکھا ہے۔ میں نے قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لیا ہے۔

یہ قوال صحت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت علی بن حسین بن علی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بتاریخ ۱۸ ماہ محرم ۹۰ھ (مقبول دیگرے ۵۹۵) دار فانی سے دارِ بقا میں گئے۔
 لکھتے ہیں کہ دشمنانِ اہلبیت نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ اسی صدمہ سے واصل بحق ہوئے اور داخلِ جنت ہوئے۔

بہر وصلش جان و دل ز آفاق رفت شد ز دوراں سید آل نبی
 ہم خرد والی والا حباء گفت نیز محبوبِ الہ است اے ولی

۹۔ امام محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ عشر کے امام پنجم تھے۔ آپ کی کنیت ابو جعفر، لقب باقر تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت الحسن بن علی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ میں بروز جمعہ سوم ماہ صفر، ۵ھ ہوئی۔ بعض اقوال میں ۵۸ھ ہے۔

مولانا جامی شراہ النبوت میں لکھتے ہیں کہ امام والا گوہر جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (حب ان کی آنکھیں نظر سے محروم ہو چکی تھیں) کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے جواب دیا اور پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ یہ سنتے ہی فرمانے لگے: بیٹا میرے پاس آجاؤ۔ میں قریب گیا، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ لیا۔ پھر میرے قدم چومنے کے لئے جھکے، اسی

کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے نام سلام بھیجا ہے۔ میں نے کہا: السلام علی رسول اللہ و برکاتہ اور فرمایا: میں ایک دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا تو آپ نے فرمایا: جابر شاید تم اس دن تک زندہ رہو جب میرے فرزندوں میں سے ایک تمہارے پاس آئے گا جس کا نام محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو انوارِ حکمت سے نوازے گا۔ اسے میرا سلام پہنچانا۔

حضرت مولانا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک معتبر راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے ہشام بن عبد الملک کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اسکی یہ عمل زیرِ تعمیر تھا آپ نے دیکھ کر فرمایا: واللہ یہ محل برباد ہونے کے لئے بن رہا ہے۔ اس محل کے سنگ و خشت کو یہاں سے اکھاڑ کر لے جایا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی بنیادیں بل جانیں گی۔ میں حضرت امام کی یہ بات سن کر بڑا متعجب ہوا۔ اور ڈرا کہ ہشام کے محل کو کون مسمار کر سکتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک کی وفات کے بعد ولید بن ہشام نے حکم دیا کہ اس محل کو مسمار کر کے اس کے بلے کو یہاں سے اٹھایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی بنیادیں بل ہوئی دیکھیں۔

اسی راوی نے مزید کہا کہ ایک دن میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک زید بن علی پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: واللہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ زید کو تو میں خروج کر دیں گے اور انہیں قتل کر دیا جائے گا اور مدینہ لایا جائے گا اور ایک بانس پر نصب کیا جائے گا۔ مجھے اس بات سے سخت تعجب ہوا کیونکہ مدینہ میں تو بانس نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ کا سر مدینہ میں لایا گیا اور بانس بھی بھرا لایا گیا جس پر آپ کا سر نصب کیا گیا۔

حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے میرے والد محترم نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد رتبہ امامت تمہیں سونپا جائے گا۔ جب میں مروں تو مجھے خود غسل دینا کیونکہ امام کا غسل امام ہی دیا کرتا ہے۔ عنقریب تمہارا بھائی عبداللہ دعویٰ امامت و جانشینی کرے گا اور لوگوں کو اپنے ساتھ نالے گا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اسے اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی عمر بڑی مختصر ہوگی۔ جب میرے والد محترم کا دھماکا ہوا تو میں نے غسل دیا۔

میرا بھائی عبداللہ میرے ساتھ جھگڑنے لگا اور امامت کا دعویٰ کیا مگر تھوڑے عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت امام حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ خود اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کا غلام خچر پر سوار تھا اچانک ایک پہاڑ سے ایک بھیڑ یا کل آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کرنے لگا۔ آپ بھی اس سے باتیں کرتے رہے اور آخر میں دُعا فرما کر بھیڑیے کو رخصت کیا۔ اپنے ساتھی کو بتایا کہ بھیڑ یا یہ فریاد لے کر آیا تھا کہ دُعا فرمائیں کہ میری نسل سے کوئی بھیڑ یا آپ کے ماننے والے پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے دعا کی۔ بھیڑ یا چوچا بتاتا تھا، اسے مل گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک رات میرے دل میں مذہب کے فیصلہ کرنے میں سخت تیرس و سو سے پیدا ہونے لگے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ کون سے مذہب کی طرف رجوع کروں۔ اسی فکر میں مجھے نیند آگئی۔ صبح ہوئی ایک شخص میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور کہا کہ محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تھیں یا دفرما رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ میں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا، برادر سب مذہبوں سے مذہبِ اہلبیت اچھا ہے۔ میں اسی وقت آپ کے معتقدین میں سے ہو گیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، مجھے یہ بتائیے کہ مومن کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، مومن کا حق یہ ہے کہ اگر وہ اس کھجور کو کھے کہ ادھر آؤ تو وہ درخت توقف نہ کرے۔ یہ بات سُنتے ہی کھجور کا وہ درخت چل کر آپ کے پاس آگیا۔ آپ نے فرمایا، درخت! میں نے تو یہ بات بسبیلِ تذکرہ کہی تھی تم اپنی جگہ چلے جاؤ۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ابو بصیر نابینا نے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کی، کیا آپ پیغمبر خدا کے اہلبیت میں سے ہیں۔ کہا، ہاں۔ میں نے کہا، کیا نبی علیہ السلام تمام پیغمبروں کے وارث ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اپنے والد کی میراث ملی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مَرُوے کو زندہ ادبیاد کو تندرست کیا کرتے تھے۔ کیا آپ اس بات کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، خدا کے حکم سے ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور مجھے ساری مخلوق نظر آنے لگی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ دنیا میں آنکھیں بنا رکھنا چاہتے ہو یا میدانِ حشر میں۔ میں نے حشر کو ترجیح دی۔ آپ نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ لاتو میں نابینا ہو گیا اور دعا چاہی کہ بلا حساب مجھے داخلِ جنت کیا جائے۔

شواہدِ نبوت میں ایک اور راوی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر سطر فرما رہے تھے میں بھی ہم رکاب تھا۔ ناگاہ دو شخص راستے میں ملے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، یہ چور ہیں انہیں پکڑ لو اور باندھ لو۔ غلاموں نے انہیں پکڑ کر باندھ لیا۔ پھر آپ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں ایک غار ہوگی۔ جو کچھ تمہیں اس غار سے ملے لے آنا۔ غلام گیا۔ وہاں سے دو صندوق ملے جو دولت سے بھرے پڑے تھے، اٹھا لایا۔ فرمایا، ایک صندوق کا مالک تو مدینہ میں موجود ہے اور دوسرا غائب ہے۔ جب ہم مدینہ پہنچے اس صندوق والے نے ایک جماعت کو چوری کے الزام میں گرفتار کروا دیا تھا اور حاکم کے سامنے فیصلہ کے لئے لے جا رہا تھا۔ حضرت امامؑ نے اسے صندوق دیا اور بے گناہ لوگوں کو رہائی دلائی۔ اور اس چور کو قطعِید کی نذر دلائی۔

کچھ عرصہ کے بعد ان چوروں میں سے ایک حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، الحمد للہ کہ میرا قطعِید اور توبہ آپ کے دستِ حق پرست پر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کٹا ہوا ہاتھ تمہارے جنت میں داخل ہونے سے بیس سال پہلے داخلِ جنت ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص بیس سال تک مزید زندہ رہا اور پھر وفات پائی۔ تین دن کے بعد دوسرے صندوق کا مالک بھی حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: تمہارے صندوق میں ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں ہیں۔ ایک تھیلی تو تمہاری ہے مگر دوسری تھیلی کسی اور کی ہے۔ اس نے کہا، آپ نے سچ کہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دوسرے شخص کا نام بھی بتادیں۔ آپ نے بتایا: اس کا نام محمد بن عبد الرحمان ہے اور اب شہر کے باہر تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے۔ وہ شخص غیر مسلم تھا جب اس نے آپ کی گفتگو سنی تو مسلمان ہو گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ ایک دن ابنِ حکاشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا بیٹا جعفر بھی آپ کے پاس کھڑا تھا۔ ابنِ حکاشہ نے کہا: اب آپ کا فرزند ارشد بن بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کے نکاح کا بندوبست کرنا چاہئے۔ حضرت امام کے پاس ایک ہزار دینار کی

تعمیل تھی جو آپ نے مجھے دی اور کہا کہ مارکیٹ میں ایک ایسا تاجر آئے گا جس کے پاس ایک خوبصورت کینز ہوگی اسے خرید لانا۔ چند دن بعد آپ نے فرمایا: منڈی جاؤ اور کینز خرید لاؤ اور یہ تعمیل لے جاؤ۔ میں منڈی میں اس سوداگر کے پاس گیا۔ اس نے کہا: میں تمام سامان واسباب فروخت کر چکا ہوں صرف دو کینزیں باقی ہیں جو بہت ہی خوب صورت ہیں۔ ان میں سے ایک کینز کو پسند کر کے خرید لو۔ میں نے قیمت پوچھی تو اس نے شتر دینا دبتائی۔ میں نے کہا: میرے پیسے میں جو کچھ ہے میں اس سے خرید لوں گا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے۔ سوداگر نے کہا کہ میں شتر دینا سے کم کسی صورت میں قبول نہیں کروں گا۔ میں نے تعمیل کھولی تو اس میں شتر دینا پڑے تھے۔ میں نے سوداگر کے حوالے کئے اور کینز کو لے کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے کینز سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ حمیدہ۔ آپ نے فرمایا: حمیدہ فی الدنیا محمودہ فی الآخرہ۔ پھر میں نے پوچھا: کیا تم کنواری ہو یا منکوحہ۔ اس نے بتایا کہ میں کنواری ہوں۔ میں نے پھر دریافت کیا: تم ان سوداگروں کے ہاتھ سے کیسے بچ گئیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی سوداگر اگر میری طرف بڑھتا تو ایک سفید ریش اور سفید سر آدمی آگے بڑھ کر اسے طمانچہ دے سید کر دیتا اور وہ مجھ سے دور ہٹ جاتا۔ یہ واقعہ کئی بار رونما ہوا۔ آپ نے حمیدہ کو حضرت جعفرؑ کے حوالے کر دیا اور فرمایا: اس لونڈی کو لے لو یہ برکت کی ایک کان ہے۔ چنانچہ اسی بی بی کے بطن سے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات بروز پیر نعت ماہ ذوالحجہ ۱۱۶ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۷۵ سال تھی اور آپ کے جسد پاک کو جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

سال وصل او بگو ہادی عزیز ۱۱
سالِ ترحیلش امام ایزد است
ہم بخواں اے یار ہادی انا ہم !
ہم ولی اللہ واں اے نیک نام
۱۱۶ھ ۱۱۷ھ

۱۰۔ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ ابو اسماعیل تھی۔ لقب صادق۔ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت عبدالرحمن بن صدیق الکبریٰ کی پوتی تھیں۔ آپ مدینہ منورہ میں ۱۲۔ ربیع الاول ۸۰ ھ بروز پیر پیدا ہوئے۔ آپ ائمہ اثنا عشر کے امام ششم تھے۔ آپ غلام کے اہلبیت اور علمائے سادات میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

خلیفہ منصور عباسی کسی معاذ اہلبیت کے کہنے پر حضرت جعفرؑ سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اپنے صاحب ربیع کو بلا کر حکم دیا کہ حضرت کو پیش کریں۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو کہنے لگا: مجھے اللہ تعالیٰ قتل کر دے اگر میں آپ کو قتل کروں لیکن میں سن رہا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور فتنہ گری میں مصروف ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ نہ ہی کوئی فتنہ برپا کیا ہے۔ آپ کے پاس اگر کسی نے ایسی خبر پہنچائی ہے تو وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے۔ اگر خدا نخواستہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ مجھ سے سرزد ہوا ہے تو جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ظلم کئے تھے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا تھا آپ بھی درگزر کریں۔ خلیفہ منصور نے خوش ہو کر آپ کو اوپر بلایا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور کہا: فلاں ابن فلاں نے یہ باتیں میرے کانوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اسے طلب کیا جائے۔ جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے یہ باتیں حضرت صادق کی زبان سے خود سنی تھیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم قسم کھا کر کہتے ہو۔ اس نے قسم کھانا چاہی۔ ابھی یہ الفاظ کہے تھے: یا اللہ الذی لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ هو الرحمن الرحیم۔ حضرت جعفرؑ نے فرمایا، ایسی قسم مجھے قبول نہیں۔ جس طرح میں قسم کھانے کو کہتا ہوں، کہیں۔ اور یہ بھی کہو کہ من حول اللہ وقوتہ والنجاة الی حول وقوتی لقد فعل کذا کذا جعفر و قال کذا کذا جعفر۔ اس شخص نے ایسی قسم کھانے سے پہلے تو تامل کیا لیکن پھر کھا گیا۔ اسی وقت وہ زمین پر گرا اور مجلس میں ہی مر گیا۔ منصور نے کہا: اسے پاؤں سے کھینچ کر مجلس سے باہر پھینک دیا جائے۔

ربیع کہتے ہیں کہ اس دن حضرت جعفر صادقؑ زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ منصور کا غصہ دُور نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے حضرت جعفر صادقؑ سے دریافت کیا، کیا بات ہے وہ جھوٹا مغزی دوا بعض کلمات کے ساتھ قسم کھا گیا مگر اسے کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن جب آخری بار قسم کھائی تو اسے سزا مل گئی۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس نے خدا کو معبودیت اور رحمانیت کے ساتھ یاد کر کے قسم کھائی تھی اور اس کے عذاب میں تاخیر ہو گئی۔ غلبہٴ صفت رحمانیت غالب تھا۔ دوسری بار جب میں نے اسے قسم کھانے کو کہا اس میں لفظ رحمان درجیم نہیں تھے اس لیے وہ فوری طور پر عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے حضرت جعفر صادقؑ کو دربار میں طلب کیا اور اپنے صاحب کو حکم دیا کہ جُرنی حضرت امام دربار میں داخل ہوں، انھیں قتل کر دیا جائے۔ جب آپ دربار میں آئے اور منصور کے پاس بیٹھ گئے تو اسے سخت تعجب ہوا کہ صاحب نے انہیں قتل کیوں نہیں کیا۔ جب آپ واپس گئے تو منصور نے صاحب سے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم مجھے قلنا علم نہیں ہے کہ حضرت امام کب دربار میں آئے اور کب واپس گئے۔ اگر میں انہیں دیکھ لیتا تو یقیناً قتل کر دیتا۔

خلیفہ منصور کے ایک قریبی شخص نے بتایا کہ میں ایک دن خلیفہ منصور کے پاس آیا تو اسے بڑا مغموم اور متفکر پایا۔ جب دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں نے ملویوں کے سیکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا ہے مگر ان کے امام جعفر صادقؑ ابھی تک زندہ ہیں۔ میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ میں نے کہا، وہ ایک خدا پرست آدمی ہیں انہیں دنیا اور منصب دنیاوی کی حاجت نہیں ہے ان کے قتل میں کیا فائدہ۔ خلیفہ منصور نے مجھے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس کی امامت پر راضی ہو۔ میں آج قسم کھاتا ہوں کہ جب تک میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوگا، کھانا پینا ترک نہ کرے گا۔ پھر اس نے کہا: میں حضرت جعفرؑ کو بلاؤں گا۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو میں اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھوں گا تم انہیں فوراً قتل کر دینا۔

جب آپ دربار میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے لب ہل رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت منصور کا عمل کانپنے لگا اور ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ منصور روپا

برہنہ آپ کے استقبال کو دوڑا اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور خود ہاتھ باندھ کر نیچے بیٹھ گیا اور کہنے لگا: یا حضرت! اگر کوئی چیز درکار ہو تو مجھے حکم فرمائیں تاکہ بجالاؤں۔ آپ نے فرمایا: بس ایک ہی حاجت ہے کہ مجھے دوبارہ دربار میں نہ بلایا جائے اگر میں خود بخود آؤں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر آپ اٹھے اور باہر چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد منصور بے ہوش ہو گیا۔ آدھی رات تک یہ ہوش رہا۔ چند نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ آدھی رات کے بعد جب ہوش آیا تو اس نے نمازیں ادا کیں۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس کی پریشانی، بیہوشی اور اضطراب کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا، جب حضرت امام دربار میں تشریف لائے تو میں نے ایک آڑو دیکھا جس کی زبان کا ایک سر تو محل کے فرش پر تھا اور دوسرا محل کی چھت پر۔ اور فصیح زبان سے کہہ رہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اگر حضرت امام کو زہر بھر بھی تکلیف پہنچی تو تمہیں اور تمہارے محل کو تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔

داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے حضرت امام جعفرؑ کے ایک غلام کو قتل کر کے اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت امام داؤد کے پاس آئے اور فرمایا: تم نے میرے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تمہارے حق میں بددعا مانگوں گا۔ اس نے اذہ مذاق کہا: مجھے اپنی بددعا کی دھمکی سے ڈرا رہے ہو۔ حضرت امام گھر چلے آئے۔ اسی رات داؤد اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

ابونصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا۔ میری ایک کینزک تھی جس کے ساتھ میں نے جماع کیا تو مجھے صبح غسل کی حاجت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے دوستوں کی ایک جماعت حضرت جعفر صادقؑ کی زیارت کو جا رہی ہے میں بھی ان کے ساتھ ہولیا ملا۔ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں کس حالت میں ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت امام مجھے مخاطب کر کے فرمائے: لگے، نصیر! رسول خدا کے اہلبیت کے گھر جنابت کی حالت میں چلے آئے ہو۔ میں نے کہا، حضرت! میں نے احباب کو دیکھا کہ آپ کی خدمت میں آکر ہتھکتے۔ خیال آیا کہ میں زیارت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ اس لیے چلا آیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم غسل کر کے آتے تو زیارت و ثواب دونوں چیزیں مل جاتیں۔ میں اٹھا اور غسل کرنے چلا گیا۔

ایک دن میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا کہ اچانک ہمیں ایک عورت دکھائی دی جس کے سامنے ایک مُردہ گائے پڑی تھی۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرا دل میرے بچوں کا گزارہ تو صرف اسی گائے کے دودھ پر تھا۔ اب وہ مر گئی ہے میں کیا کروں۔ حضرت امامؑ اس کے مال زار پر متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہتی ہو کہ تمھاری گائے پھر زندہ ہو جائے۔

بڑھیا نے کہا: فوجان! تم اس ضعیف مسکیت زدہ کے ساتھ کیوں مذاق کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا: واللہ مذاق نہیں کر رہا۔ پھر آپ نے دست دیا بلند کئے۔ گائے نے پہلے تو سر پاؤں ہلائے، پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بڑھیا خوش ہو گئی اور دونوں نماز شکرانہ ادا کئے اور آسودہ حال ہو گئی۔

ایک اور راوی نے بیان کیا کہ میں امام جعفرؑ کے ساتھ صبح کو جا رہا تھا۔ برسرِ راہ ایک خشک کھجور کا درخت نظر آیا جس کے نیچے ہم نے ڈیرہ ڈال دیا۔ جب چاشت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا: اے کھجور! ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ کھجور اسی وقت سرسبز ہو گئی۔ اس کے ساتھ خوشے گئے اور حضرت امامؑ کی طرف جھک گئے۔ حضرت امامؑ نے مجھے آواز دی اور کہا: اؤ بسم اللہ کرو اور کھانا کھاؤ۔ جو ہم نے کھائیں تو بڑی میٹھی اور شیریں کھجوریں تھیں۔ میں نے زندگی بھر ایسی میٹھی کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔ ایک اور شخص وہاں کھڑا تھا کہنے لگا: کیا زود اثر جاوے۔ آپ نے فرمایا: جاوے نہیں یہ تو مانجھہ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں ابھی دُعا کروں اور تم کتے کی شکل میں نظر آنے لگو۔ اعرابی اپنی لگ بلبعی کے ہاتھ کئے لگا، اچھا دُعا کرو۔ حضرت نے فی الفور دُعا کی تو کتے کی شکل میں تبدیل ہو کر اپنے گھر کو جانے لگا۔ حضرت امامؑ نے مجھے حکم دیا کہ اس کتے کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ جب وہ اہل اپنی اپنے گھر جا کر اپنی اہلیہ کے پاس گیا تو دُعا بھائی شروع کر دی۔ اس نے ایک دُعا اٹھایا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر پھر حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں میں بیٹھنے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ حضرت امامؑ کو اس کی حالت زار پر رحم آ گیا اور دعا کی تو وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو حضرت امام جعفر صادقؑ کی مجلس میں بیٹھا تھا روایت کی ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا کہ حضرت خلیل اللہؑ نے اللہ کے حکم سے چار پرندوں کو پکڑا اور ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ بنالیا اور

باہم ملا کر انھیں پھر ملایا۔ وہ زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ایسا واقعہ پھر رونما ہو اور تم اسے آنکھوں سے دیکھ لو۔ لوگوں نے کہا: یا ابن رسول کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ آپؑ نے آواز دی: اے مور تم آؤ، اے کوسے تم آؤ۔ اے بازم آؤ، اے کبوتر تم بھی آؤ۔ چاروں پرندے فوراً حاضر ہو گئے۔ چاروں کو ذبح کر کے ریزہ ریزہ کر دیا اور باہم ملا دیا۔ لیکن ان کے سر علیحدہ محفوظ کر لئے۔ پھر آپؑ نے مور کا سر اٹھایا اور مور کو بلایا۔ میں نے دیکھا کہ گوشت سے مور کے گوشت کے ریزے بکھرنے لگے اور کچا اکٹھے ہو کر ایک مور کی شکل میں نظر آنے لگے۔ مور زندہ ہو گیا۔ اسی طرح سارے پرندے ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے۔

آپ کا ایک دوست حج بیت اللہ کو روانہ ہوا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دس ہزار درہم آپ کو بطور امانت دیئے اور کہا اس رقم سے میرے لئے ایک مکان خرید رکھیں تاکہ واپسی پر اس میں سکنے کر سکوں۔ آپؑ نے اس کے جانے کے بعد سارا دوپہر اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپؑ نے فرمایا: تمہارے لئے میں نے جنت میں مکان خرید لیا ہے جس کی ایک دیوار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے ملتی ہے اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے جا ملتی ہے۔ تیسری دیوار حضرت حس اور چوتھی دیوار حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے گھر سے ملتی ہے۔ میں نے اس مکان کی دستاویز بھی تیار کر لی ہے جو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپؑ ایک کاغذ لائے جو اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے یہ کاغذ اپنے پاس رکھا اور وفات سے پہلے وصیت کی کہ یہ دستاویز میرے کفن میں رکھی جائے۔ اس کے لواحقین نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن لوگوں نے وہ کاغذ اس کی قبر پر پڑا پایا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا کہ جعفر بن محمد کی تحریر کو منظور کر لیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی وفات مدینہ پاک میں بروز منگل ۱۵۔ رجب یا بروز جمعہ ۱۸۔ رجب ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپؑ اپنے باپ اور دادا کے روضہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام باصفا صادقؑ شہِ دین ! کہ بود اندر طلب مطلوب کامل
عطا و نیک تو لیش عیانست بہر حلیش بگو محبوب کامل

۱۱۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم، نام نعمان ابن ثابت اور خیر القابین میں سے تھے۔ چار ائمہ دین میں سے پہلے امام اور حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے حلیس خاص تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفرؑ سے بڑا استفادہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صحابہؓ کی زیارت کی۔ ان صحابہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن انس، عبد اللہ بن ابی عبد اللہ بن حرث، مقتل بن لیار، وائل بن اسقع رضی اللہ عنہم۔ آپ نے ان صحابہ کرام سے احادیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن اہم بشرحانی، واؤد طائی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے آپ کے شاگرد تھے۔ فقہاء میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کا شجرہ پُرانی کتابوں میں یوں درج ہے:

امام ابو حنیفہ نعمان کو فی بن ثامت بن قیس بن یزید بن شریار بن پرویز بن نو شیران مائل۔

حضرت مخدوم علی بجزیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کو بدرجہ تحسین پیش کیا ہے اور آپ کو امام اماں، مقتدائے سنیاں، شرف نقباء و علما لکھا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ جب روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کرتے تو عرض کرتے:

السلام علیک یا رسول اللہ۔ تو جواب آیا کرتا تھا: یدیک السلام یا امام المسنین۔ حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں ملا کروں؟ فرمایا: علم ابو حنیفہ کے پاس۔ خواجہ محمد پارسا نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اس مذہب پر گامزن ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک اسی دین پر حکم چلایا کریں گے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ جناب امام ابو حنیفہ جب آخرین حج بیت اللہ کو گئے تو رات کے وقت کعبۃ اللہ کا دروازہ کھڑک کر ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف قرآن ختم کر دیا، پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف دوسرا ختم کیا۔ پھر کما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک۔ اتف نے

آواز دی، ابوحنیفہ تم نے پہچان لیا، جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے اور میری تم نے عبادت کر دی جیسا کہ حق ہوتا ہے، ہم تمہیں اوتیرے مقلدین کو بخش دیں گے۔

یہ روایت نقل کی جاتی ہے: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر فرمایا: ہماری یہ امانت ابوحنیفہ کو پہنچا دینا۔ حضور کا یہ لعاب دہن حضرت انس کے منہ میں ایک آبلے کی طرح محفوظ رہا۔ جب حضرت امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے تو آپ نے یہ امانت آپ تک پہنچا دی۔ یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام ایک رات میں ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے۔ تیس سال تک عشا کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ عینِ عالمِ شباب میں تھے کہ امام شافعی پیدا ہوئے۔ چار سال تک وہ والدہ ماجدہ کے شکم میں رہے۔ جس رات امام ابوحنیفہ کا وصال ہوا تو آپ پیدا ہوئے۔ شیخ فریہ الدین عطار نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے جسمِ انور کو نکال کر تمام مٹیاں علیحدہ علیحدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی حیثیت سے آنکھ کھل گئی۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے بتایا کہ آپ پیغمبرِ خدا اور حفظِ سنتِ رسول میں وہ مقام حاصل کریں گے کہ صحیح سنت کو ستم سے جدا کر دیں گے۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ارادہ کر لیا کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور یادِ خداوندی میں وقت گزار دوں۔ رات کو حضرت رسالت پناہ کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا، ابوحنیفہ! تمہیں اس لیے زندگی عطا کی گئی ہے کہ میری سنت کا اعلان کرتے رہو اور میرے علوم کو پھیلانا جو، گوشہ نشینی اور عزت گریبی کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد آپ نے خدمتِ سنتِ رسول میں دن رات وقف کر دیا۔

حضرت امام اعظم کی مسجد کے قریب ہی بچے گیند سے کھیل رہے تھے۔ ایک دفعہ گیند آپ کی مجلسِ قرآن میں آگئی۔ کسی لڑکے کو جرأت نہ ہوئی کہ مجلس سے گیند اٹھائے۔ ایک لڑکے نے اعلان کیا کہ میں جا کر گیند لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گستاخانہ لگیا اور گیند اٹھا لایا۔ حضرت امام نے اس بچے کی بیباکی کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ حلال زادہ نہیں ہو سکتا۔ جب تفتیش کی گئی تو واقعی ایسا نکلا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: حلال زادوں کے حیا مانع ہوتی ہے۔
 حضرت امام اعظم نے ایک شخص سے قرضہ لینا تھا۔ اتفاقاً آپ کا ایک شاگرد مقروض
 کے محلے میں فوت ہو گیا۔ آپ بھی شریک جنازہ ہوئے۔ چونکہ دھوپ بہت تھی اس جنازے کے
 انتظار میں سارے لوگ آپ کے مقروض کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر
 حضرت امام ابوحنیفہ دھوپ میں کھڑے رہے۔ لوگوں نے سایہ میں کھڑا ہونے کی درخواست کی
 تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں قرضہ لے نہ لوں اس کی دیوار سے فائدہ اٹھانا حاصل سود
 خیال کرتا ہوں۔

ایک امیر آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ وہ یہاں تک تعصب کرتا کہ
 آپ کو یہودی کہا کرتا یا سنی بات کو حبیب امام صاحب سمجھتا تو اسے اپنے پاس بلایا اور کہا
 کہ بھائی! تمہاری بیٹی کا نکاح ایک مالدار یہودی سے کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ
 مسلمانوں کے امام ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ کب روا ہے کہ ایک مسلمان کی بیٹی ایک یہودی کے
 نکاح میں آئے۔ پھر میں ایک مسلمان ہوں۔ میری بیٹی یہودی کے نکاح میں کس طرح آسکتی ہے؟
 آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ تم تو اپنی بیٹی یہودی کے نکاح میں دینا گوارا نہیں کرتے مگر
 حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ روا رکھتے ہو کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیاں ایک یہودی کے
 نکاح میں دے دیں۔ اس شخص نے بات کی حقیقت کو سمجھ لیا اور اپنے بغض و تعصب سے
 تائب ہو گیا۔

کوفہ کے لوگوں نے مسجد بنانے کے لیے عوام الناس سے مالی امداد کی اپیل کی۔ حضرت
 امام اعظم کی خدمت میں بھی گئے کہ تبرکاً کچھ نہ کچھ دیں۔ حضرت امام نے ہزار دقت ایک درہم دیا
 تو شاگردوں نے کہا، حضرت آپ اتنے سخی ہیں مگر مسجد کے معاملہ میں یہ بخل۔ آپ کو یہ بات بڑی
 گراں گزری اور فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ مال حلال آب و گل پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ میرا مال حلال ہے
 اس لئے جب لوگوں نے روپے مانگے میرے دل پر گراں گزرا۔ چند دن گزرنے کے بعد مسجد کے
 بانی واپس آئے اور امام صاحب کو ایک درہم واپس کر گئے اور کہنے لگے، یہ تو کھوٹا ہے۔ اپنے
 بعد خوشی واپس لے لیا اور فرمایا: الحمد للہ میرا حلال مال آب و گل پر خرچ نہیں ہوا۔

حضرت علیؓ مخدوم بجوری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ شام میں حضرت بلال موقن رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر بیٹھا سو گیا۔ خواب میں اپنے آپ کو کتہ مکرم میں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ میں آئے اور ایک بوڑھے آدمی کو نفل میں بچتے کی طرح اٹھا لائے۔ اس بوڑھے پر آپ بڑی شفقت فرما رہے ہیں۔ میں حضور کے پاس گیا سلام کہا اور پائے مبارک کو چوما۔ تعجب ہوا کہ یہ بوڑھا کتنا خوش بخت ہے کہ حضور اس پر بچوں کی طرح شفقت فرما رہے ہیں اور گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی اس کیفیت کو خود ہی بھانپ گئے اور فرمانے لگے، اے علی! یہ امام اہلسنت ابوحنیفہ ہیں۔

بقول صحیحہ آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے مگر بعض مورخین نے ۸۲ھ میں لکھا ہے۔
آپ کا وصال با اتفاق اہل اسلام ۵۰ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سن تولدش بقول اہل سیر	بے نیاز و لفظ نیک است و امام
کن رقم سلطان تو سال رحلتش	طالب حق گو، محبوب انام
نیز سال انتقالش گفت دل	قطب از دوراں رواں شد والسلام

۱۲۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ نام مالک یا انس بن مالک تھا۔ آپ چار ائمہ مذاہب ہیں دوسرے امام ہیں۔ حضرت امام شافعی کے استادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے شمائل فضائل اور مناقب بے اندازہ ہیں۔ اس مختصر کتاب میں مجال بیان نہیں۔ آپ کی ولادت ۹۵ھ میں اور وفات بروز یکشنبہ ہفتم ماہ ربیع الآخر ۱۷۹ھ (اور بعض تذکروں میں ۱۸۱ھ بھی درج ہے) مزار پر انوار مدینہ منورہ میں ہے۔

قطب محبوبی است رحلت او	ساکب اہل دل و سانش داں
از خود صاحب عطا جستہ	سرور زار سال رحلت آں

۱۳۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم اور لقب ابو یوسف . مقام پیدائش کوفہ۔ اور حضرت امام اعظم کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور حضرت امام نے ہمیشہ اپنے اس لائق شاگرد کی تعریف کی اور حضرت نے آپ کو قاضی القضاۃ کا خطاب دیا۔ اگرچہ آپ عدالتی کارروائی میں بہت معروف رہتے تھے تاہم رات کو دو صد رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ آپ ۱۱۰ھ میں (بقول دیگر ۱۱۱ھ) پیدا ہوئے اور وصال بروز جمعہ ۲۴۔ ماہ رجب ۱۸۲ھ میں ہوا۔ آپ کی عمر ستر سال اور مزار مبارک بغداد میں ہے۔

ابو یوسف آں یوسفِ دینِ حق ولی جہاں مقتدائے زماں
خود گفت وصلش سعیدِ اول دلم گفت عابد ولی جہاں

۱۴۔ حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا اسم گرامی حسن تھا جو شام سے ہجرت کر کے عراق تشریف لائے اور واسطہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت امام محمد کی ولادت ہوئی۔ کوفہ میں پرورش پائی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت امام صاحب کے علوم آپ کی کوششوں سے دنیائے اسلام میں پھیلے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہا جاتا ہے۔ اور امامین بھی۔ یہ دونوں بزرگ صاحب تصانیف کثیرہ جوئے ہیں۔ امام شافعی بھی آپ کے ہی شاگرد تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احسن التلویح میں لکھا ہے کہ امام شافعی حضرت امام محمد کی رکاب تھامے جا رہے تھے اور کہتے تھے: اگر میں یہ کہوں کہ قرآن پاک محمد بن حسن شیبانی کی لغت میں نازل ہوا تھا تو روا ہے۔ کیونکہ آپ بہت ہی فصیح تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء (داراشکوہ) نے اس صاحب کمال کی تاریخ وفات ۱۴۰۔ جمادی الاخریٰ (بقول دیگر رمضان) ۱۸۹ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار رے میں ہے۔

عزیز الواسلین کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات ۸۶ھ بروز پیر ۲۲۔ ماہ صفر تحریر کی ہے۔
ہمارے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے۔

محمد چو از لطف فضل الہ رسید از جہاں در مقام جہاں
رقم شد وصالش محمد عزیز دگر ظاہر آمد امام جہاں
۱۰۸۹

۱۵۔ حضرت موسیٰ کاظم بن جعفر رضی اللہ عنہ

آپ امام ہفتم ائمہ عشرین سے تھے۔ کنیت ابو الحسن۔ ابو ابراہیم۔ لقب کاظم۔ اور والدہ کا نام ام ولد حمیدہ بربری تھا۔ آپ کی ولادت بمقام الوا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، ہوئی تھی اور تاریخ ولادت بروز اتوار ۷۔ ماہ صفر ۱۲۸ھ ہے۔ عباسی خلیفہ مہدی بن منصور جب آنحضرت کو پہلی بار مدینہ پاک سے بغداد لائے تو گرفتار کر دیا۔ رات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا جنھوں نے فرمایا: مہدی! نہل عسیم ان تولیم ان تغسدوا فی الارض و تقطعوا احما مکہ۔ ریح کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلیین نے مجھے آدمی رات کو طلب کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس آیت کو نہایت خوش الحانی سے تلاوت کر رہا ہے۔ مجھے کہا جاؤ اور ابھی موسیٰ کاظم بن جعفر کو جیل سے لے آؤ۔ میں نے لے کر آیا تو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھایا اور خواب کا واقعہ پیش کیا اور پوچھا: کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے بے غم کر دیں اور مجھ پر خروج نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: واللہ! میں نے ہرگز خروج نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا۔ خلیفہ نے پوچھا: آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ پھر ریح کو کہا کہ دس ہزار دینار حضرت کو دے دیئے جائیں اور سفر کا سامان کریں تاکہ وہ مدینہ شریف جا سکیں۔ ریح کہتے ہیں: میں نے فوراً تیاری کی اور حضرت امام کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس خوف سے صبح کو فی نہی مصیبت رونما ہو جائے۔

حضرت امام مہدی کے آخرین ایام حکومت تک آرام سے رہے۔ دوسری بار دشمنان آنحضرت نے خلیفہ مارون الرشید کے کان بھرے اور حضرت کو دوسری بار بغداد میں طلب کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا۔ حتیٰ کہ آپ ایک عرصہ کے بعد زہر خودی سے واصل بھی ہو گئے۔

جب حضرت کاظم کو یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کے حکم سے جیل خانہ میں زہر دیا۔ آنحضرت نے زہر کھانے کے بعد فرمایا کہ آج اہلبیت کے معاذین نے مجھے زہر دیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا۔ پھر نصف سرخ ہو جائے گا، نصف سیاہ ہوگا۔ میری اس دار افتادہ سے دارالبعثاء کی طرف جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہارون الرشید نے اپنے امراء میں سے علی بن یقطن کو باس ناخرہ اور زربفتی قبا اس لئے دی کہ وہ حضرت موسیٰ کاظم سے بحال محبت پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس قیمتی باس کو حضرت کے پاس جیل میں لے گئے۔ حضرت نے اور چیزیں تو قبول فرمائیں مگر وہ قیمتی زربفت کا سیاہ باس اسی طرح واپس کر دیا اور کھا کہ اس قیمتی باس کو اپنے پاس محفوظ رکھو تاکہ کسی مشکل وقت میں کام آ سکے کچھ دنوں کے بعد ایک غلام علی بن یقطن کی طرف سے آیا اور ہارون الرشید کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ خلیفہ نے کہا کہ علی بن یقطن موسیٰ بن کاظم کو اپنا امام تصور کرتے ہیں اور بڑی مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحفہ آپ نے قبول نہیں کیا۔ ہارون الرشید اس بات سے بڑا برہم ہوا اور علی کو اپنے پاس بلایا کہ میرے فلاں حجرے میں جاؤ، اس میں ایک صندوق پڑا ہوگا۔ اسے کھولو، اس میں ایک برتن ہوگا اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ گیا اور برتن لے آیا۔ علی نے ایسا ہی ایک باس جو خلیفہ نے دیا تھا، اس برتن سے نکالا اور سامنے رکھ دیا۔ ہارون الرشید کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اپنے برے ارادے سے رُک گیا۔

شواہد النبوت کے مصنف (حضرت مولانا عبدالرحمان جامی) فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے جو حضرت موسیٰ کاظم کا معتقد تھا، بیان کیا ہے کہ جب پہلی بار مہدی نے حضرت کو مدینہ سے طلب کیا میں مدینہ سے دو تہک آپ کے ساتھ گیا۔ میں رو رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: بھائی تجھے کس بات نے اتنا منہم بنادیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں کیوں نہ روؤں آپ دشمن اہل بیت کے پاس جا رہے ہیں۔ خدا معلوم آپ سے وہ کیا سلوک کریں گے۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو میں فلاں ماہ فلاں دن اور فلاں وقت واپس آ جاؤں گا۔ تم یہاں ہی آ کر میرا انتظار کرنا۔ یہ کہہ کر مجھے اجانت دی۔ جب وعدہ کے مطابق وہ تاریخ آئی تو میں اسی مقام پر بہر استقبال گیا۔ میں نے دیکھا کہ عراق کی طرف سے ایک حبشی نمودار ہوا۔ آنحضرت اس حبشی کے آگے آگے ایک

اُونٹنی پر سوار چلے آ رہے ہیں اور اکرمیرا نام لے کر پکارا۔ میں نے لبیک کہا تو فرمانے لگے :
 تمہارے دل میں شک آنے ہی والا تھا۔ میں نے کہا، ہاں حضرت! آپ نے فرمایا: الحمد للہ
 میں ظالموں کے پنجے سے بچ کر نکل آیا۔ لیکن میں ایک بار پھر جاؤں گا اور پھر نہیں آؤں گا۔
 یاد رہے کہ حضرت کاظم رضی اللہ عنہ بتا رہے ہیں۔ رجب بارون الرشید کے جل خانہ میں زنجیرانی
 سے فوت ہوئے۔ آپ کو گھوڑے میں زبردیا گیا اور بروز جمعہ ۱۸۶ھ واپس لے آئے۔ بغداد میں آپ
 مدفون ہوئے۔

سرورِ دہر سید کوئین	سال تولد اوست الہیم حسینؑ
سال رحیل آں حبیب اللہ	کن رستم سید ولی اللہ
باز سال وصال آں مسعود!	موسیٰ اہل دل خرد فرمود

۱۶ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابو عبد اللہ، لقب شافعی، نام محمد بن ادریس تھا۔ آپ قبیلہ قریش سے تعلق
 رکھتے تھے۔ آپ کا نسب نامہ آٹھ واسطوں سے حضرت عبدالمطلب سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ
 کا نام حضرت ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہے۔
 اسی لیے آپ کو قریشی، ہاشمی، علوی اور فاطمی کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام سوئم ہیں۔
 جب تک مدینہ میں رہے حضرت امام مالک سے پڑھتے رہے۔ جب عراق میں آئے امام محمد بن حسن
 شاگرد حضرت امام اعظم سے استفادہ کیا۔ آپ کی ولادت بمقام غزہ یا عسقلان یا بقول دیگر مناور
 ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

امام شافعی تیرہ سال کی عمر میں حرم میں کہہ رہے تھے: سلونی بما شئتم۔ جو چاہتے ہو مجھ سے
 پوچھو۔ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ امام احمد بن حنبلؒ جنہیں تین ہزار احادیث
 یاد تھیں آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے اور آپ کی ناشیبہ برداری میں راحت
 محسوس کرتے تھے۔ لوگوں نے ایک بار آپ سے کہا: آپ بایں علم و فضیلت ایک نیچے کے سامنے

زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں اور شاخ و اساتذہ کی صحبت ترک کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا جو چیز ہیں یاد شافعی ان کے معنی جانتا ہے۔ فقہ کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے کھول دیا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رساتاب کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دریافت فرمایا، بیٹا تمہارا یہ حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے کمترین غلاموں میں سے ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلا کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ اللہ کی برکات تجھے نصیب ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی انگشتری انار کر مجھے پہنا دی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علوم مجھے نصیب ہوئے۔

حضرت امام شافعی کی والدہ زاہدہ، مادہ اور امینہ تھیں۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے سپرد کر جاتے ایک دفعہ دو آدمی آئے۔ ایک صندوقچہ جمال و سامان کا بھرا ہوا تھا آپ کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور وہ صندوقچہ لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا بھی آیا اور صندوقچہ لے گیا۔ تو حضرت بی بی نے بتایا کہ تمہارا ساتھی لے گیا ہے۔ اس نے کہا کہ دونوں کی حاضری کے بغیر آپ نے ایک شخص کو کیوں دے دیا۔ حضرت شافعی جن کی عمر پندرہ سال تھی آگئے۔ مارا واقعہ سننے کے بعد والدہ ماجدہ سے کہنے لگے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ مدعی سے آپ نے پوچھا کہ صندوقچہ دیتے وقت آپ لوگوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم دونوں آئیں تو امانت دی جائے۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوست کو ہمراہ لے آؤ تاکہ صندوقچہ دونوں کو دیا جائے۔ جب تکتم دونوں اکٹھے نہیں آؤ گے صندوقچہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ مدعی متحیر ہو کر چلا گیا۔

ہارون الرشید ایک رات اپنی بیگم زبیدہ سے الجھ پڑا۔ زبیدہ نے ہارون کو دوزخی کہہ دیا۔ ہارون نے کہا: اگر میں دوزخی ہوں تو تمہیں طلاق ہو گئی۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے طہید ہو گئے۔ زبیدہ ہارون کی محبوب بیوی تھی اور ہارون پر دل و جان سے فدا تھی۔ چنانچہ دونوں اس اتفاقیہ تلخ کلامی سے ایک جدائی میں مبتلا ہو گئے۔ ہارون نے علماء بغداد کو جمع کر کے اس سلسلہ کا حل دریافت کیا اور فتویٰ چاہا کہ زبیدہ اس پر ملال ہو جائے۔ علماء کے لیے کوئی جواب نہ تھا اور کہا کہ خدا نے عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ ہارون دوزخی ہے یا جنتی! اس مجلس سے ایک بارہ سالہ لڑکا اٹھا اور اس نے کہا، میں جواب دوں گا۔ علماء و امراء اس کی اس جرأت پر حیران رہ گئے۔

اور کئے گئے قہر دیرانے ہو۔ لیکن ہارون الرشید نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا اگر ہو سکتا ہے تو جواب دو۔ یہ لڑکا امام شافعی تھے۔ حضرت امام شافعی نے غلیفہ کو کہا۔ چونکہ آپ سائل ہیں اس لئے تحت سے نیچے آجائیں اور مجھے تحت پر بٹھادیں۔ علماء و اشراف انبیاء ہوتے ہیں اور جانشین رسول ہیں ہارون تخت سے اتر آیا اور امام شافعی تخت نشین ہو گئے۔ ہارون نے ایک سائل کی حیثیت سے مسئلہ بیان کیا۔ حضرت امام شافعی نے کہا، جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح جواب دیا جائے اور جھوٹ قطعاً نہ لایا جائے۔ اب تم اپنی زندگی پر نظر دوڑا کر بتاؤ کبھی تم معصیت پر قادر ہو کر خوفِ خداوندی سے ڈر کر رک گئے ہو۔ ہارون نے کہا، ہاں ایک دفعہ بغداد کے ایک امیر کی ایک خوبصورت اور جوان سال لڑکی میری توجہ کا مرکز بنی، اسے میرا کچھ خیال نہ تھا۔ ہزار ہاجیل و مکر کے بعد میں نے اسے طلب کر لیا اور تحلیل میں لے جا کر اظہارِ مدد کیا۔ جب وہ بھی آمادہٴ زنا ہو گئی تو میں خدائے غف سے کانپ اٹھا اور اس عورت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت شافعیؒ فرمانے لگے، اگر تم اس واقعے میں پتھے ہو تو میں فتوے دیتا ہوں کہ تم دوزخی نہیں جنتی ہو۔ اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس کا مذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس فتویٰ کو سنتے ہی علماء مجلس نے شور برپا کر دیا کہ آپ کس دلیل سے یہ فیصلہ دے رہے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

و اما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى۔
لوگوں نے پوچھا کہ ہارون کے سپاہیوں نے کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ واقعی حلفا بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید نے دوبارہ حلف اٹھایا اور اس واقعہ کی تصدیق کی۔ علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حضرت امام شافعیؒ کے زمانے میں دیگر مذاہب کے بعض علماء نے علمائے اسلام سے مناظرہ شروع کر دیا۔ بغداد میں بت بڑا اجتماع ہوا۔ دیرائے دجلہ پر بحث و مناظرہ شروع ہوا۔ حضرت امام شافعیؒ جو علمائے اسلام کی طرف سے آئے ہوئے تھے دیرائے دجلہ کے پانی پر مصطفیٰ پکھا کر بیٹھ گئے اور کہا، غیر مذاہب کے جو علماء بحث کرنا چاہتے ہیں میرے سامنے آکر بیٹھ جائیں۔ مگر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی۔ تمام شرمسار ہو کر چلے گئے۔ آپ کی وفات بروز جمعہ ماہ رجب ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوارِ قرآن مہر میں ہے۔

سالِ تحریلِ آں یگانہ بگو سدرِ اصحابِ زمانہ بگو
حبیبِ انبیاءِ کرم رقمِ ہم سالِ وصل او کہ ذاتِ لوا امام و مقتدا ہوں ماں آید

۱۴۔ حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ

امیرِ انبیا عشرینؑ امام ہیں۔ کنیت ابو الحسن، لقب رضا اور ولادت مدینہ پاک میں ہوئی۔ ولادت ۱۵۲ھ بعد از وفات حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ تاریخِ نکاحوں نے آپ کی والدہ کا نام تخمینہً شامتہ ام النبیین اور استقراد لکھا ہے۔ وہ حضرت کاظم کی والدہ بی بی حمیدہ کی کینزِ کنہیں۔

ایک رات حضرت حمیدہؑ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا: اپنی کینزِ کنہیہ کو اپنے بیٹے موسیٰ کے نکاح میں دے دو۔ اللہ اس سے ایک ایسا بیٹا دے گا جو روئے زمین کے بہترین انسانوں سے ہوگا۔

حضرت رضا کی والدہ سے یہ روایت منسوب ہے کہ جب رضا میرے پیٹ میں تھے مجھے کوئی بوجھ یا گرائی محسوس نہیں ہوتی تھی اور خواب میں مجھے اپنے پیٹ سے تسبیح کی آواز سنائی دیتی تھی بعض اوقات میں ہڈ بایا کرتی تھی۔ جونہی میں بیدار ہوتی کوئی آواز نہ سنئی۔ حضرت رضا نے ولادت کے وقت اپنے ہاتھ زمین پر رکھ لئے اور نگاہ آسمان کو کر دی اور پلٹے ہوئے لبوں سے دعا جاری تھی۔

خلیفہ مامون نے حضرت رضا کو اپنا ولی مہد مقرر کیا۔ جب آپ دربار میں جاتے تو خلیفہ کے امراء اور ایمان استقبال کو کھڑے ہو جاتے اور جو پردہ خلیفہ کے تخت کے ساتھ آویزاں ہوتا، اٹھا دیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض درباریوں نے حسد و بغض کی وجہ سے نفرت کے طوفان برپا کر دیئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کے بعد آپ کا استقبال نہ کیا جائے اور نہ ہی پردہ اٹھایا جائے۔ لیکن دوسرے روز جب حضرت امام تشریف لائے تو امرائے دربار اٹھے اور پردہ بھی اٹھا دیا گیا۔ امام صاحب کے اندر جانے کے بعد انہیں احساس ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا

شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آئندہ کوئی نہ اٹھے۔ لیکن پھر آپ کے آنے پر اٹھے اور سلام کیا مگر پردہ اٹھانے میں توقف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو بھیجا جس سے پردہ اٹھ گیا اور امام صاحب اندر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو پھر ہوا سے پردہ اٹھا۔ امراد و بار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو قائل ہو گئے کہ امام اللہ کے عزیز ہیں۔ ہمارے ذیل کرنے سے آپ ذیل نہیں ہو سکتے۔ مجبوراً رسم دوبار کے مطابق عمل کرنے لگے۔

امام رضا کی ولیعہدی کے دوران ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مامون الرشید کے بعض وزراء جو خاندان نبوت سے نفیر رکھتے تھے۔ خلیفہ کو کہنے لگے جس دن سے آپ نے انیس ولیعہد مقرر کیا ہے اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ یہ بات خلیفہ کو بڑی ناگوار گزری اور آپ سے طلب نزول باران رحمت کی۔ آنحضرت دما کے لئے اتوار کو ایک صحرا میں کل پڑے۔ ایک عظیم اجتماع میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اسی وقت بادل بگھر کر آئے اور لوگ دوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف چلے مگر حضرت نے فرمایا، لوگو! رک جاؤ۔ یہ بادل تو فلاں شہر کے ہیں، یہاں نہیں برسیں گے۔ تھوڑے توقف کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ پھر بادل آئے مگر آپ نے لوگوں کو کہا، یہ بادل فلاں علاقے کے لئے ہیں۔ چنانچہ دس بار اسی طرح ہوا۔ گیارہویں بار جب بادل آئے تو آپ نے فرمایا، یہ بادل تمہارے لئے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ بادل اس وقت تک نہ برسیں گے جب تک تم گھروں میں محفوظ نہ ہو جاؤ گے۔ آپ خود بھی منبر سے اترے اور اپنی جگہ پر پہنچے۔ جب تمام لوگ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو باران رحمت کا نزول ہوا حتیٰ کہ ایسی بارش پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

مامون الرشید کا ایک مقرب ولی عہدی کی متبادل میں اور حد و بغض کا بوجھ لئے مامون الرشید کو کہنے لگا کہ آپ نے جو عباس کے خاندان سے خلافت علیحدہ کر کے حضرت علی کے گھر میں بھیج دی ہے حالانکہ یہ لوگ عباسیہ کے بڑے بدخواہ ہیں۔ باویہ گنامی کے گناموں کو از سر نو شہرت دے دی ہے اور ہم لوگوں سے ان لوگوں کے مراتب بلند کر دیئے ہیں۔ یہ بات بلند ہمتی، دلادری اور انصاف سے بڑی بعید ہے۔ اگر یہ کام اچھا ہوتا تو آپ کے آباؤ اجداد ہی کہیتے۔ مامون نے بتایا کہ علی رضا کی ولیعہدی میری محبت اور الفت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ

عوام میں میڈکرائٹیں خلافت و بیعت پر آمادہ کرتے تھے۔ میں نے اسے اپنا ولی عہد بنا دیا تاکہ وہ لوگوں کو میری طرف دعوت دیتا رہے اور میری خلافت کا اعتراف بھی کرتا رہے اور خاندان عباسی کی عداوت سے علیحدہ رہے۔ مجھے خط و کتابت یہ کوئی نیا فتنہ پیدا نہ کر دے جس کا انداد میرے لئے مشکل ہو جائے۔ لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ لیکن اب میں نے اسے نوازا ہے۔ اور اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ اب یہ چارہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے اثر و رسوخ کو کم کر دیا جائے تاکہ عوام خود معلوم کر لیں کہ یہ ولیعہد ہی کے لائق نہیں ہیں اور اس طرح معطل کر دیا جائے۔ اس شخص نے کہا: آپ اطمینان رکھیں میں اسے جمع عام میں شرمسار کر دوں گا اور وہ خود بخود اپنی راہ لے گا اور بغداد میں وہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔ ان کے متبعین کو بھی طمع لالچ دے کر اس سے علیحدہ کر لوں گا اور آپ کے دربار میں حاضر کروں گا۔ جب تنہا رہ جائے گا تو یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا اور کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا قید خانہ میں جان دے دے گا۔

ایک دن حضرت امام خلیفہ مامون کے پاس تشریف لائے اور اپنی مسند پر آرام سے بیٹھے تھے کہ وہ بدخواہ اور حاسد بھی آگیا اور آپ کو مخاطب کر کے بولا: اے ابن موسیٰ! میں نے سنا ہے کہ تمہارے معتقدین اور مریدین بارانِ رحمت کے برسنے پر تمہاری کرامت پر بڑا فخر کرتے ہیں اور تعریف کے قلابے ملا رہے ہیں اور آپ کا مقام پیغمبروں سے بھی بلند جانتے ہیں حالانکہ تم نے (مامِ مسلمانوں) توسل سے دعا بارانِ رحمت کی۔ اس طرح بادل برسا۔ اندریں حالات تم تنہا اس کرامت کے مستحق نہیں جو جبکہ تمام مسلمانانِ بغداد کا حصہ ہے۔ ان نااہلوں کو اس حرکت سے روکنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ تمہارے لحاظ سے کسی کو کچھ نہیں کہتے اور تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمانِ شہرت پر لا رکھا ہے۔ اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا ہے۔ یہ حقوق کا صلہ ہے جو تم دے رہے ہو کہ امیر المؤمنین کے عہد خلافت میں تمہارا رتبہ خلیفہ وقت سے بلند کیا جا رہا ہے۔

حضرت امام نے یہ تمام تفصیل سننے کے بعد فرمایا: میں ان باتوں سے منع تو نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں نعمتِ خداوندی کے شکرانے سے روکتا ہوں۔ یہ ولی عہد کا جو ذکر کیا جا رہا ہے اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے۔ بادشاہ مصر نے انہیں خود ولیعہد بنایا تھا اور دنیا میں خدا کے نزدیک جو تہ تھا، عزیزِ مصر بھروسے کم نہیں ہوا تھا۔ وہ حاسد اس دندان شکن جواب سے

برافروختہ ہو گیا اور کہنے لگا: ابن موسیٰ اتم اپنی حدود سے تجاوز کرتے جا رہے ہو اور اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ سے ملتا رہے ہو، حالانکہ یہ معمولی سی کرامت جو مام مسلمانوں کی دُعا سے ظاہر ہوئی ہے اس قدر بلند بائگ و دعویٰ کر رہے ہو۔ اگر تم اتنے ہی صاحب کرامت ہو تو خلیفہ کے دربار میں کبھی جوئی تالین پر شیروں کی تصویر کو زندہ کر کے دکھاؤ اور انہیں مجھ پر مسلط کرو۔ اُریسا کرو تو یہ کرامت اور معجزہ ہو گا۔

اس بد گفتار کی یہ گفتگو سنتے ہی حضرت امام رضا جلال میں آگئے اور غضب ناک ہو کر ان شیروں کو لٹکا رہا اور کہا: اس کذاب اور ابلہ بیت کے دشمن کو کچڑ لو اور اپنا تر نوالہ کر لو۔ حکم ملتے ہی وہ دونوں تصویریں شیر بن کر جھپٹیں اور شہنشاہ ولایت کے اس بدگو کو اپنے خونیں پنجوں میں دبوچ لیا اور اس کی ہڈیاں توڑ ڈالیں اور اس کی ہڈی اور گوشت چبا گئے۔ خون کے قطرے جو فرش پر گر گئے تھے، چاٹنے لگے۔ خلیفہ مامون یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گیا اور زمین پر گر گیا۔ جب دونوں شیر اس کام سے فارغ ہوئے تو امام کی پابوسی کے لیے آئے اور زبانِ عالی سے کہنے لگے اگر آپ حکم فرمائیں تو اس نادر خلیفہ کو جو ظاہر میں آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے مگر دلی طور پر دشمن اہل بیت ہے کیفر کراؤ تک پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی مطلوب ہے کیونکہ ایک عظیم کام اس سے لینا ہے تم جس طرح تھے اسی طرح ہو جاؤ۔ چنانچہ دونوں بہادر گرجھو کے شیر اپنی اصل حالت پر چلے گئے اور شیر تالین بن گئے۔ حضرت نے عطر و گلاب ... کیا اور خلیفہ کے منہ پر چھڑکا۔ جب خلیفہ ہوش میں آیا تو خوف و ہراس کی بنا پر اس نابکار کے حال ... سے قطعاً دریافت نہ کیا۔

ایک نے روایت کی ہے: میں کوفہ سے خراسان کو روانہ ہوا تو میری بیٹی نے مجھے ایک چادر دی کہ اسے بیچ کر میرے لیے ایک فیروزہ لیتے آئیں۔ میں جب مرو میں پہنچا تو حضرت موسیٰ رضا کا ایک غلام میرے پاس آیا کہ امام صاحب کا ایک خادم وفات پا گیا ہے۔ تمہارے پاس ایک چادر ہے اگر فروخت کر دو تو ہم اس کا کنن بنالیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چادر نہیں۔ تھوڑے سے عرصے کے بعد وہ غلام دوسری بار آیا تو اس نے آکر کہا: امام محترم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا کہ تمہارے پاس وہ چادر ہے جو آپ کی بیٹی نے دی تھی تاکہ فیروزہ خرید سکے۔ چادر کی قیمت یہ لو اور

چادر دے دو۔ میں یہ بات سن کر حیران رہ گیا کیونکہ اس واقعہ کا میرے اور لڑکی کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں نے چادر اس کے حوالے کر دی اور سوچا کہ یہ شخص باطنی علوم سے واقف ہے کہوں نہ اس سے چند مسائل دریافت کر لوں۔ مسائل ایک کاغذ پر لکھ کر حضرت امام کے دروازہ پر حاضر ہو گیا لیکن عوام کے جھوم کی بنا پر زیارت نہ کر سکا چہ جائیکہ مسئلہ دریافت کرنا۔ ناگاہ ایک غلام اندر سے آیا اور میرا نام دریافت کر کے ایک کاغذ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تمہارے مسائل کا جواب ہے۔
 بناج کے علاقہ کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد حایاں میں تشریف فرما ہیں۔ کھجور کے درخت کا ایک طبق بنا کر اس میں کھجوریں رکھی ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو اپنے چند کھجوریں مجھے بھی عنایت فرمائیں جب میں نے انھیں گنا تو سترہ کھجوریں تھیں۔ اس خواب کی تعبیر مجھے یوں آئی کہ اب میں سترہ سال اور زندہ رہوں گا۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام موسیٰ بن رضا قصبہ بناج میں تشریف لائے اور اسی مسجد میں رونق افروز ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تھا۔ کھجوروں کا ایک طبق اسی طرح آپ کے سامنے پڑا ہے۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے بڑی شفقت سے چند کھجوریں دیں جنھیں گنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر خواب راستا ہے زیادہ دیتے تو مجھے کوئی مضائقہ نہیں تھا اب میں آپ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

حضرت امام موسیٰ رضا کے غلام نے روایت کی ہے کہ ایک دن ریان بن ابی الصلت آپ کے در آندکس پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری دلی خواہش ہے حضرت مجھے اپنے لباس کے دو کپڑے اور چند سکے جن پر آپ کی مہربان مرحمت فرمائیں۔ میں نے حضرت سے اجازت طلب کی ابھی سخن زبان پر نہیں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ ریان چاہتا ہے کہ یہاں اگر دو کپڑے اور چند سکے لے۔ اسے لے آؤ اور دو کپڑے اور تیس درہم دے دو۔

ایک دفعہ ایک تاجر کو قزاقوں نے کرمان کے پاس بر فانی گھاٹیوں میں پکڑ لیا اور اس کا منہ برف سے بھر دیا اور مال و دولت لوٹ کر لے گئے۔ برف کی شدید سردی سے اس کی زبان بیکار ہو گئی اور بات نہ کر سکتا تھا۔ وہ خواہ سان میں آیا تو اسے خبر ہوئی کہ حضرت موسیٰ رضا

نیشاپور میں تشریف فرما ہیں۔ دل میں کہنے لگا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ آپ کی خدمت میں جاؤں شاید کوئی علاج بتائیں۔ رات خواب میں دیکھا۔ گویا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا علاج کوئی اور سقرہ ملخ ہے۔ ان تینوں کو پانی میں بھگو کر دو تین بار زبان پر رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ تمغیا ب ہو جاؤ گے۔ جب بیدار ہوا تو خواب کا اعتبار نہ کیا اور نیشاپور جا پہنچا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ابھی بات نہیں کی تھی کہ آپ نے فرمایا: تمہاری زبان کا علاج تو وہی ہے جو خواب میں بتایا گیا تھا۔ میں نے گزارش کی کہ ایک بار اور فرما دیجئے آپ نے فرمایا: کوئی اور سقرہ ملخ — ان تینوں کو پانی میں بھگو کر زبان پر رکھو، بحکم خدا شفا ملے گی۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ شفا یاب ہو گیا۔

ایک شخص سندھ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا، سندھی میں بات کرتا تھا آپ نے بھی سندھی میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ اس نے گزارش کی کہ مجھے عربی نہیں آتی ان شاء اللہ عربی سیکھ لوں گا۔ آپ نے دست مبارک اس کے ہونٹوں پر پھیرا تو وہ اسی وقت فصیح عربی میں گفتگو کرنے لگا۔

ایک دن حضرت امام اپنے صحن میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا آپ کے قدموں میں آگری۔ اور لوٹ پوٹ ہو کر فریاد کرنے لگی۔ آپ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ چڑیا کہہ رہی ہے کہ اس کے گھر میں سانپ ہے اور اس کے بچوں کو کھانا چاہتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جلدی سے سانپ کی تلاش کرو اور سانپ کو مار دو۔ ایک خادم اٹھا اور حجرہ میں گیا۔ دیکھا کہ ایک خونخوار سانپ چھت پر ٹنک رہا ہے، اسے پکڑا اور مار دیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، میری بیوی حاملہ ہے، دعا فرمائیں، اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی کے پیٹ میں تو دو بچے ہیں وہ شخص گھر گیا تو چند دن گزرنے کے بعد اس کے دو بچے ہوئے۔ اس نے چاہا کہ ایک کا نام محمد رکھوں اور دوسرے کا علی۔ آپ نے زور سے کہا، نہیں نہیں، ایک کا نام علی رکھو اور دوسرے بچے کا نام ام عمر! یعنی ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے، آنحضرت کی وفات کا واقعہ شواہد النبوت میں یوں قلمبند

کیا ہے۔ آپ کا خادم خاص ابوالصلت بیان کرتا ہے کہ ایک دن امام ذہبی الاکرام علی بن
 موسیٰ رضا کھڑے تھے۔ مجھے فرمانے لگے کہ تم ہارون کی قبر کے گنبد کے پاس چلے جاؤ اور اس کے
 چاروں طرف سے مٹی لیتے آؤ۔ میں گیا اور مٹی لے آیا۔ آپ نے سونگھ کر پھینک دی اور کہا دیکھنا
 مجھے یہاں ہرگز دفن نہ کرنا۔ یہاں ایک پتھر ظاہر ہو گا۔ جو سنہ شکن ہتھیار بھی لایا جائے گا پتھر کو
 توڑ نہیں سکے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: فلاں مقام سے مٹی اٹھاؤ۔ میں گیا تو لے آیا اور فرمایا کہ
 میری قبر اس جگہ بنانا اور میرے دفن کرنے کے وقت تم یہاں حاضر رہنا اور لوگوں کو کہنا کہ سات
 درہے نیچے لے جائیں اور قبر کے درمیان شق کریں۔ اگر وہ چھوڑ دیں تو پھر کہنا کہ غد بنائیں۔
 دفن سے پہلے میرے سر کی جگہ سے پانی کا چشمہ نکلے گا۔ یاد رکھو جس کلام سے میں تم سے بات
 کر رہا ہوں اسی کلام سے وہاں کلام کرنا۔ پانی جو شمس مارے گا اور ساری غد پانی سے بھر جائے گی
 اور پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی نظر آئیں گی۔ یہ ردی ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کو کھلا دینا۔
 پھر ایک بہت بڑی مچھلی ظاہر ہوگی۔ وہ چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائے گی۔ جب ساری مچھلیاں
 گم ہو جائیں گی، پانی پر ہاتھ رکھنا اور یہ کلام پڑھنا۔ پھر پانی کم ہو جائے گا اور لمحہ خشک ہو
 جائے گی لیکن یہ تمام باتیں مامون الرشید کے سامنے کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا، ابوالصلت
 کل میں مامون کے سامنے جاؤں۔ جب میں وہاں سے باہر آؤں گا میرے سر پر کوئی چیز نہیں
 ہوگی۔ پھر میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ اگر میرے سر پر کوئی چیز ہوئی تو میرے ساتھ باتیں
 کرنا۔ جب رات گزر گئی، صبح ہوئی تو آپ نے نئے کپڑے زیب تن کئے اور انتظار کرنے لگے۔
 حتیٰ کہ مامون کا ظلام آپ کو بلانے کو آگیا اور آپ کو مامون کے پاس لے گیا۔ اس وقت مامون کے
 سامنے تازہ انگوروں کے طبق پڑے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ایسا انگور پہلے دیکھا ہے؟
 آپ نے فرمایا: ان انگوروں سے اچھے انگور بہشت میں ہیں۔ مامون نے کہا کہ یہ انگور کھاؤ۔
 آپ نے فرمایا: مجھے معذور سمجھیں۔ مامون نے بڑی تعریف کی۔ کیا آپ میرے دل کو توڑ
 رہے ہیں یہ کہہ کر ایک خوشہ خود اٹھا کر کھانے لگا۔ باقی کے حضرت کو دے دیئے۔ آپ نے
 تین دانے کھائے اور باقی کے دانے پھینک دیئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ مامون نے کہا:
 آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جہاں آپ نے بھیجا ہے۔ کوئی چیز سر پر پہن لی اور

اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں، مامون نے ان انگوروں میں زہر ملا دیا تھا اور حضرت امام کو کھلا دیئے۔ تین دنوں کے بعد اس نے خود کھانے و ذرے خالی تھے۔ چونکہ مجھے ہدایت تھی جب میں نے سر پر کچھ پہنا تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے گھر پہنچ کر فرمایا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود بستر پر لیٹ گئے۔ میں مکان کے صحن میں پریشانی کے عالم میں پھرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اندر سے نکلا جو شکل و شبہ بہت سے حضرت سے ملتا جلتا تھا۔ میں دوڑ کر قریب گیا اور پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا: مجھے ابھی ابھی مدینہ سے بلایا گیا ہے اور میں بارہ اماموں میں سے ہوں۔ میں نے نام پوچھا تو آپ نے بتایا میرا نام حجتہ الاسلام محمد تقی بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ۔ پھر والد محترم کے پاس آیا۔ خود چلے گئے اور مجھے نہیں لے گئے۔ جب امام نے اسے دیکھا تو وہ اٹھے، گلے لگایا اور دو آنکھوں کے پاس بوسہ دیا اور اپنے بستر پر بٹھالیا اور لیٹ گئے۔ وہ والد محترم کی طرف منہ کر کے بعض رازدارانہ باتیں کہنے لگا۔ اس وقت میں نے حضرت امام کے لبوں پر جھاگ دیکھی، جو برف سے بھی زیادہ سفید تھی۔ محمد تقی اسے چاٹ رہے تھے اور ہاتھ باپ کے سینہ پر رکھے ہیں۔ پیرا بن کے اندر پھیر رہے ہیں اور کوئی چیز چڑیا کی طرح نکالی اور دیکھتے دیکھتے حضرت امام رضا و اصل جی ہو گئے۔ امام محمد تقی نے فرمایا: اے ابوالصلت اٹھو اور پانی لاؤ اور ایک تختہ لیتے آؤ۔ میں نے عرض کی کہ اس وقت پانی ہے نہ تختہ۔ آپ نے فرمایا: ہے۔ میں اٹھا، پانی بھی مل گیا۔ یہ پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا اور صندلی کڑی کا ایک تختہ بھی پڑا تھا جس سے میرا دماغ معطر ہو گیا۔ اٹھا کر لے آیا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو غسل دیا۔ میں نے چاہا کہ مدد کروں مگر آپ نے فرمایا میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو مدد کر رہے ہیں، تمہاری ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اندر جاؤ، ایک صندوق پڑا ہے اس میں کفن پڑا ہو گا۔ میں باہر گیا تو صندوق مع کفن لے آیا۔ چنانچہ اسی کفن میں تکفین کی گئی اور نماز جنازہ ادا کی۔ پھر مجھے فرمایا کہ تابوت لے آؤ۔ میں نے عرض کی: اگر حکم ہو تو کسی ترکھان کو لے آؤں تاکہ تابوت تیار کر لے۔ پھر فرمایا کہ توشہ خانہ میں جاؤ۔ وہاں تابوت پڑا ہے۔ میں گیا تو وہاں تابوت پڑا تھا۔ ایسا تابوت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اٹھا کر لے آیا۔ آپ کی نعش پاک کو تابوت میں رکھ دیا گیا اور پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ابھی نماز جنازہ

مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تابوت اپنی جگہ سے اٹھا اور چھت کو پہنچا تاہوا آسمان کو اڑ گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے کہا، اے ابن رسول! مامون ابھی آ رہا ہو گا۔ اگر اسے تابوت نہ ملا تو کیا کہے گا۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو، تابوت ابھی واپس آ جائے گا۔ ایک گھنٹے کے بعد تابوت واپس آ گیا اور اسی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر نقش کو تابوت نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ تابوت اور کفن ساری چیزیں میری نظر سے غائب ہو گئیں۔ نقش یوں دکھائی دینے لگی کہ اسے ابھی تک غسل بھی نہیں دیا گیا۔ پھر کہا کہ اٹھو اور دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو مامون اپنے نلاموں کے ساتھ اندر داخل ہوا اور کمر و فریب سے رونے لگا اور امام وقت کے تجیز و کفین کی تیاری شروع کر دی۔ جس جگہ پہلے قبر کھودی گئی ایک سخت چٹان آئی۔ پوری کوشش کے باوجود بھی وہ چٹان ٹوٹ نہ سکی۔ وہاں سے بٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی گئی میں آنحضرت کی وصیت کے مطابق اسی قبر پر حاضر رہا۔ جب لحد تیار ہوئی تو قبر کے سر بانے سے پانی کی نمی ظاہر ہونے لگی۔ میں نے وہ کھات جو مجھے پڑھانے گئے تھے، پڑھے تو زمین سے پانی ابلنے لگا۔ لحد پر ہو گئی۔ اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آنے لگیں۔ میں نے روٹی کے ٹکڑے ان کے سامنے پھینکنا شروع کر دیئے۔ وہ کھانے لگیں پھر ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی اور ان ساری مچھلیوں کو کھا گئی اور پھر خود بخود غائب ہو گئی۔ پھر میں نے وہی کھات پڑھے تو پانی زمین میں دفن کیا اور لحد کی زمین خشک ہو گئی۔ گویا یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھتے ہی مامون کہنے لگا: علی رضا اپنی زندگی میں بعض عجائبات دکھایا کرتے تھے۔ آج موت کے بعد بھی وہی عجائبات نظر آ رہے ہیں۔ ایک شخص جو محب اہل بیت تھا کہنے لگا یہ اس بات کی علامت ہے کہ عباسی حکومت کا اسی طرح خاتمہ ہو جائے گا جس طرح ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا ہوا ہے اور وہ دنیا کے تھوڑے پانی میں مغرور ہیں۔ کوئی ایسا آدمی اس بڑی مچھلی کی طرح نمودار ہو گا جو اس سلطنت کو تباہ کر دے گا اور پھر نہ چھوٹی مچھلی رہے گی نہ بڑی۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ مامون نے کہا، تم سچ کہتے ہو۔ چنانچہ حضرت امام کو اسی قبر میں دفن کیا گیا۔

آپ کا مزار ولایت طوس قرب سنایا میں واقع ہے۔ آپ ۹۔ رمضان المبارک ۲۰۸ھ کو

فوت ہوئے۔ بعض تذکروں میں ۹۔ ماہ صفر ۲۰۳ھ اور ۲۰۵ھ اور ۲۰۹ھ بھی تحریر ہے۔

آل امام علی رضا موسیٰ قزویدی نبی و علی !
طالب عالی است تولیدش رحلتش گو امام دین نبی !
۱۲۰۲ھ

۱۸۔ حضرت محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ

کنیت ابو جعفر، ابو جعفر ثانی، لقب لقی اور جواد تھا۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی حیران یا ربکانہ تھا۔ یہ ماریہ قطیفہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ اثناعشرین فریب امام تھے۔ آپ مدینہ پاک میں بروز جمعہ ۱۰۔ رجب ۱۹۵ھ پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی پچیس سال ہی تھی کہ آپ کے علم و فضل کا مشہور دنیا کے اسلام میں پھیل گیا اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچنے لگا۔ چونکہ ماموں کے ماتھے پر امام موسیٰ رضا کے قتل کا داغ بدنامی نمایاں تھا اس نے اس بدنامی کے داغ کو دھونے کے لیے اپنی بیٹی ام الفضل کو آپ سے بیاہ دیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہ ہر سال کے خرچہ کے لیے ایک ہزار دینار بھی دیتا تھا۔

آنحضرت ایک بار گیارہ سال کی عمر میں شہر کی ایک گلی میں چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاقاً ماموں شکار کے لیے باہر جا رہا تھا اسے دیکھ کر سارے لڑکے بھاگ گئے مگر آپ کھڑے رہے۔ جب ماموں نزدیک سے گزرا تو آپ کو دیکھا اور تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھنے لگا: بیٹا! تم دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگ گئے؟ آپ نے فرمایا: راستہ تنگ تو نہیں کہ میرے ٹھہرنے سے آپ کو گزرنے میں تکلیف ہو۔ نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر بھاگ اٹھا۔ میرا حسن ظن بھی یہ ہے کہ آپ بلا وجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ماموں ان باتوں سے بہت خوش ہوا اور آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتایا: محمد ابن علی رضا۔ چنانچہ واپسی پر ماموں اسی راستے سے گزرا تو آپ کے لیے ایک شکاری باز چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد ظاہر ہوا تو اس کے پنجے میں ایک نیم جان مھلی تھی۔ ماموں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسے اپنے ماتھے سے پکڑ کر واپس آ گیا۔ جب آپ کے پاس آیا تو آپ کو

پوچھنے لگا، محمد یہ کیا بات ہے کہ باز پھیل پڑ کر لا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ اللہَ یُشِیتُ
 فی بحرِ قدرِ تہ سحکا صغارا تصدھا بذاتہ الملوک والمخلفا فی حشرِون بہا سلالۃ اہل
 النبوت۔ جب ماموں نے یہ بات سنی تو کہنے لگا۔ واقعی آپ ابن الرضا ہی ہیں۔

جب ماموں نے اپنی بیٹی ام الفضل کو حضرت امام کے نکاح میں دے کر مدینہ روانہ کر دیا۔
 تو آپ راستے میں چند روز کوہ میں ٹھہرے۔ آپ کے قیام کا آخری دن تھا کہ آپ ایک مسجد میں
 تشریف لائے جس کے صحن میں بیری کا ایک درخت تھا۔ اس پر کبھی بھی پھل نہیں لگا تھا آپ نے
 پانی کا ایک کوزہ طلب کیا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی پی کر باقی درخت کی جڑوں پر چڑھ گیا
 اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اس درخت کے پاس آئے ہی تھے کہ
 وہ پھل سے بھرا پڑا تھا۔ یہ پھل میٹھا بھی تھا اور بغیر گھٹلی کے بھی۔ لوگ اسے بڑے شوق سے
 تبرک سمجھ کر لے جاتے۔

صاحب التواہد النبوت (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے ایک شخص نے روایت
 کی ہے کہ میں ایک دفعہ عراق میں ایک ایسے آدمی کے متعلق سنا جس نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا اور
 اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ میں بھی اسے دیکھنے گیا اور دربان کو اطلاع دے کر اس کے
 پاس پہنچا، وہ ایک فہیم، ذہین اور باہوش آدمی نظر آتا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ
 تمہارے ساتھ کیا ماجرا ہوا۔ اس نے بتایا کہ میں تمام میں عبادت خداوندی میں مشغول تھا۔
 جس مسجد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر رکھا گیا اس میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک
 رات میں یادِ اہل میں مشغول رہو بہ قبلہ بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا: اٹھو۔ میں اٹھا
 اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے کوہ فی کی ایک ایسی مسجد میں لے گیا جہاں حضرت علی کرم اللہ
 وجہہ امامت کرایا کرتے تھے۔ اس نے مجھے پوچھا: جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔ میں نے کہا:
 یہ کوہ فی مسجد ہے۔ وہ نماز میں مشغول ہوا اور میں بھی نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ہم اس
 مسجد سے نکل کر شہر سے باہر آ گئے اور تھوڑے ہی وقت میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ
 گئے۔ اس مسجد میں بھی دو رکعت نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے اور چند قدم اٹھانے کے بعد ہم نے
 اپنے آپ کو بیت اللہ میں دیکھا، وہاں نماز ادا کی اور جب بیت اللہ شریف سے باہر آیا تو وہ

غائب تھا۔ میں اس واقعہ سے بڑا ہی متعجب ہوا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ یہ شخص کون تھا اور کہاں سے آیا۔ جب اسی حالت میں ایک سال گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ اسی وقت اور اسی مقام پر رات کے وقت وہی شخص آیا اور مجھے ساتھ لے لیا اور گزشتہ سال کی طرح مجھے اُن مقامات سے گزارتا گیا۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو میں نے اسے قسم دی کہ اپنا نام و پتہ تو بتا جاؤ۔ اس نے کہا: میرا نام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر امام ہے۔ صبح ہوئی تو میں نے بعض لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رفتہ رفتہ یہ واقعہ حاکم وقت نے بھی سنا اور مجھے دعوت نبوت کے الزام میں قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ دراصل میں غلطی پر ہوں کہ رازدارانِ خدا کے ازلوں کو نشانیکھتا رہا ہوں۔ یہ بات سن کر میرے دل میں بڑا رحم پیدا ہوا اور میں نے حاکم وقت کو ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ جو شخص ایک رات میں کوفہ سے مدینہ اور مدینہ سے بیت اللہ ہو کر واپس آیا ہے اسے کہیں کہ وہی لوگ اسے قید و بند سے بھی نجات دلا دیں۔ مجھے اس خبر پر سے بڑا دکھ ہوا اور میں مغموم ہو کر اٹھ کھڑا آیا تاکہ اسے رقعہ کے جواب سے آگاہ کروں۔ میں جیل کے دروازے پر پہنچا تو تمام پہرہ دار اور سپاہی پریشان نظر آئے۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ دعویٰ نبوت کرنے والا قیدی گم ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں چل رہا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔ آپ نے وفات سے تیس ماہ پہلے اپنی وفات کی تاریخ کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ فلاں نیک انسان نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کے جسم کے کپڑے مانگے ہیں تاکہ اپنا کفن بنا سکے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب وہ شخص میرے کپڑوں کے کفن سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ امام کی اس بات سے وہ شخص کچھ نہ سمجھا مگر اس نے اس شہر میں پہنچ کر سنا کہ وہ نیک آدمی کئی دن سے واصلِ جنت ہو چکا ہے اور اسے دفن کر دیا گیا ہے۔

آپ کے احباب میں سے ایک شخص سفر کی تیاری میں مشغول تھا اور آپ کے پاس سلام الوداع کہنے آیا۔ آپ نے فرمایا، آج جانے کا دن نہیں ہے اس لیے آج ٹھہراؤ۔ وہ اپنے شہر سے روانہ ہو کر ایک دوسری جگہ جا ٹھہرا۔ اتفاقاً اس رات ایک سیلاب آیا جس سے وہ

غرق ہو گیا۔

مامون کی وفات کے بعد جب تمبیل ماہ گزرے۔ تباریخ ششم ماہ ذوالحجہ ۲۲۱ ھ معصم باللہ کے زمانہ اقتدار میں زہر لالی کے صدمہ سے فوت ہوئے۔ یہ زہر معصم باللہ کے حکم سے دیا گیا۔

سال وصلش اگر کنی تحقیق بہت ظاہر ز زاید صدیق
سال ترحیل اس شد عظم بہت مہدی ہادی عالم

۱۹۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد۔ ابو عبد اللہ ہے۔ نام محمد اور احمد بن حنبل تھا آپ ائمہ اربعہ میں سے امام چہارم تھے۔ آپ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت باقوال مختلف ۶۴ ھ یا ۶۵ ھ میں ہوئی۔ پہلے قول کو ہم مستند مانتے ہیں۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی تھی۔ دوالنون مصری، بشر حافی، سری سقطی اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم آپ کے زمانہ کے بہت بڑے معروف بزرگ تھے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل کی تین خصلتیں ہیں جو مجھے نہیں ملیں۔ اول طلب حلال برائے اہل دیال۔ ہم طلب حلال محض اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ علم وحقی میں مشغول ہیں۔ میں صرف بحق مشغول ہوں علم میں نہیں۔ وہ علم کی وجہ سے وارث پیغمبر خدا ہیں۔ میں صرف پیرو پیغمبر ہوں۔ آپ کے ایک شاگرد کی والدہ بیمار ہو گئی اور زندگی سے مایوس ہو گئی۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ امام صاحب کے پاس جاؤ اور میرے لیے دعائے شفا طلب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری التجارہ نہیں کریں گے۔ وہ شخص حضرت کے دروازہ پر پہنچا اور آواز دی۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ کہنے لگا، ایک محتاج سائل ہوں جس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے لیے دعا شفا کرانے آیا ہوں۔ آپ اٹھے، غسل کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم نے کہا: تم جاؤ! حضرت امام تمھارے کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ جب وہ گھر آیا تو ماں نے بسترِ علالت سے

اٹھ کر دروازہ کھولا اور بیٹے کو خوش آمدید کہا جیسے پہلے کبھی بیمار نہیں تھی۔

ایک دن امام محمد حشمہؒ آپ پر وضو کر رہے تھے۔ ایک اور شخص آپ کے اوپر کی طرف بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ از رو تحریر و تعظیم وہ اٹھا اور نیچے کی طرف آگیا۔ جب وہ آدمی فوت ہوا لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے بتایا: حرمتِ امام کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

امام احمد جب تک زندہ ہیں رہے بعد اذکی روٹی نہیں کھائی۔ کہا کرتے تھے: اس سرزمین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کر دیا تھا۔ اس کی ساری آمدنی غازیانِ اسلام کے لیے متقی اور تمام دولت موصل بھیجی جاتی تھی۔ حضرت موصل سے آٹا منگوا لیتے اور اسی آٹے کی روٹی کھاتے۔ آپ کے بیٹے صالح بن احمد ایک سال تک استغمان کے قاضی رہے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے۔ صائم الدبر اور قائم الیل تھے۔ اپنے مکان کے سامنے ایک کمرہ بنا رکھا تھا جہاں دن رات بیٹھتے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ کوئی فریادی اگر رات کے وقت بھی آئے، خالی نہ جائے اور انصاف سے محروم نہ رہے۔ وہ یہ کام محض خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا کرتے تھے۔ عمدہ قضا سے ملیدہ ہونے کے بعد والدِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک دن حضرت امام حنبلؒ کی روٹی کے لیے صالح کے باورچی خانہ سے خیر لیا گیا تو روٹی کھانے سے پہلے فرمانے لگے۔ کیا بات ہے آج روٹی سے خیانت کی بو آ رہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بیٹے صالح سے خیر حاصل کیا گیا تھا۔ آپ فرمانے لگے وہ ایک سال تک عمدہ قضا پر فائز رہے ہیں۔ ان کا خیر میری روٹی کے لائق نہیں۔ میں اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس روٹی کا کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: دروازے پر رکھ دو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بتا دینا اس روٹی میں خیر صالح کے گھر کا ہے۔ آٹا امام احمد بن حنبلؒ کا۔ اگر مرغی ہو تو کھاو ورنہ خیر۔ کہتے ہیں: چالیس دن تک کوئی سوالیہ نہ آیا اور روٹی پڑی رہی اور سوکھ گئی۔ آخر کار ملازمین نے وہ روٹی دیا لٹے دجلہ میں پھینک دی۔ جب آپ نے اس روٹی کے دجلہ برد ہونے کی خبر سنی تو اس دن سے لے کر موت تک دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی۔

عباسی سلطنت میں جب معتزلہ کا غلبہ ہو گیا تو ان لوگوں سے درباری احکام کے پیش نظر

امام احمد بن حنبل کو مجبور کیا کہ وہ بھی قرآن پاک کو مخلوق کہیں۔ جب آپ نے نہ کہا تو آپ کے دونوں ہاتھ کندھے پر باندھ دیئے اور خلیفہ وقت کے محل کے سامنے لائے۔ خلیفہ کے دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا: حضرت! میں چوری کیا کرتا تھا مجھے ایک دفعہ ہزار ڈنڈے مار گئے تو میں چوری نہیں مانتا تھا۔ آپ بھی ثابت قدم رہیں۔ میں ایک بُرے کام پر مبرکزار رہا اور رہا ہو گیا۔ آپ حتیٰ پر میں ثابت قدم رہے۔ حضرت امام کے بڑھاپے کے باوجود ننگے بدن پر ایک ہزار تازیانہ برسیا گیا۔ آپ کو کہا گیا کہ جب تک آپ اقرار نہ کریں گے کہ ترانہ مخلوق ہے، رہائی نہیں ملے گی۔ آپ نے آخرین دم تک یہ اقرار نہیں کیا۔

خلیفہ وقت کے سامنے حضرت امام احمد کے جسم پر تازیانے برسائے جا رہے تھے، اتفاقاً آپ کا ازار بند کھل گیا۔ چونکہ آپ کے ہاتھ کندھوں سے بندھے ہوئے تھے اپنی ازار بند درست نہ کر سکے۔ کوئی ہاتھ غیب سے نمودار ہوا جس نے آپ کا ازار بند ٹھیک کر دیا۔ خلیفہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کو رہا کر دیا مگر آپ اس عقوبت سے واصل بقی ہو گئے۔

حضرت امام حنبل عالم نزع میں ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے: ابھی نہیں! ابھی نہیں! آپ کے بیٹے نے پوچھا، ابا جان یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بڑا خوفناک وقت ہے تم سوال کر رہے ہو۔ دعا کرتے جاؤ۔ تمام حاضرین جو میرے سر ہانے کھڑے ہیں ان میں ایک شیطان بھی ہے وہ میرے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے احمد! ایمان و جان دونوں مجھ سے سلامت لیے جا رہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں: ابھی نہیں! ابھی نہیں! یعنی جب تک ایک سانس بھی باقی ہے خطہ باقی ہے۔ جب آپ واصل بقی ہوئے، آپ کا جنازہ اٹھا تو سبز مرغ آسمان سے اترتے دکھائی دیئے اور جنازے پر لوٹے تھے۔ آپ کا جنازہ دیکھ کر دو ہزار گمراہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ان جامع الکرامات کی وفات بغداد میں بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۲۔ ربيع الاول ۲۴۱ھ (بقول دیگر ۲۴۲ھ) معتزلہ کے ظلم و ستم سے ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار بغداد میں ہے اور آپ کی عمر ۹۷ برس کی تھی۔

جناب احمد حنبل شہ دیں کہ بود او جامع معقول و منقول

نبویش رقم کن قطب احمد برحیث بگو محبوب و مقبول
۲۱۴۲

۲۰ حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہم

کنیت ابو الحسن ، ابو الحسن ثالث ، لقب ہادی ، عسکری اور نقی مشہور تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ شہما ، ام الفضل مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳۔ رجب ۲۱۲ھ بقول بعض ۲۱۳ھ ہوئی۔ شواہد النبوت ، سفینۃ الاولیاء اور مخبر الاولیاء میں مختلف سال دیئے گئے ہیں۔

حضرت نقی ایک دن رے کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ ایک دیہاتی نے آکر عرض کی کہ میرے ذمہ ایک بہت بڑا قرضہ ہے کہ میں اس کے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ حضرت امام اس کی بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک تسک تیس ہزار کا لکھ دیا اور اپنی مہر چسپاں کر دی اور اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کل جب میں امراد میں بیٹھا ہوا ہوں لے آنا اور شدید قحطاً خا کرنا اور بیشک درشت کھامی ہی کر لینا اور اس تدبیر سے تمہارا قرضہ بیباق کرنے میں مدد مل جائے گی۔ دیہاتی نے تسک تمام لیا اور چلا گیا۔ ایک دن خلیفہ بغداد کو طے کے لیے بہت سی مخلوق آئی جو بونی تھی۔ مجلس جمی ہوئی تھی۔ اعرابی آگیا اور تسک نامہ پیش کیا اور تیس ہزار روپے کا قحطاً خا کرنے لگا اور سخت توبین آمیز الفاظ استعمال کرتا رہا۔ حضرت امام نے بڑی نرمی سے اسے ٹالا اور سہولت کے ساتھ ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ خلیفہ نے یہ صورت حال دیکھی۔ تیس ہزار روپہ خزانے سے منگو کر حضرت امام کی خدمت میں رکھا اور یوں آپ نے اس دیہاتی کو دے کر روانہ کیا۔

ایک دفعہ خلیفہ متوکل بیمار ہو گیا۔ اس کی ران پر سخت قسم کا پھوڑا نکلا جو کسی دوا سے ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ تمام اطباء اس کے علاج سے بے بس ہو گئے۔ متوکل کی والدہ نے نذرمانی کہ اگر میرا بیٹا صحت یاب ہو گیا تو اپنے مال کا کچھ حصہ حضرت امام کی خدمت میں بھیجوں گی۔ ایک دن فتح بن خاقان جو متوکل کے مقربین سے تھا کہنے لگا کہ کسی آدمی کو علی بن محمد کی خدمت

میں بھیجا جائے اور اس سے اس موزی مرض میں مدد حاصل کرنی چاہئے۔ ہر سکتا ہے کہ امام کے پاس کوئی علاج ہو۔ متوکل نے ایک شخص کو حضرت امام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اہلباء کی تخصیص و علاج کے بالکل برعکس کوئی چیز بھیجی اور کہا، اسے گھسا کر پھوڑے پر لگا دیں۔ اللہ کے حکم سے شفا پائے گا۔ اہلباء سن کر مذاق کرنے لگے۔ فتح بن خاقان نے کہا۔ تجربہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اس چیز کو لایا گیا اور گھسا کر پھوڑے پر رکھا گیا۔ اسی دن جتنا مواد پھوڑے میں تھا باہر نکل آیا۔ دوسرے روز زخم مندل ہو گیا۔ اور تیسرے دن غسل صحت کر لیا۔ متوکل نے اپنی والدہ کی نذر کے مطابق ایک جزیرہ عینار کی تحصیل حضرت امام کی خدمت میں بھجوا دی۔ چند دن بعد آپ کے بدخواہوں میں سے ایک نے کہا کہ امام کے پاس توبت سال و زربے اور اپنے گھر میں ایک کثیر دولت دبائے بیٹھے ہیں۔ اسلمہ کی ایک خاصی مقدار موجود ہے۔ اگر اس کا خزانہ اور اسلحہ فوری طور پر ضبط نہ کیا گیا تو چند دنوں میں فساد کا خطرہ ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ متوکل ڈر گیا اور اپنے خاص آدمی کو بلایا اور کہا آج رات چند واقع کار آدمی لے جا کر کسی حکمت عملی سے امام کے گھر سے تمام خزانہ اور اسلمہ لے آؤ توبت سی عنایات حاصل کر لو گے۔

سعید کہتے ہیں کہ میں حسب الارشاد چند آدمی لے کر رات کے اندھیرے میں حضرت امام کے گھر گیا۔ ساتھیوں کو باہر کھڑا کیا اور ایک بیڑھی کے ذریعے اندھیرے صحن میں اترا تو ایک شخص اندر سے پکارا، سعید! اپنی جگہ ٹھہ جاؤ میں شمع روشن کر کے لاتا ہوں تمہیں ساری چیزیں تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ جب شمع جلی تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام پشین کپڑے پہنے مصطل پر قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرا گھر تمہارے سامنے ہے، جس چیز کی ضرورت ہو اٹھاؤ۔ سعید کہتے ہیں، میں نے سارا مکان چھان مارا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ سوائے ایک تھیلی کے جس میں ایک ہزار دینار پڑے تھے اور اس پر خلیفہ کی والدہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تھیلی ابھی تک بند پڑی تھی۔ ایک جڑاؤ کھوار جو آپ نے مصطل کے نیچے رکھی تھی دونوں چیزوں کو اٹھا کر میں خلیفہ کے پاس پہنچا۔ متوکل نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ نذرانہ بھیجا تھا کیونکہ میں نے تمہاری بیماری پر یہ نذرمانی تھی۔ آپ نے فرمایا، ایک تھیلی اور بھی امام کے ہاں بھیج دی جائے۔ اور کھوار بھی امام کو لوٹا دی۔

سمیعہ کہتے ہیں، جب میں دونوں تھیلیاں اور تلوار لے کر آپ کی خدمت میں دوبارہ گیا چونکہ میں نامدم تھا میں نے آپ کے پاؤں چوم کر کہا: رات میں اس نیت سے آپ کے گھر بلا اجازت آیا تھا کیونکہ مجھے حکم سے ترابی نہیں تھی۔ آپ نے مبسم فرمایا اور کہا: سَيَعْلَمُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا۔

جب متوکل نے حضرت امام کو دینہ سے عراق طلب کیا۔ آپ راستہ میں ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ یہ مقام بڑی ویران اور ناپسندیدہ جگہ تھی۔ ایک دن امام صالح ابن سمیعہ کے احباب میں سے ایک صاحب خدمت مایہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا ابن رسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ نامرد عراقیوں کا لشکر ہمیشہ ہر کام میں خفیہ طور پر آپ کی مخالفت کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر آشوب مقام پر انہوں نے آپ کو ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن سمیعہ! تم ابھی اسی مقام پر رہو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھو اور آپ نے فرمایا: نظر اٹھا کر پاروں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دور دور تک خوش مناظر باغ، نہریں اور بلند و بالا محلات نظر آئے۔ مجھے یہ منظر بہشت سے کم نہ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم جہاں کہیں بھی جاتے ہیں اسی طرح باغ و بہار ہمک اُٹھتے ہیں۔ ان وحشت ناک مقامات سے ہمیں کمی وحشت نہیں آتی۔

ایک شخص کوفہ کے قاضی کے خلاف حضرت امام کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: دو ماہ تک صبر کرو۔ جب دو ماہ گزرے تو قاضی فوت ہو گئے۔

متوکل نے اپنے گھر میں ہر قسم کے پرندے جمع کر رکھے تھے۔ ان کے شور و غل سے بات سنی نہیں جاتی تھی۔ جب امام وہاں تشریف لے جاتے تمام پرندے خاموش ہو جاتے تھے۔ جب تک بیٹھے رہتے کسی جانور کی آواز نہ آتی تھی۔

ہندوستان کا ایک شعبہ باز متوکل کے دربار میں آیا اور عجیب و غریب شعبہ سے دکھانے لگا۔ ایک دن متوکل نے شعبہ باز کو کہا: اگر تم اپنے شعبہ سے علی نقی کو شرمندہ کر دکھاؤ تو میں تمیں ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔ وہ کہنے لگا: مجھے مجلس میں امام کے بالکل قریب بٹھا دینا، میں اسے شرمندہ کر دوں گا۔ جب مجلس لگی تو حضرت امام کو اس شعبہ باز کے ساتھ ہی

کھانا کھانے کو کہا گیا۔ جب امام اور دوسرے اہل مجلس کھانا کھانے لگے تو امام نے جس روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اڑ کر دوسرے شخص کی طرف چلی گئی۔ دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اہل مجلس اس شعبہ سے بڑے معظوظ ہوئے اور حضرت امام پر بننے لگے۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ اس شعبہ نے کا مقام یہاں ہے، جو شخص میرے پاس بیٹھا ہے آپ نے سرائحاکر دیکھا تو اس مکان کی دیوار پر ایک شیر کی تصویر نقش ہے۔ آپ نے اس شیر کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس دشمن اہل بیت کو پکڑ لو۔ حکم سنتے ہی شیر اصلی شیر کی طرح اٹھا اور شعبہ باز کا ایک تکرر کے پھر دیوار پر نقش بن گیا۔ متوکل نے بڑی کوشش کی کہ اسے لوٹا دیا جائے مگر آپ نے ایک نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ غصے کے عالم میں مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔

ایک دفعہ کسی امیر کے بیٹے کی دعوت و لہجہ پر بغداد کے تمام اُمراء جمع تھے، امام بھی وہاں ہی تشریف فرما تھے۔ ایک بے ادب آدمی مجلس میں بیٹھا بڑی بے ہودہ گفتگو کر رہا تھا اور آپ کا حق ادب بھی سامنے نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کس بات پر بنے جا رہے ہو حالانکہ تین دن کے بعد تم قبر میں ہو گے۔ وہ شخص اسی دن بیمار ہوا اور تیسرے دن مر گیا۔

ایک دن حضرت امام عباسیوں کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص گستاخانہ گفتگو کرتے کرتے حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کو آج کے کھانے میں ایک رقم بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اس کے گھر سے ایک ایسی خبر آنے والی ہے کہ اس کی زندگی حرام ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ دعوئے تو اس کا غلام آہ و فغان کرتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا: تمہاری ماں کو ٹھٹھے سے گر گئی ہے اور وہ حالت نزع میں ہے۔ وہ زندگی میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہے۔ مجبوراً کھانا کھائے بغیر بھاگ گیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات مستنصر باللہ خلیفہ بغداد کے دورِ خلافت میں ہوئی اور بمقام سرمن رائے جو بغداد کے قریب ہی ہے، مدفون ہوئے۔ آپ بروز پیر آخر ماہ جمادی الآخر ۲۵۲ھ کو فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس یا اکتالیس سال تھی۔ آپ کا

عایشان مقبرہ سمن رائے میں ہے۔

سالی تولد آن شہ فیجاہ کن رستم عالم ولی اللہ
نیز تاریخ جلست آن شاہ بست سید ولی حق آگاہ
سال و ملتش خرد ز دل پر سید گشت ظاہر ولی بجنب سفید

۲۱۔ حضرت حسن بن علی بن محمد بن علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد، لقب زکی، خالص، سراج اور عسکری تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سوسن تھا وہ ائمہ عشرہ کے گیارھویں امام تھے۔ ولادت مدینہ منورہ میں ۲۳۰ھ اور بقول دیگر ۲۳۳ھ میں ہوئی۔ آپ صرت ۲۹ سال زندہ رہے۔

محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ جعفر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معیشت بڑی مشکل ہو گئی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ آؤ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ وہ کرم و سخا میں بڑے مشہور ہیں۔ وہ گھر سے نکل کر حضرت کی انتظار میں راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اگر امام مجھے پانسو درہم دے دیں تو دو سو روپے کے کپڑے بنا لوں گا۔ ایک سو کا آٹا خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے متفرق اشیاء خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے خیر خرید کر کوہستان کے علاقہ میں چلا جاؤں گا۔ امام صاحب کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو خود ہی امام کے دروازے پر جا پہنچے اور کسی سے گفتگو کئے بغیر دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کا ایک خادم باہر آیا اور کہنے لگا کہ علی ابن ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اگر باہر ہوں تو اندر آجائیں۔ ہم اندر گئے اور سلام کیا۔ آپ نے پوچھا: علی! بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے اور اتنی مدت ہوئی تمہیں ہمارے پاس آنے کو کون سی چیز مانع تھی۔ میں نے بتایا کہ سید سے شرم آتی تھی کہ اس تنگ دستی میں آپ کے پاس آؤں۔ ملاقات کے بعد ہم اٹھے اور باہر نکلے ہی تھے کہ آپ کا ایک خادم پیچھے سے آیا اور پانسو روپیہ کی تمہیلی چھٹی دے کر کہا۔ دو سو کے کپڑے بنا لینا۔ ایک سو کا آٹا، ایک سو کے مختلف اخراجات اور ایک سو کا خیر خرید لینا تاکہ کوہستان جانے میں آسانی ہو لیکن

حضرت امام نے فرمایا کہ کوہستان نہ جانا بلکہ نکلے جگہ جانا تاکہ وہاں زیادہ فائدہ ہو۔ میں حضرت کے حکم کے مطابق وہاں ہی گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا ہے کہ ایک بار میں بڑی تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا۔ میں حضرت حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا۔ میری داستان سنتے ہی زمین کو کوٹنے لگے اور پانصد کی ایک تھیلی نکال لی اور مجھے عنایت کر دی۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ میں غلغائے عباسیہ کے زمانے میں ناحق قید میں پڑا تھا۔ میں قید و بند کی صعوبتوں سے تنگ آ گیا۔ میں ناچار ہو کر حضرت امام کے پاس شکایت لکھی۔ میں نے چاہا کہ اپنی تنگ دستی کی داستان بھی لکھوں لیکن مجھے شرم آئی اور میں نے نہ لکھا۔ آپ نے میرے جواب میں تحریر کیا آج تم ملہر کی نماز اپنے گھر پڑھو گے۔ چنانچہ ظہر سے پہلے ہی مجھے قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ میں گھر گیا، نماز پڑھی ہی تھی کہ مجھے حضرت امام کا ایک خادم آتا دکھائی دیا۔ میں استقبال کو آگے بڑھا۔ اس نے مجھے ایک تھیلی اور نقد دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم نے شرماتے ہوئے مجھے کچھ نہ لکھا۔ یہ روپے لے لو، خرچ کرو اور بھر ضرورت ہو تو لکھنا۔

ایک اور آدمی نے بیان کیا کہ میرا والد حضرت امام عسکری کے گھوڑوں کا علاج کیا کرتا تھا اسی زمانہ میں خلیفہ کے اعطیل کے گھوڑوں میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کے تابع نہیں ہوتا تھا۔ اس کے منہ میں لگام نہیں ڈالی جاسکتی تھی چہ جائیکہ اس پر کوئی سوار ہو۔ چند سواروں نے اس پر سواری کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص جو دلی طور پر اہلیت سے لہجہ رکھتا تھا، کہنے لگا، امام حسن عسکری کو کہو کہ اس پر سواری کرے اور اس کو اپنا تابع کرے۔ اس کام میں دو فائدے ہوں گے۔ اگر گھوڑا مطیع ہو گیا تو بہتر ورنہ حسن عسکری کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پھر یہی ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور آپ اہلیت کے خطرے سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت امام کو طلب کیا گیا۔ جب آپ محل میں پہنچے تو وہ بد فطرت دشمن اہلیت منافقانہ استقبال کو بڑھا اور اپنے پاس لے آیا اور گھوڑے کو صحن خانہ میں منگو کر حضرت امام کو کہا، اس کے منہ میں لگام دیکھئے۔ آپ اٹھے اور اس سرکش گھوڑے کے پاس جا کر اس کی پشت پر ہتھکی دی۔ گھوڑے کے

جسم سے پسینہ پھینکے لگا۔ آپ نے اس کے منہ میں لکام دی اور اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھے۔ اگرچہ وہ شرارت پسند و باری آپ کے کمال سے واقف ہو گیا تھا تاہم کہنے لگا۔ آپ اس پر زین رکھ کر دکھائیں۔ آپ اٹھے، زین گھوڑے پر رکھی اور واپس آ گئے۔ اس کے باوجود وہ دشمنِ اہلیتِ راضی نہ ہوا۔ اب آپ کو سواری کرنے کی فرمائش کر دی اور چند قدم چلانے کا بھی کہا۔ حضرت امام نے میرے والد کو حکم دیا کہ اس پر سوار ہو کر صحن میں چند قدم چلاؤ مگر اس شخص نے کہا کہ حضورؐ آپ خود تکلیف فرمائیں۔ حضرت امام اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے اور صحن میں چلانے لگے۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ گھوڑے نے کوئی سرکشی نہ کی۔ لوگوں نے پوچھا، گھوڑا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑا اہیل اور خوش رفتار ہے۔ اس سے اچھا گھوڑا میرے دیکھنے میں نہیں آیا اور پھر وہ شخص کہنے لگا: یہ گھوڑا تو آپ کے لائق ہے۔ حضرت امام نے میرے والد کو فرمایا: گھوڑا میرے گھر لے چلو۔ میرا باپ سوار ہو کر آیا اور گھوڑا گھر باندھ دیا۔ اس دن کے بعد گھوڑے نے کبھی سرکشی نہ کی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بتایا کہ میں چند مسائل کے حل کرنے کے لیے حضرت امام کو رقعہ لکھا اور دل میں کہا کہ سر کے چوتھے حصے کا سرور بھی ہے لیکن اسے میں رقعہ میں لکھنا بھول گیا۔ حضرت نے میرے خط کے تمام مسائل کا حل لکھا اور ساتھ ہی لکھا کہ تم سر کے چوتھے حصے کے درد کا علاج پوچھنا بھول گئے ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ لِنَا رُكُوْنِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ لکھ کر صاحبِ درد کے گلے میں ڈال دینا، اِنْ شَاءَ اللہ درد دفع ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور بیمار شفا یاب ہو گیا۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور پوچھا: ”مشکوٰۃ“ کے معنی کیا ہیں؟ میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے اتھانے دُعا کی اور بیوی بچے کا نام بھی دریافت کیا۔ اپنے میرے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ ”مَشْكُوٰةُ قَلْبٍ سَوَّلَ پَاؤُ بے لَیْنِ میرے بیٹے یا بیوی کے متعلق کچھ نہ لکھا سوائے اس عبارت کے جو رقعہ کے آخر میں لکھی تھی اعظم اللہ اجرک و اخلف علیک۔ چنانچہ میری بیوی کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب دوسری بار حاملہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بچہ دیا۔

حضرت امام کی وفات بمقام سرمن رائے بروز جمعہ ششم یا ہفتم ربیع الاول ۶۶۰ھ کو ہوئی۔ آپ کو حکم بغداد کے اشارے سے معاذین الجبیت نے کھانے میں زہر دے دیا اور آپ نے شہادت پائی۔

سالِ ترحیلِ آنِ شہِ مظلوم کشتِ پیدائشِ سیدِ مسموم
بادِ برہانشِ تا بروزِ قیام صد درود و سلام و الکرام

۲۲۔ حضرت محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالقاسم۔ لقب مہدی۔ حجة اللہ، قائم و منظر، صاحب الزماں اور خاتم الامم اثنا عشر تھے۔ علمائے اہل سنت و جماعت اور محقق تذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ کی ولادت سرمن رائے میں تاریخ ۱۳۔ ماہ رمضان ۲۵۵ھ ہوئی۔ دوسری روایت میں ۱۱۔ شعبان بوقت صبح ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حقل، مومن، زحس تھا۔ حضرت حسن عسکری کی بھوپھی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضرت حسن عسکری کے پاس بیٹھی تھی۔ آپ نے کہا: علمِ محترمہ آج رات میرے پاس ہی ٹھہرے اللہ تعالیٰ آج میں ایک لڑکا دے گا۔ میں نے کہا: بیٹا! لڑکا کس سے جو نا ہے۔ زحس کئے حمل کے آثار نہیں ہیں۔ حضرت عسکری نے فرمایا: زحس بھی حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرح ہے، وہ ولادت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں حسب الارشاد رات ٹھہری۔ رات کا کافی حصہ گزرا تو میں اٹھی اور نماز تہجد ادا کرنے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ صبح ہونے کو ہے مگر امام کی بات سچی نہیں ہوئی۔ اتنے میں حضرت امام کی آواز آئی: علمِ محترمہ! جلدی نہ کرو۔ میں اٹھی اور زحس کے کمرے کی طرف بڑھی تو انہیں اپنی طرف آتے دیکھا اور وہ کانپ رہی تھیں۔ میں نے انہیں سہارا دیا اور قل ہو اللہ، اتانا از لنا اور آیتہ الکرسی پڑھ کر دم کیا۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ جو کچھ میں نے پڑھا تھا وہ سچ بھی وہی الفاظ پڑھ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی سارا کمرہ روشن ہو گیا اور یہ خوش بخت بچہ پیدا ہوا اور آتے ہی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے اٹھایا۔ حضرت امام عسکری نے اپنے حجرے سے آواز دی کہ میرے بچے کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے گئی۔ آپ نے اسے بغل میں لے لیا اور اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا: اے

بِیَا! اللہ کے حکم سے گفتگو کرو۔ چنانچہ بچے نے برملا کہا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - وَنُرِیدُ اَنْ
نَمُنَّ عَلٰی الَّذِیْنَ اسْتَصْعَمُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلْهُمْ اَسْمٰتَہٗ وَنَجْعَلْہُمْ الْوَارِثِیْنَ۔

پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے پرندے نیچے اتر رہے ہیں۔ حضرت امام نے ایک پرندے
کو بلایا اور کہا: خذہ و احفظہ حتیٰ یَاْذَنَ اللّٰہُ مِنْہُ فَانَ اللّٰہُ بِالْعَامِرِہٖ۔ امام نے پوچھا کہ ایک
پرندہ سبز تھا اور دوسری مرغیاں ہیں۔ یہ سبز پرندہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور دوسرے
رحمت کے فرشتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے چھوٹی! اس بچے کو اس کی والدہ کے حوالے
کرو۔ تَقْرَعِیْنِہَا وَلَا تَحْزَنِ وَلَتَعْلَمَنَّ اَنْ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَلٰکِنْ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ میں نے
بچے کو اس کی والدہ کو دے دیا۔

حضرت مہدی پیدائش کے وقت ہی ناف زدہ تھے اور ختم شدہ تھے اور ان کے ائیں
بازو پر یہ آیت کریمہ لکھی جا، الْحَقُّ وَذَہَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَہُوْقًا۔ ولادت کے بعد
آپ دو زانو جو کر بیٹھ گئے اور انگشت شہادت اٹھائی اور ایک چھینک ماری اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

شواہد النبوت کے مصنف نے ایک روایت لکھی ہے کہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا
اور پوچھا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کے بعد کون جانشین ہوگا اور امام و خلیفہ کون ہوگا۔ آپ
اندر گئے اور ایک بچے کو اٹھا لائے جو حسن و خوبی میں چودھویں کا چاند تھا اور اس کی عمر ابھی تک
تین سال تھی اور آپ نے کہا اگر تم خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز نہ ہوتے تو یہ بچہ میں تمہیں کبھی نہ
دکھاتا۔ اس کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے اور اس کی کنیت بھی وہی ہے۔
ایک اور شخص کی روایت ہے: میں امام عسکری رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاضر ہوا۔ مجھے
آپ کے دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا کمرہ دکھائی دیا جس کے دروازے پر پردہ ٹلک رہا تھا۔
میں نے پوچھا: یا حضرت! آپ کے بعد صاحبِ امر کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اس کمرے میں ہے۔
اتنے میں ایک روشن چہرہ اور خوب صورت بچہ پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے گورے
چہرے پر ایک خال سیاہ تھا اور دونوں طرف کالی زلفیں لٹک رہی تھیں۔ وہ آتے ہی حضرت
امام کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ ہے وہ سید جو میرے بعد تمہارا امام ہوگا۔ چند لمحوں کے بعد

وہ بچہ اٹھا اور پردے کے نیچے چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: یا نبی امدخل علی الوقت المعلم۔ اور پھر آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جاؤ اور باکرہ دیکھو پڑے کے نیچے کون ہے۔ میں پر وہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

ایک اور شخص کی روایت ہے کہ جس دن حضرت حسن مسکری نے وفات پائی۔ فرمانروائے بغداد خلیفہ معتضد نے مجھے دوسرے دو شخصوں کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور کہا: حسن مسکری سرمن رائے میں وفات پا گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور اس کے گھر کی تماشی لو۔ جو بھی اس کے گھر میں موجود ہے میرے پاس لے آؤ۔ ہم اٹھ کر ان کے گھر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ اندر ایک دریا پر آؤ آب ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پانی پر ایک کشتی ہے اور اس پر ایک حسین و جمیل آدمی نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ میرے پاس جو آدمی بیٹھے تھے انہوں نے چاہا کہ ان کے پاس جائیں وہ پانی میں کود پڑے اور پانی میں غوطے کھانے لگے۔ دُودھ بننے لگی وہاں سے میں نے ہاتھ پکڑا اور پانی سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے پانی میں پاؤں رکھا اور چاہتا تھا کہ اس کے پاس پہنچے مگر وہ بھی ڈوبنے لگا۔ وہ قریب المرگ تھا کہ میں نے ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ میں حیران تھا اور پکار کر کہا کہ اے صاحبِ خانہ! میں آپ سے اور خدا سے معافی کاواستکار ہوں ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا حال ہے۔ کچھ ہم نے کیا اس سے واپس آتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اس قسم کی باتیں کیں مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ ہم ناچار واپس آ گئے اور معتضد خلیفہ بغداد کے پاس پہنچ گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ اس نے کہا: اس راز کو پوشیدہ رکھنا ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

واضح ہو کہ حضرت امام مہدی کے غائب ہونے اور وفات پانے کے معاملے میں اہلسنت و جماعت کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولینا جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں دی ہے۔ جامع الاحول میں بھی ایسا ہی مفصل بیان ہے۔ مختصر یہ کہ علمائے اہل سنت امام مہدی کو مہدی آخر الزماں نہیں مانتے۔ وہ آپ کی وفات جو ۲۶۶ھ میں واقع ہوئی اس کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں مہدی آخر الزماں موسوم ہ اسم محمد بن عبد اللہ حضرت عیسیٰ کے نزول آسمان سے پہلے خانہ سادات میں پیدا ہوں گے مگر شیعوں کا فرقہ امامیہ حضرت مہدی کو مہدی

آخر الزماں تصور کرتا ہے اور ان کے غائب ہو جانے کے معتقد ہیں۔ وہ کہتے ہیں، حضرت امام محمد بن حسن کو خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید ملی ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جاننا بڑا ضروری ہے کہ فضیلت و کمال ولایت اور کرامت حضراتِ اہلبیت کو صرف انہی بارہ حضرات تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ ان حضرات کے فضائل و کمالات کی بڑی شہرت ہے، کیونکہ اہلبیت کی فضیلت، طبیقاتِ ائمہ اور ان کے مدوحین میں پائی جاتی ہے۔ متاخرین نے بھی ان حضرات کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے فضائل سے پُر ہیں لیکن ایسے کمالات دوسرے بزرگانِ ملت جنابِ غوث الاعظم اور حضرت ابراہیم ملوی وغیرہما میں بھی پائے جاتے ہیں۔

آپ کا سن وفات یا سالِ غیبت مختلف اقوال کی روشنی میں دو سو چونسٹھ ۲۶۴ھ ہے۔ بعض نے ۲۶۵ھ بھی لکھا ہے اور بعض ائمہ کرموں میں ۲۶۶ھ بھی آیا ہے۔ ہمارے نزدیک آخرین قول ہی زیادہ صحیح اور مستند ہے۔

گر تو تاریخِ غیبتش جوئی !! یوسف حق چرانہ می گوئی
باز تو تاریخِ آں ولی والی !! گفت سرور ولی حق عالی

۲۳۔ حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہ

معروف نام۔ ابو محفوظ کنیت۔ والد کا نام فیروز یا فیروزان یا علی الکرخی تھا۔ مضائقہ بغداد کے ایک گھاؤں کرخی کے رہنے والے تھے۔ پہلے اپنے والدین کے مذہب ترسا پر تھے۔ ترسا رومی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اطلاق نصارا و آتش پرست دونوں پر ہوتا ہے حضرت علی رضا امام ششم ائمہ اثنا عشریہ بن امام موسیٰ کاظم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی ان کی ظاہری باطنی تربیت اسی طرح پر کی کہ امام طریقت اور مہتدائے حقیقت ہو کر دین و دنیا دونوں میں معروف و معروف ہو گئے۔ علوم ظاہری حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے تھے۔ طریقت میں حضرت حبیب راعی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترمیت یافتہ تھے۔

لے نام علی بن موسیٰ کاظم۔ کنیت ابو الحسن اور لقب رضا ہے۔ والدہ کا نام حمیمہ، شہانہ یا ام انبیین بیان کیا جاتا ہے جو امام موسیٰ کاظم کی والدہ حمیدہ کی لونڈی تھیں، صاحب علم و فضل تھے۔ ماموں رشید نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر کے انہیں اپنا ولی عہد نامہ کر دیا تھا جس پر خاندان عباسیہ کے افراد سخت برہم ہوئے اور اسے فضل بن سہل وزیر ماموں کی سازش سمجھا لیا کہ اس طرح خلافت کو بنو عباس سے آل علی کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے۔ ماموں حالات کو سازگار نہ پا کر ان کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا۔ آپ نے ۱۰ رمضان ۱۰۸ھ میں حوس کے قریب مقام سہابہ میں وفات پائی جو اب شہد کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ امام صاحب کو ماموں رشید نے انگوڑوں میں زہر دیا تھا لیکن بعض مؤرخ اس کی تائید نہیں کرتے بلکہ اسے ماموں پر ہمت قرار دیتے ہیں۔ لے نعمان بن ثابت نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ آپ کا شمار تابعین سے ہے متعدد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن حریث۔ معقل بن سيار۔ واثر بن سقیع رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ حضرت فضیل، حیاض، ابراہیم رحمہم۔ بنوعوفی، (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت فرید الدین عطار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں جب ان کے والد انہیں استاد کے پاس لائے تو استاد نے کہا، کونالت و ثلاثہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرف اشارہ تھا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اللہ ایک ہے۔ استاد نے فقہ میں آکر ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس پر آپ مکتب سے بھاگ گئے۔ ان کے والدین کو بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے کہ خدا کرے معروف واپس آجائے خواہ کسی مذہب پر آئے ہم اس کی موافقت کریں گے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد معروف گھر آئے۔ دروازے پر دوشک دی۔ والدین حنے اندر سے آواز دی کون ہے؟ کہا معروف۔ کہا کس دین پر آئے ہو؟ کہا دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ والدین نے موافقت کی اور حضرت امام علی رضا کی خدمت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام صاحب نے اپنے نام پر ان کے باپ کا نام رکھا۔

ایک روز حضرت معروف بازدار سے گزر رہے تھے کہ شراب خواروں کی ایک جماعت سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے

(بقیہ ماضیہ ص ۱۲۷)

داؤد طانی رحمہ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد آپ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ آپ ائمہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ امام اول ہیں۔ علم و عمل زہد و تقویٰ اور حق گوئی میں بے نظیر و بے عیقل تھے۔ علوم قرآن و حدیث و فقہ کے عظیم المرتبت مجتہد تھے۔ تحقیق حدیث و استخراج مسائل میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے خداداد اجتہاد سے فقہ اسلام کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ صدیوں تک اسلامی ممالک کا آئین سلطنت رہا۔ ۱۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ لے حضرت شیخ مجد الدین بغدادی المتوفی ۱۱۷۱ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی المتوفی ۱۵۹۶ھ اپنی تصنیف نفحات الانس میں لکھتے ہیں: ہر گروہ صوفیا میں سے کسی نے اپنے کلام میں اسرار توحید اور حقائق و معارف اس قدر بیان نہیں کئے جس قدر شیخ عطار نے بیان کئے ہیں۔ آپ کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے تذکرۃ الاولیاء و منطق الطیر زیادہ مشہور ہیں۔

حق میں بددعا کی درخواست کی تاکہ یہ بد اعمال اپنے کئے کی سزا پائیں شیخ نے ہاتھ اٹھا کر
 دُعائی۔ یا الہی جس طرح تُو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح عاقبت میں بھی
 انھیں خوشحال رکھ دے ماقبول ہوئی۔ شراب خواروں نے شراب کے ٹکٹے توڑ ڈالے۔ لرزتے
 کانپتے اور گرتے پڑتے خدمتِ شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کئے پر معذرت چاہی۔ اس
 پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھا جہاں میری دمانے خیر سے ہم
 سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خوار کی آفت سے نجات
 پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی اپنی مراد پا گئے۔ آپ کے خالو قصبہ کرخ کے حاکم تھے۔ ایک
 روز انھوں نے دیکھا کہ شیخ معروف ایک ویرانے میں بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں۔ ایک گلتا
 سامنے بیٹھا ہے۔ ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں اور دوسرا کتے کے منہ میں۔ یہ دیکھ کر خالو
 نے کہا۔ معروف تجھے شرم نہیں آتی کتے کے ساتھ بیٹھا روٹی کھا رہا ہے۔ آپ نے کہا مجھے
 خدا سے شرم آتی ہے اس لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہوں اور دوسرا کتے کو کھاتا ہوں۔ اس عمل سے
 مجھے وہ حکومت حاصل ہے جو تجھے میسر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر سر اٹھایا اور ایک اڑتے ہوئے پرندے
 کو بلایا۔ پرندہ آکر آپ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور اپنے سرو چشم کو پروں میں ڈھانپ لیا۔ شیخ نے
 خالو سے مخاطب ہو کر فرمایا: دیکھا جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہے تمام دنیا اس سے شرم
 کرتی ہے۔

ایک روز شیخ معروف دریائے دجلہ کے کنارے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ
 شیخ کو وضو کی حاجت ہو گئی۔ اس وقت وہیں بیٹھے بیٹھے تیمم کر لیا۔ پھر وضو کے ارادے سے
 اٹھے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ جب دیا چند قدموں کے فاصلے پر تھا تو تیمم کی
 کیا ضرورت تھی۔ فرمایا: مجھ پر بس دینا نے ناپائیدار میں زندگی کی امید دم بھر کے لئے بھی نہیں
 ہے۔ تیمم کرنے کا یہی سبب تھا کہ اگر دیا پر پہنچنے سے پہلے ملک الموت میری رُوح قبض
 کر لے تو حالتِ حدث میں نہ مروں۔

وفات سے چند روز پہلے حضرت امام رضاؑ کی ملاقات کے لئے گئے۔ درباروں نے
 اذرنہ جانے دیا۔ جب اصرار پر نوبت پہنچی تو پاسبانوں نے شیخ کو زور و کوب کیا جس سے جسم
 پر شدید ضربات آئیں اور پسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہی عدمہ آپ کی وفات کا باعث ہوا۔
 وفات کے وقت شیخ سری سقطی حاضر خدمت تھے۔ کہا: مجھے نصیحت و وصیت فرمائیے۔
 فرمایا: جب میں مروں تو میرا کفن صدقے میں دے دینا تاکہ دینا سے برہنہ جاؤں کیونکہ بطنِ مادہ
 سے برہنہ ہی پیدا ہوا تھا۔

جب وفات پائی تو یہود و نصارا دعویٰ کرنے لگے کہ شیخ ہمارے مذہب پر تھے۔
 مسلمانوں نے تردید کی۔ نزاع طرہی۔ خدام کھنے لگے ہمارے شیخ کی وصیت تو یہ ہے کہ جو
 ہمارا جنازہ زمین سے اٹھائے گا ہم اسی سے ہیں۔ اس پر یہود و نصارا نے باری باری
 جنازہ اٹھانے کی کوشش کی مگر اٹھانہ سکے۔ پھر مسلمان آئے انہوں نے جنازہ اٹھایا اور
 جس جگہ شیخ نے وفات پائی تھی وہیں دفن کیا۔ شیخ معروف و تجرید و تفرید اور بے مروت سامانی
 میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ علی جویری صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں: "شیخ
 معروف کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ علوم میں قوم کے مقتدا اور امام ہیں۔"

۱۔ غزنی کے ایک محلہ جویر میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کا نام عثمان بن ابی علی الجلبالی تھا۔ مختلف شہروں میں علوم ظاہری
 و باطنی کی تحصیل کی تھی۔ حضرت شیخ ابو الفضل بن حسن الخلی التوفی ۴۵۰ھ کے مرید تھے شیخ ابو القاسم گرگانی المتوفی
 ۴۵۰ھ شیخ ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ شیخ ابو القاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کے علاوہ اور بہت سے مشائخ
 کو دیکھا تھا۔ حنفی مذہب تھے۔ سلطان مسعود بن محمد غزنوی کے مدد حکومت میں لاہور شریف لائے اور اشاعتِ
 اسلام کا فائدہ نظام قائم کیا۔ صبح کو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ سہ پہر کو مبلغین کی روحانی تربیت کرتے تھے
 شام کو اسلام کی خوبیوں پر وعظ فرماتے تھے۔ رات کو ذکر و عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ
 تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ تھا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بے شمار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصانیف
 میں سے کشف المحجوب کو قبول ناس و عام کی سند حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف پر ادیس کتاب ہے
 اس لئے تاریخ اعتبار سے بہت اہم ہے۔ آپ نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق شیخ ابوسعید جویری کی فرمائش پر
 لکھی تھی اس میں خاص اسلامی تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ تصوف کے اصول کو قرآن و حدیث کی (باقی صفحہ پر)

ایک بزرگ شیخ معروف روزہ دار تھے۔ نماز عصر کے بعد بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سقے نے آواز دی۔ ”رحمۃ اللہ من یشرب من ہذا الماء یعنی اللہ اس پر رحمت کرے جو اس پانی کو پئے۔“ شیخ معروف نے یہ آواز سنتے ہی پانی کا پیالہ اٹھا کر پی لیا۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا آپ روزے سے نہ تھے؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں دعاٹے رحمت سن کر پانی پی گیا۔ وفات کے وقت ایک شخص نے شیخ کو خواب میں دیکھا: پوچھا: آپ سے خدا نے کیا سلوک کیا۔ فرمایا: سقہ کی اس دعاٹے رحمت پر مجھے بخش دیا جس نے اس کی طرف ترغیب دی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: جو افراد کی علامت تین چیزیں ہیں۔ ایک وفاداری جس میں بے وفائی کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرے تناسل بے جو، تیسرے بے مانگے داد و دہش۔

۸۔ محرم ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ بعض مورخ ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں مگر صاحبِ نفحات الانس اور شہزادہ داراشکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء پہلے قول ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔
قطعہ تاریخ وفات ۱۔

شیخ معروف پیرِ والی کرخ !!	گشت چوں از جہاں دنیا طاق
زبدۂ اصفیاء است تاریخش	شد عیاں نیرِ زبدۂ آفاق
صاحبِ عادل است اہلِ بختیں	باز تاریخِ آں شہِ مشاق

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۹) روشنی میں بیان کیا ہے اور مقاماتِ تصوف کی کیفیت، اہل تصوف کے ارشادات، صوفیوں کے مختلف لطیفات کے حالات اور معاصر صوفیوں کے رموز و نکات اور ذکر و شغل کے آداب مفصل طور پر لکھے ہیں۔ ابتدائے احوال میں سماع (نوا) کے شائق تھے پھر توبہ کر لی تھی فرماتے ہیں حماع کی خواہش صرف اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ کی لذت حاصل نہ ہو۔

فرماتے ہیں: خدا برتر نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا جب انسانوں نے حرص کا نام شریعت، تکبر اور طلبِ جاہ کا نام عزت، دیا کا نام خوفِ خدا، ہمت کا نام علم، مجاہدہ کا نام مباحثہ، نفسانیت کا نام محبت، بے نی کا نام فقر اور ترکِ شرع کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں مرجعِ خلافت ہے۔ آپ کی کنیت ابوالمحسٰی اور لقب دامادِ گنج بخش ہے۔

۱۳۲۔ حضرت شیخ سمری سقطی قدس اللہ العزیز

سمری نام۔ ابو الحسن کنیت۔ حضرت شیخ معروف کرخی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتداۓ زمان، شیخِ وقت، صاحبِ علم اور امامِ اہلِ طریقت تھے۔ سب سے پہلے بعد اویں آپ ہی نے برسرِ مہرِ حقائقِ توحید بیان کئے۔ حراق و علم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔ پیشہ تجارت تھا۔ خوردہ فروشی کی دکان تھی۔ متفرق چیزیں بیچا کرتے تھے۔ اس لئے سقطی مشہور ہو گئے (سقطی خوردہ فروش باطلی متفرق چیزیں بیچنے والے کو کہتے ہیں) دکان بازار میں تھی جس میں پردہ ڈال رکھا تھا۔ ہر روز ایک ہزار رکعت نمازِ نفل ادا کرتے تھے۔ دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لیتے تھے۔ ایک دن ساٹھ دینار کے بادام اکٹھے خرید لئے۔ ساتھ ہی بازار میں باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ ایک دلال آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت بادام بیچ ڈالئے۔ فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ میں دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لوں گا۔ دلال نے کہا : میں آپ کے مال کو خسارہ پر نہیں بیچوں گا۔ فرمایا : میں اپنے وعدے کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس پر نہ دلال نے بادام فروخت کئے نہ آپ نے دیئے۔

ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر شیخ نے سنی تو کہا : مقامِ مسک رہے متاعِ دنیا سے خلاصی پائی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دکان بج گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ کہا مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجب بات سے ہے۔ تمام مال راہِ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔

ایک روز شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا، آپ کے احوال کی ابتدا کس طرح ہوئی، فرمایا : ایک روز حبیبِ راعی قدس سرہ میری دکان کے سامنے سے گزرے میں نے انہیں کچھ دیا کہ درویشوں میں بانٹ دیجئے۔ انھوں نے کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس روز سے مال میرے لئے بے حقیقت ہو گیا ہے۔ دوسرے روز شیخ معروف کرخی آئے اُن کے ساتھ ایک یم بچہ تھا۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ کپڑا دو۔ میں نے اُسے کپڑا دیا۔ فرمایا حق تعالیٰ دنیا کو

تیرے دل کے لئے دشمن کر دے اور تجھے اس شغل سے راحت دے۔ اُسی روز سے میں دنیا و اہل دنیا سے فارغ ہو گیا۔

سید الطائفہ شیخ بنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو عبادت میں سرِ مطلق سے زیادہ کامل نہیں پایا۔ ۹۸ سال کامل گزر گئے کہ زمین پر پہلو تک نہیں رکھا جب سب بیماری و مرض الموت کے۔

ایک روز شیخ کی بہن آنی دیکھا کہ گھر میں بڑھن کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا ہے۔ شیخ سے جھاڑو دینے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ دوسرے روز شیخ کی بہن پھر آئی۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر میں جھاڑو دے رہی ہے۔ کہا سبحان اللہ مجھے تو جھاڑو دینے کی اجازت نہ دی مگر اس نامحرم عورت کو دے دی۔ فرمایا اے ہمیشہ یہ بوڑھی عورت نہیں ہے۔ یہ دنیا جو میرے عشق میں جلتی تھی اور مجھ سے محروم تھی۔ اب اس نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ اپنا نصیب مجھ سے حاصل کرے اس لئے اسے میرے گھر کی جا رو بکشی کا حکم ہوا ہے۔

ایک رات حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے جدِ پیغمبر! دنیا میں گرفتارِ عشقِ یوسف ہو کر یہ کیا شور و فغاں پیدا کر دیا۔ عشقِ یوسف کے ساتھ عشقِ حق کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔ غیب سے ندا آئی۔ سرِ خاموش رہ یوسف کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ۔ جو نبیِ جمالِ یوسف کو دیکھا غش کھا کر گر پڑے تیسرے روز ہوش میں آئے۔ پھر ندائے غیبی آنی سرِ یہ اس شخص کی سزا ہے جو عاشقانِ خدا کو ملامت کرتا ہے۔

ایک روز شیخ مجلس میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ بغداد کا ایک مصاحب شیخ احمد نامی گھوڑے پر سوار اس طرف سے گزرا۔ شیخ نے توجہ باطنی دی وہ اُسی وقت گھوڑے سے اتر کر حاضر خدمت ہوا۔ شیخ نے فرمایا: ایزد تعالیٰ کی اُن گنت مخلوق میں سے آدمی سے زیادہ کوئی چیز ضعیف نہیں ہے۔ نیز انواعِ خلق میں سے کوئی چیز اتنی گناہ گار بھی نہیں ہے جتنا اپنی ضعیفی کے باوجود انسان ہے۔ کاش یہ ناکارہ اپنی قدر و منزلت جانتا کہ میں کیا چیز ہوں اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ شیخ کا یہ کلام نشتر کی طرح شیخ احمد کے دل میں اتر گیا۔ اس قدر رویا کہ ہوش جاتے رہے۔ جب ایسے آپ میں آیا تو پھر اسی طرح روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ رات بھر

دُکسی سے بات چیت کی نہ کچھ کیا یا پیا۔ صبح پھر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا کہا اے استاد
 تیرا یہ سخن میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ دنیا میری نظروں میں بیچ و ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب دل میں
 یہی سوائی ہے کہ ترکِ ملائق کر لوں۔ اس معاملے میں میری رہنمائی کیجئے۔ فرمایا: اس منزل کی
 طرف ایک راہِ عام ہے اور ایک راہِ خاص ہے۔ راہِ عام تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز
 باجماعت ادا کی جائے۔ مال ہو تو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھے
 جائیں۔ حج بیت اللہ کیا جائے۔ خدائے تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی رسالت کا دل و جان سے اقرار کیا جائے۔ راہِ خاص یہ ہے ان کے ساتھ
 ترکِ دنیا کی جائے۔ کسی آرام و آسائش کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ اگر کچھ دیا بھی جائے تو نہ
 لیا جائے۔ غیر اللہ سے پوری طرح روگردانی کی جائے۔ دل کو اللہ کے ساتھ لگایا جائے۔ یہ
 سن کر شیخ احمد نے کہا اے استاد اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں دوسرا راستہ اختیار کرتا
 ہوں۔ چند روز کے بعد ایک بوڑھی عورت بد حال و گریاں خدمتِ شیخ میں آئی اور کہا۔ اے
 امام اہل اسلام میرا جوان بہت بٹیا ایک روز تیری مجلس میں آیا اور دیوانہ ہو کر گیا۔ اب میں
 نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اُس عورت کی حالتِ زار پر شیخ کا دل پسیمہا۔
 کہا غم نہ کھا، پریشان نہ ہو۔ تیرا بیٹا جب آگیا تجھے اطلاع دوں گا۔ ایک رات شیخ احمد
 خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک خادم سے کہا جاؤ اس کی ماں کو بلا لاؤ۔ جب اس کی
 ماں اس کے اہل و عیال کے ساتھ آئی تو سب نے اسے دیکھ کر نالہ و فریاد کرنا شروع کر دیا۔
 ہر چند چاہا کہ ان کے ساتھ گھر چلے مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا بلکہ شیخ سے کہا آپ نے ان
 لوگوں کو ناحق بلایا ہے اور میرا وقت خراب کیا ہے۔ یہ تو میرے لئے وبالِ جان ہو گئے ہیں۔
 میرا وقت جریا و النبی میں صرف ہونا تھا وہ غارتِ غول ہو رہا ہے۔ اس پر اس کی بیوی بولی:
 تو نے اپنا بنا بنایا کام خراب کر دیا ہے اور اپنے جیتے جی بانکِ بگاڑ دی ہے۔ مجھ پر تو جو گزرے
 گی اس کو خوش و ناخوش اپنے سر پر لوں گی۔ اس اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لیتا جا۔ اس نے کہا:
 بہت غم۔ اس وقت لڑکے نے جو لباسِ ناخترہ زیب تن کر رکھا تھا باپ نے اسے اترا
 دیا اور اس کی بجائے اسے پرانی گدڑی پہنا دی اور ماتھے میں زنبیل دے دی۔ لڑکے کی

ماں نے جو یہ صورت دیکھی تو بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی اور شیخ احمدؒ نے اپنی راہِ دشت لی۔ چند سال کے بعد ایک شخص خانقاہ شیخ سرئی میں آیا اور کہا مجھے شیخ احمدؒ نے بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے میری سانس اڑی ہوئی ہے۔ ابھی وقت ملاقات ہے تشریف لائیے شیخ سرئی اس شخص کے ساتھ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا شیخ احمدؒ غائب گورستان پر پڑا ہوا ہے اور کوئی دم کا مہمان ہے گردبان کو حرکت دیتا ہے۔ شیخ سرئیؒ نے اس کے سر کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ شیخ احمدؒ نے آنکھ کھولی اور کہا مرجا بر وقت آئے۔ یہ آخری ملاقات ہے یہ کہا اور اصل بقی ہو گیا۔ شیخ سرئیؒ اٹھے اور چلا کہ تجیز و تکفین کا سامان کریں اس کو وہاں چھوڑا اور شہر کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ لوگوں کی ایک کثیر جماعت گورستان کی طرف آرہی ہے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں کہ اس وقت آسمان سے آواز آرہی ہے کہ جو چاہتا ہے کہ خدا کے ولی کی نمازِ جنازہ پڑھے وہ گورستان کو جائے۔ پس ایک انبوہ کثیر شیخ احمدؒ کی نمازِ جنازہ میں خریک ہوا اور اس کے جسم پاک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں شیخ سرئیؒ مرض الموت میں تھے۔ میں اُن کی عیادت کو گیا دیکھا کہ ایک پنکھا قریب ہی گرا ہوا ہے اُسے اٹھا کر بلانے لگا۔ شیخ نے آنکھ کھولی اور کہا جنیدؒ پنکھا ہاتھ سے رکھ دے۔ مجھے ہوانہ دے۔ ہوا سے آگ تیز تر جوتی ہے۔ میں نے کہا: مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا خلق کے ساتھ مشغول اور خالق کے ساتھ شافل رہ۔

آپ کا فرمان ہے مردوہ ہے جو بازار میں بھی ذکرِ حق میں مشغول رہے۔ خرید و فروخت بھی کرے لیکن یادِ الہی سے بھی ناغل نہ رہے۔

فرمایا: ہماروہ ہے جو اپنے نفسِ امارہ پر غالب آئے۔

فرمایا: ادب دل کا ترجمان ہے جو شخص اپنے نفس کی تربیت و تادیب سے عاجز ہے وہ دوسروں

کو کیا ادب سکھا سکتا ہے۔

فرمایا: پانچ چیزیں دل میں نہیں رہتیں اگر دل میں دوسری چیز موجود ہو:

۱۔ خدا کا خوف

۲۔ رجا

۳۔ محبت

۴۔ حیا

۵۔ خلق سے شفقت

فرمایا: خلقِ خدا وہ جس سے مخلوق کو تکلیف و آزار نہ پہنچے۔

۳۔ رمضان ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد گورستان شونیز بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات ۱۔

شیخ ستری امین سبز خدا محرم از و واقف تفسیر
سال و صلح بجز قطب الحق باز خواں سن ارتحالش میر
۳۲۵۰ ۳۲۵۰

۲۵۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ

کنیت ابو القاسم۔ لقب سید الطائفہ و طاؤس العلماء و قواریبری و زجاج تھا۔
قواریبری و زجاج آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آگینہ فروش تھے۔
نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن حضرت جنید کا مولد و منشاء بغداد تھا۔ حضرت سفیان ثوری
کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے اور انھی سے بیعت بھی تھے۔
حضرت رویم، حضرت شیخ ابوالحسن نوری، حضرت شیخ ابوبکر شبلی (آپ کا ذکر آگے آئے گا)
لہ سفیان نام۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ باپ کا نام سعید تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بزرگانِ وقت آپ کو
امیر المؤمنین و امام المسلمین کہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے اکابر علماء و صلحا سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ حضرت
ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اویسی تھے۔ علومِ فارسی و باطنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بڑے انیس و شفیق تھے
طبع میں بے حد سوز و گداز تھا۔ اپنے آپ کو ثوری یعنی چار پایہ کہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز مسجد میں
انتہائے استغراق کے باعث بایاں پاؤں رکھا۔ غیب سے ندا آئی۔ سفیان شاید تو چرایہ ہے۔ سنتے ہی حالتِ محو میں
آگئے اور وارحی پکڑ کر اپنے منہ پر لٹا چڑھا اور کہا کہ مسجد میں باادب قدم نہ رکھنے کی وجہ سے نیز حیوانوں کے زمرے
میں نام آگیا۔ ہوش کر۔ ۱۹۱ء میں وفات پائی۔

لہ کنیت ابو محمد اور ابوالحسن تھی۔ باپ کا نام احمد بن یزید بن رویم تھا۔ اصل وطن بغداد تھا۔ جید عالم اور فقیہ تھے۔
علومِ ظاہر و باطن میں مہارتِ کامل حاصل تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے مریدِ کامل اور شاگردِ رشید تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور اسی طرح دوسرے مشائخ اپنے سلسلوں کو اُن کی طرف نسبت کر کے درست کرتے ہیں۔ آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنید یہ کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم علی جویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: ایک روز کسی نے شیخ سری سقطی سے پوچھا: کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیرومرشد سے بڑھ سکتا ہے۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ اور یہ ظاہر دلیل ہے کہ جنید بغدادی کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے۔“

خلیفہ بغداد نے ایک روز حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کو بے ادب کہا۔ آپ نے کہا سبحان اللہ جلایں کس طرح بے ادب ہو سکتا ہوں جبکہ اپنا نصف دن حضرت جنید قدس سرہ کی صحبت میں گزارتا ہوں۔“

شیخ ابو جعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر عقل مرد ہو تو جنید کی صورت پر ہوتی۔“ آپ نے کامل تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کیا ہے اور اسی عشاء کی نماز کے وغو سے نماز صبح ادا کی ہے۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء لکھتے ہیں۔ حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا: بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خراب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت جنیدؒ سامنے حاضر ہیں۔ ایک شخص نے آ کر فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جنیدؒ سے فتویٰ لو۔ اس شخص نے عرض کیا:

(مقتبہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) عہدہ عبداللہ اخباری فرماتے ہیں: اگرچہ رویم محدث کا شاگرد بتاتے تھے مگر آپ اپنے استاد سے زیادہ کامل و بہتر تھے۔ ہیں ان کے ایک بال کو بھی ایک سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: ہم فارغ ہونے ہوئے بھی مشغول ہیں اور رویم مشغول بھی فارغ ہے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں شونیز کے مقام پر ہے۔ مکملہ نام احمد بن محمد اور لقب فوری ہے۔ آپ کے ابا و اجداد بغشور کے رہنے والے تھے جو بہت اور مرد کے درمیان واقع ہے مگر آپ کا مولد بغداد ہے شیخ سری سقطی کے مرید اور سید العارفہ جنید کے ہم عصر ہیں۔ راوی طریقت ہیں مجتہد اور صاحب مذہب گزرے ہیں۔ آپ کے طریقہ کو طریقہ فوریہ کہتے ہیں۔ آپ کو فوری اس وجہ سے کہتے ہیں۔ جب آپ کسی ایک مکان میں گفتگو کرتے تو سوپ کے باطنی در سے وہ گھر دشمن ہو جاتا تھا اور اُس فوری کی وجہ سے مریدوں کے اسرار پر مطلع ہو جاتے۔ آپ کا ارشاد ہے: جس نے خدا کو دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں بھی اُسے نہ پہچان سکے گا۔ ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ ”سید یس برالحسن“ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

یا رسول اللہ آپ کی موجودگی میں دوسرے سے فتویٰ کیوں لوں؟ فرمایا: تمام انبیاء کو جس طرح اپنی اپنی امت پر فز و سباات ہوتا ہے مجھے اپنے جہنم پر فخر ہے۔
 شیخ جنیدؒ نہ سماع سنتے تھے نہ وجہ کرتے تھے۔ بظاہر و باطن بشرع مقدس آراستہ و پیراستہ تھے۔ ایک روز مجلس میں توحید کے متعلق کلام فرما رہے تھے کہ ایک مرید نے نعرہ لگایا۔
 شیخ نے اسے منع کیا اور کہا اگر تو نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو تجھے مجھ کو دوں گا۔ یہ کہہ کر پھر اپنے کلام میں مشغول ہو گئے۔ اس نوجوان میں تاب ضبط نہ تھی۔ دوبارہ نعرہ لگایا۔ شیخ جنیدؒ نے اُس کی طرف نگاہ گرم سے دیکھا۔ وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے جاکر دیکھا تو وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔

ابتداءً احوال میں ایک روز شیخ جنیدؒ مدرسے سے گھر آنے۔ دیکھا کہ والد رو رہے ہیں۔ سبب پوچھا۔ کہا کہ تمہارے خالو شیخ سری سقطیؒ کے پاس حصہ مالِ زکوٰۃ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس پر گریہ کر رہا ہوں کہ جس مال کے لئے عمر عزیز ضائع کر دی وہ دوستانہ خدا کے لئے قابلِ قبول بھی نہیں۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: مجھے دیکھئے میں جا کر دیتا ہوں۔
 شیخ نے مالِ زکوٰۃ لیا اور دروازہ شیخ سری سقطیؒ پر جا کر دستک دی۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟
 کہا جنیدؒ۔ پوچھا کیوں آئے؟ کہا یہ مالِ زکوٰۃ لے لیجئے۔ شیخ نے جواب دیا: ہرگز نہ لوں گا۔ حضرت جنیدؒ نے کہا: اسے خدا کے لئے لے لیجئے۔ جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ پر حمل کیا؟
 فرمایا: اے جنیدؒ کہو خدا نے مجھ پر کیا فضل کیا اور میرے باپ پر کیا عدل کیا۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: خدا نے آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو درویشی اور ترکِ دنیا عطا کی اور میرے باپ کے ساتھ یہ عدل کیا کہ اسے دنیوی کاروبار میں مشغول کر دیا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں اور میرا باپ چاہے نہ چاہے گھر زکوٰۃ کا ادا کرنا اس پر عکافرض ہے۔ اس لئے کہ یہ مال حق داروں کا حصہ ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ یہ مال ان تک پہنچائے۔ شیخ سری سقطیؒ اس پر بہت غمخوار ہوئے اور فرمایا: اے بیٹا میرے پاس آ۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مال قبول کروں تجھے قبول کرتا ہوں۔ پس دروازہ کھولا اور مرجا کہا۔ اور شیخ جنیدؒ کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

ایک دفعہ شیخ سری حضرت جنیدؒ کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے گئے جبکہ ان کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ حرم شریف میں چار سو پیران روشن ضمیر بیٹے مسئلہ شکر پر بحث کر رہے ہیں۔ ہر بزرگ اور ادا نے حق شکر میں تقریر کر رہا ہے۔ شیخ سری نے حضرت جنید سے کہا، اے نور العین تو بھی اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہ شیخ جنیدؒ نے سنا تھا یا اور کہا:

• شکریہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے اور اسے محصیت سازی کا سبب نہ بنائے۔ تمام حاضرین نے آفرین و تحسین کہی اور آپ کے اس قول پر اتفاق کیا۔ حضرت جنیدؒ کے اقوال توحید جب زبان زدِ خاص و عام ہوئے تو مخالفانِ شیخ نے خلیفہ سے سبب کی کہ شیخ جنیدؒ ایسی باتیں کرتا ہے کہ جن کو عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسے فخر انگیز کو درمیان سے ہٹا دینا چاہئے۔ خلیفہ نے کہا: حجت شرعی کے بغیر یہ کام مشکل ہے۔ آخر اس کے لئے ایک جیلہ پیدا کیا گیا۔ خلیفہ کے پاس ایک نہایت ہی حسین و جمیل کینز تھی اُسے مزید بناؤ سنگار کے ساتھ شیخ کے پاس یہ سبق پڑھا کر بھیجا کہ اپنے حسن و جمال، ناز و کرشمہ اور تحریص مال و دولت سے شیخ کو اپنے پر مائل کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ چنانچہ وہ خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے پاس بڑا زر و مال ہے۔ چاہتی ہوں کہ یہ مال و دولت آپ پر نثار کر کے تمام عمر خدمت میں گزار دوں۔ مجھے قبول فرمائیے۔ شیخ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کینز لے اپنے حسن و فریب اور عشوہ و غمزہ سے شیخ کو اپنے دام کو در فریب میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر شیخ نے نظر اٹھا کر بھی اس کی جانب نہ دیکھا۔ جب اس کا عجز و انکار مد سے بڑھ گیا تو شیخ نے اپنے دل پر سوز سے آہ آہ نین بار کہا۔ شیخ کی آہ سوزاں کی چٹکاریوں سے کینز کو آگ لگ گئی اور وہ چشمِ زدن میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ خادمہ جو کینز کے ساتھ آئی ہوئی تھی یہ حال دیکھ کر خلیفہ کے پاس بھاگی گئی اور تمام حالات بیان کئے۔ خلیفہ یہ سن کر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا اور کہا: اے شیخ تو نے اس عجب رو کینز کو جلا کر رکھ کر ڈالا ہے۔ ایسے ظلم کی توقع آپ سے نہ تھی۔ شیخ نے فرمایا: تو چاہتا تھا کہ میری چالیس سالہ ریاضت و عبادت تباہ و برباد ہو جائے۔ تم دونوں نے اپنا کیا پایا۔ اس وقت رحم و شفقت خود میرے حال پر ظلم عظیم تھا۔

شیخ جنیدؒ نے جب علومِ ظاہر و باطن میں تکمیل کر لی تو شیخ سہریؒ نے انہیں وعظ و نصیحت کی اجازت دی مگر شیخ جنیدؒ نے اپنے مرشد کے سامنے وعظ کہنا ترکِ ادب و گستاخی پر محمول کر کے وعظ نہ کیا۔ ایک رات شیخ جنیدؒ نے حضرت رَسَا تَابَ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں: اے جنیدؒ تو وعظ کیوں نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان میں بڑی تاثیر دی ہے۔ صبح کو شیخ جنیدؒ جب خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ سہریؒ دروازہ میں کھڑے ہیں۔ شیخ جنیدؒ کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اے جنیدؒ میں نے نہ کہا کہ لوگوں سے کلامِ کلم پس اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں سے کلام کر چنانچہ شیخ جنیدؒ کی پہلی مجلس میں چالیس آدمی حاضر ہوئے جن میں سے سترہ شیخ کی تاثیرِ کلام سے جاں بحق ہو گئے اور میں بے ہوش ہو گئے۔

حسین بن منصور سلاج حضرت شیخ عمر بن عثمانؒ کی الصوفی سے غلبہٴ حال میں اظہارِ برتری کر کے شیخ جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے فرمایا: اے حسینؒ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جو تم نے شیخ عمر بن عثمانؒ کی اور سہیل بن عبد اللہ تشری سے سلوک کیا ہے۔

ابو عبد اللہ کنیت۔ میں کے رہنے والے اب رَسَا تَابَ سے تھے۔ تمام عمر کے میں گزاری تھی اس لئے کی مشہور ہوئے۔ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کے مرید اور حسین بن منصور سلاج کے استاد تھے۔ علومِ حقائق و معارف میں بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپؒ کا کلام حبِ بابک و گمراہوں کو لوگوں نے اسے کلام کی طرف منسوب کر کے آپؒ سے قطعِ تعلق کر لیا۔ حتیٰ کہ کتب سے بھی نکال دیا۔ جب آپؒ جذبہٴ پینچے تو وہاں کے لوگوں نے انہیں اپنا قاضی بنالیا۔ کہا جاتا ہے حسین بن منصور سلاج پر جو کچھ زیادہ انہی کی مداخلت تھا کہ انہیں رنج پہنچا یا تھا۔ ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ منور اور نامور آپؒ کی تاریخِ وفات ہے۔

ابو محمد ہے۔ ذہبا حنفی تھے حضرت ذوالنون مصری کے مرید ہیں۔ عراق کے شائعِ مظالم اور علمائے کبار سے تھے۔ حقیقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہٴ صبیحہ آپؒ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہد پر ہے۔ فرمایا بدینِ حق کی محنت یہ ہے کہ علم طے لیکن عمل کی توفیق نہ ہو۔ فرمایا: جماعت سے بڑھ کر کوئی مصیبت زیادہ بڑی نہیں۔ بڑی کرامت یہ ہے کہ اپنی جبری حادثوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کر دے۔ خدا کی عظمت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ صدیقِ ہادی جہاں تاریخِ وفات ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حسینؑ نے کہا: صحو و سکر دو وصف ہیں۔ بندہ کو ہمیشہ وصفِ خدا میں فانی ہونا چاہئے۔ شیخ نے فرمایا: اے پسرِ منصور تو غلطی پر ہے صحو حق کے ساتھ صحتِ حال ہے۔ اے منصورؑ کے بیٹے! میں تیرے کلام میں بڑی فضول اور بے معنی عبارت دیکھتا ہوں۔ مجھے اس کا انجام نیک نظر نہیں آتا۔

فرمایا: میرے دل میں آرزو تھی کہ ابلیس کو دیکھوں۔ پس ایک روز میں مسجد سے باہر آ رہا تھا دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص میری طرف آ رہا ہے۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو مجھے اُس سے وحشت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا: جس سے ملنے کی تمہیں آرزو تھی۔ میں نے کہا، اے ملعون! کس چیز نے تجھے آدم کو سجدہ نہ کرنے دیا۔ وحدتِ حق تعالیٰ میں نے نہ چاہا کہ غیر اللہ کو سجدہ کروں۔ میں اس کے جواب سے متحیر ہوا۔ میں ابھی اسے جواب دینے نہ پایا تھا کہ ندائے غیبی آئی: اے جنید! اسے کہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر میرے بندے ہوتے تو میرے حکم سے سترابی نہ کرتے۔ ابلیس نے جب یہ ندا سنی تو لغو مارا اور کہا: اے جنید! خدا کی قسم تو نے مجھے جلاؤ والا اور غائب ہو گیا۔

شیخ جنید کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آبادی سے کہیں دور ایک دیوانے میں عبادت خانہ بنایا اور وہیں اہل دنیا سے کنارہ کش ہو کر رہنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ہر رات اُس کے پاس ایک اونٹ لایا جاتا اور لانے والے کہتے کہ ہم آسمانی فرشتے ہیں۔ آپ اس اونٹ پر سوار ہو جائیے۔ ہم آپ کو بہشت کی سیر کرائیں گے۔ وہ اس اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اسے مقاماتِ دلکش کی سیر کرائی گئی۔ جہاں گل ہائے رنگارنگ تھے۔ آبِ رواں تھا۔ صورت ہائے زیبا تھیں۔ رات بھر وہ اس پُر فضا مقام کی گل گشت کرتا۔ صبح کو پھر اپنے اُسی مقام پر آ جاتا۔ یہ سلسلہ تا دیر قائم رہا۔ اس چیز نے اُس کے دماغ میں رعونت پیدا کر دی اور وہ متکبر و مغرور ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۹) علامہ ابو عبد اللہ کینیت ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر اصل وطن اقلیم مصر ہے۔ امام مالک کے شاگرد تھے۔ آپ کا شمار متعین علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ توحید و تجرید میں کتنا بے روزگار، عارفِ کامل اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے راہِ راست پر وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے جب خدا کا درِ اظہار کیا تو راہِ راست سے ہٹک گیا۔ فرمایا: خدا کی محبت کی ملامت یہ ہے کہ خدا کے حبیب کے اخلاق و افعال اور مرام و سنت سب میں پوری اتباع کی جائے۔ فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ بغفلت سے۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ مرقوم صحیح

رفتہ رفتہ یہ شیخ جنید کے کانوں تک پہنچی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ مغرورانہ بیٹھا ہوا ہے شیخ نے تمام احوال پوچھے۔ اس نے سب کچھ اسی طرح بتایا۔ شیخ نے کہا آج رات جب تو وہاں جائے تو تین بار لا حول پڑھنا۔ رات کو سب معمول اسے انہی مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اس نے براہ امتحان کلمہ لا حول پڑھا۔ شیاطین جو اس کام کے موکل تھے فرار ہو گئے۔ وہ تنہا رہ گیا اور اپنے آپ کو ایسی گندگی کے ٹھہر پڑا یا جس کی عفت سے دماغ چٹنا جاتا تھا۔ اس پاس موار جانوروں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر بے حد شیمان ہوا تو بہ کی اور دوبارہ خدمت شیخ میں رہنے لگا۔ ایک بار شیخ کے ایک مرید سے کوئی بے ادبی سرزد ہو گئی۔ وہ مارے مذمت کے باہر چلا گیا۔ اتفاقاً راستے میں شیخ سے دوچار ہو گیا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ ہیبت سے ایسا لگا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ چند قطرے غن کے زمین پر گرے جن سے لفظ اللہ نکلا۔ شیخ نے جب یہ دیکھا تو کہا، اچھا میرے سامنے جلوہ گری کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ بچے جو میرے سامنے کھیل رہے ہیں اس مقام میں تیرے برابر ہیں۔ شیخ کی یہ بات اُس پر نہایت سخت گزری حتیٰ کہ جاں بحق ہو گیا۔

بھوم میں شیخ جنید کا ایک مرید رہتا تھا۔ ایک روز اس کے دل میں خطروں کا گہرا گہرا جس سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ آغیہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر چہرے کی سیاہی دور نہ ہوئی۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ پھر سیاہی آہستہ آہستہ دور ہوئی شروع ہوئی اور چند روز میں چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔ شیخ کا ایک خط اس کے نام پہنچا کہ بارگاہ رب العزت میں باادب کیوں نہیں رہتے۔ مجھے چند روز سے دھوبی فنا پڑ گیا ہے تاکہ تیرے چہرے کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو جائے۔

شیخ جنید کے اٹھ مرید تھے جو سب کے سب ولایت میں کامل و اکمل تھے۔ ایک روز انہوں نے خدمت شیخ میں عرض کی، اے شیخ شہادت ایک عجیب نعمتِ جانفزا ہے۔ اسے حاصل کرنا چاہئے۔ شیخ نے ان کی تائید کی اور ان کے ساتھ ملکِ روم کی طرف جہاد کے لئے پل پڑے۔ ایک جگہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔ ایک گہرا آتش پرست کے ہاتھوں شیخ کے آٹھوں مرید ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ شیخ فرماتے ہیں میں نے اس وقت ہوا میں

نوکبادے ملحق دیکھے۔ میرے ساتھیوں میں سے جو شہید ہوتا تھا اس کی روح ایک کبادے میں رکھتے اور آسمان کی طرف لے جاتے۔ آخر ایک کبادہ باقی رہ گیا۔ میں نے یہ کہا یہ میرے لئے ہے۔ جنگ میں مشغول ہو گیا۔ دوران جنگ میں وہ گرجس نے میرے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، میرے پاس آیا اور کہا: اے ابوالقاسم! یہ آخری کبادہ میرے لئے ہے تو بغداد واپس چلا جا۔ اپنی قوم کی قیادت و سیادت کر اور اپنا مذہب میرے سامنے پیش کر میں نے اسے تلقین اسلام کی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر کفار سے لاتا ہوا شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس آخری کبادے میں اس کی روح رکھ کر آسمان کی طرف لے گئے ہیں۔

ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا: ”ول کس وقت خوش رہتا ہے۔“
فرمایا: ”جس وقت خدا ول میں جلوہ گر ہو۔“

فرمایا: ”مرد کو مردانہ خصلت اختیار کرنی چاہئے اور شبہات و وہم میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔“

فرمایا: ”جس نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی، وہ کبھی شاد نہیں رہ سکتا۔ وقت سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے تو پھر اسے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔“

فرمایا: جو اندوی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالا جائے اور جو کچھ پاس ہو اسے راہِ خدا میں دے دیا جائے۔“

فرمایا: ”خلق چار چیزیں ہیں:

۱۔ سخاوت

۲۔ الفت

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت۔“

کسی نے پوچھا: ”کس شخص کی صحبت اختیار کریں؟“
فرمایا: ”جو میرے ساتھ نیکی کر کے بھلا دے۔“

کسی نے بندہ کی تعریف پوچھی۔ فرمایا، جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔

پوچھا گیا: خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟

فرمایا: ترک دنیا اختیار کر۔ نفس کے خلاف کر۔ خدا تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔

ہر روز شنبہ ۱۷۔ رجب ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ مزار اقدس بغداد میں زیارت گاہ خلق ہے۔

بیان کیا جاتا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی

چار انگلیوں کو باندھے ہوئے تھے۔ ٹری انگلی کھولے ہوئے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی
آنکھیں بند کیں اور دواصل بقی ہو گئے۔

غسال نے چاہا کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالے۔ ندائے نبی آئی۔ ہمارے دوست کی

آنکھوں سے اپنے ہاتھ کو الگ رکھ۔ جو آنکھ ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہے وہ ہمارے لئے ہی
کھولی جاسکتی ہے۔

غسال نے چاہا کہ آپ کی انگلیوں کو کھول کر سیدھا کر دے۔ پھر نہ آئی۔ جو انگلیاں

ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہیں وہ ہمارے حکم ہی سے کھل سکتی ہیں۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا

تو ایک سفید کبوتر جنازہ پر آکر بیٹھ گیا۔ اسے ہر چند اڑانا چاہا مگر وہ نہ اڑا اور کہنے لگا اپنے آپ کو

اور مجھے پریشان نہ کرو۔ میرے بچے عشق کی میخوں سے اس جنازہ کے گوشوں پر جمے ہوئے ہیں

آج جیند کا قالب فرشتوں کے دوش پر ہے۔ اگر تمہارا شور و غل نہ ہوتا تو جیند کا جسم سفید

باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑتا۔ پھر وہ کبوتر جو دفن کے وقت جنازہ کے اوپر تھا،

غائب ہو گیا۔

قطعہ تاریخ وفات:

سید العارف ولی زماں ! یعنی حضرت جنید عالیشان

رفت چوں از جہاں بباغِ جنان ! نامور گشت سالِ رحلت آن

۲۶۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہ العزیز

نام جعفر بن یونس۔ کنیت ابوبکر۔ خراسانی الاصل تھے۔ موضع تبیلہ کے رہنے والے تھے۔
مگردلات بغداد میں ہوئی تھی اور یہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کے والد خلیفہ بغداد کے
حاجب (چوہدار) تھے اور خود شیخ شبلی مالک ہناوند تھے۔ ایک روز خلیفہ نے انہیں
بغداد میں بلایا اور حسن خدمات کے صلے میں خلعت پہنایا۔ خلیفہ سے رخصت ہو کر دربار سے
نکلے ہی تھے کہ اتفاقاً چھینک آئی اور آستین خلعت ہی سے ناک صاف کر لی۔ مخالفان
شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ یہ شخص کسی طرح بھی لائق خلعت نہیں ہے۔ حضور کے
عطا کردہ خلعت سے اس نے ناک صاف کی ہے اور یہ انتہائے بے ادبی ہے۔ خلیفہ
نے اس گستاخی پر شیخ کو معزول کر دیا۔ اس واقعے نے شیخ کی زندگی کو بدل ڈالا۔ آپ نے کہا
اگر کوئی مخلوق کے عطیہ کو بطور دستمال (دروال) کے استعمال کرتا ہے تو اسے منصب سے
معزول کر دیا جاتا ہے اور جو شخص خلعت معرفت الہی کی قدر نہ کرے تو اس کا کیا حال ہو گا۔
تاریک الدینا ہو گئے اور حضرت خیر نساج قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کرمات دینی سے
توبہ کی۔ حضرت خیر نساج نے انہیں شیخ جنید کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں
سے تھے۔ آپ نے خدمت شیخ میں رہ کر علم و عرفان کا بلند درجہ حاصل کیا اور حق و خلافت پایا۔
شیخ جنید آپ کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہر قوم کا مالک ایک تاج (سرور) ہوتا ہے

لے نام محمد بن اسماعیل اور کنیت ابو الحسین ہے۔ سکونت بغداد میں تھی۔ سامرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت
سری شعلی کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارف کامل تھے۔ نساجی (بافندی) آپ کا پیشہ
نہیں تھا۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں: شام کی ناز کا وقت تھا کہ ملک الموت نے سایہ ڈالا۔ آپ نے سر اٹھانے
سے سر ٹھایا اور کہا: صفاک اللہ تمھاری دیر توقف کرو کہ میں بھی خدا کا بندہ ہوں اور تم بھی خدا کے بندے ہو۔ تم کو خدا نے
حکم دیا ہے کہ میری جان نکالو اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو سب کام چھوڑ دو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے وہ
قضا نہیں ہو گا اور جو مجھے حکم ملا ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ پھر آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور جان جان آفرین کے
سپر درودی ۳۱۱ میں وفات پائی۔ "محرم دل" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

میراج ابو بکر شبلی ہے۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے۔

ایک روز شیخ شبلیؒ نے حضرت حنفیہؒ سے کہا: آپ کو ایزہ تعالیٰ نے گویا شنائی عطا فرمایا ہے۔ آپ اسے یا تو بیچ دیجئے یا بخش دیجئے۔ شیخ حنفیہؒ نے فرمایا: نہ فروخت کروں گا نہ بخشوں گا۔ فروخت کروں تو تیرے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے اور اگر بخش دوں تو یہ موتی تیرے ہاتھ مفت میں آجائے گا۔ مردانِ بامبت کی طرح اپنے آپ کو دریائے معرفت میں ڈال اور گوہرِ مقصود حاصل کر۔ شیخ شبلیؒ نے پوچھا: پھر کیا کروں؟ فرمایا: ایک سال تک کبریت فروش کر۔ (دیبا سلائی بیچ، ایک سال گزرنے کے بعد شیخ شبلیؒ خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے۔ فرمایا اب ایک سال تک بغداد کے کوچہ و بازار میں گداہی کر۔ مگر اس طرح پر کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا۔ شیخ شبلیؒ فرمودہ مرشد کے مطابق بغداد کے بازاروں میں گداگری کرتے رہے مگر کسی شخص نے آپ کو ایک جہ بھی نہ دیا۔ سال گزرنے پر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیوں شبلیؒ اپنی قدر و قیمت معلوم ہوئی؟ کوئی شخص تیری طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ اچھا اب ہناؤ نہ جا، جہاں تو حکومت کرتا رہا ہے۔ وہاں ایک سال در یوزہ گری کر۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے۔ کسی نے آپ کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا۔ سال گزار کر خدمتِ مرشد میں آئے۔ شیخ حنفیہؒ نے فرمایا: شبلیؒ ابھی ایک سال اور بغداد کے کوچہ و بازار میں گداہی کر۔ چنانچہ حکمِ شیخ کے مطابق آپ بغداد کی گلیوں میں بھیک کا ٹھیکرا لٹے بھیک منگائیں کر بھیک مانگتے رہے۔ شام کو خانقاہِ شیخ میں بھی حاضر ہوتے اور بھیک کے ٹکڑوں کو خدمتِ مرشد میں پیش کرتے۔

لے مالک نام کنیت ابو عبد اللہ۔ آپ ائمہ اربعہ میں سے اہل سنت کے دوسرے امام ہیں۔ تدبر و تفکر فی الدین۔ تخلصِ حدیث اور زہد و ورع میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ صحیح احادیث کا ایک مجموعہ موطا کے نام سے مدون کیا تھا جو کتبِ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اسے فقہی مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ محمد بن زکریا بن عبد اللہ بن حسن ثانی نے جب ابو جعفر المنصور عباسی کے عہد میں دعوائے خلافت کیا اور شکست کھائی۔ مدینہ میں حضرت امام صاحب نے ان کی حمایت کی تھی۔ اس کی پاداش میں منصور نے آپ کو کوڑوں سے چڑایا۔ حضرت امام شافعیؒ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ امام زہریؒ آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

ارشیع انہیں درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک سال گزرنے کے بعد حضرت خلیفہ نے پوچھا: کیوں شبلی اب تیرے نفس کا حال تیرے نزدیک کیا ہے؟ عرض کیا: پروردگار نے اپنے آپ کو خلقِ خدا کی کتریں مخلوق سمجھتا ہوں۔ فرمایا: اب تیرا ایمان درست ہوا۔

روایت ہے شیخ شبلی ہمیشہ اللہ اللہ کہتے۔ ایک درویش نے پوچھا: لا الہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا: دُعا ہوں اگر لفظِ اللہ سے پہلے نفی لائیں مشغول رہا اور سانس منقطع ہو گئی تو مقامِ نفی میں رہ جاؤں گا۔ درویش نے کہا میں اس سے بہتر توجیہ چاہتا ہوں۔ کہا لا نفی غیر اللہ کے لئے ہے اور میں غیر حق کو کسی صورت نہیں چاہتا۔ نوجوان نے کہا: میں اس سے اور زیادہ واضح جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا: اللہ کہنے میں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتا ہوں جیسا کہ روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ حسبِ حیثیتِ اِدِ خدا میں اپنا مال دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر خدمتِ رسول میں حاضر کر دیا اور حضرت صدیق اکبر نے تمام مال لاکر حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اے ابی بکر اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کیا: اللہ۔ اس نوجوان نے کہا: اے شیخ میں اس سے بھی اعلیٰ وضاحت چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: اے نوجوان میں نے بہتر سے بہتر صورتیں اور مثالیں تیرے سامنے پیش کیں لیکن تیری بہت اور حوصلہ بہت بلند ہے۔ سن اب اس سے بہتر کہتا ہوں۔ فرمایا: اس طریق کو اختیار کرنا اور اُس پر عمل کرنا جو موجبِ حکمِ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا: اے رسول فرما دیجئے تیرے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔ ان سب کو اپنے ہموار و لعب میں مشغول رہنے دیجئے۔ ان سے کوئی سروکار نہ رکھئے۔ پس اللہ کہنے کے لئے امر الہی صادر ہو گیا۔ نوجوان نے عرض کی: جزاک اللہ بس اب میرے لئے یہی کافی ہے۔ ایک نعرہ مارا اور واصلِ بحق ہو گیا۔

اس نوجوان کے وارثوں نے خلیفہ کے پاس جا کر دعوے رخن کر دیا۔ خلیفہ نے شیخ کو بلایا اور حقیقتِ حال کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے فرمایا: اُس کی رُوح مشتاقِ دید ہوئی۔ رونے لگی۔ فریاد کی۔ اُس طرف سے دعوت آئی۔ اس نے بیکر کہا اور جان بحق ہو گیا

میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خلیفہ نے کہا شیخ شبلی کو یہاں سے فوراً رخصت کرو۔ اس کے کلام سے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ قریب ہے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ اس پر شیخ شبلی کو مدعیانِ خون سے رہائی حاصل ہوئی۔ ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا، اگر املاکِ مین کون ہے اور کب ہوتا ہے؛ فرمایا: جب کسی گناہ کو صاف کر دے تو پھر اُس گناہ پر اُس کو مزارِ نہ دے بلکہ یہ کہنا بھی گناہ ہے کہ میں نے اپنے فلاں دوست کو بخش دیا۔

روایت ہے شیخ شبلی کچھ عرصہ اپنے مقام سے غائب رہے۔ ہر چند تلاش کیا، پتہ نہ پایا۔ ایک روز غمشوں کے گردہ میں دیکھے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اے شیخ یہ کیا بات فرمایا: یہ گردہ دنیا میں نہ مروج ہے نہ عورت۔ میں بھی اسی حالت میں گرفتار ہوں۔ نہ مرد ہوں نہ عورت۔ پس ناچار میری جگہ انہی میں ہے۔ روایت ہے شیخ ابھی مرض الموت ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر شہر میں اڑ گئی۔ لوگ انہوہ در انہوہ نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ شیخ نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہنس کر کہا: عجیب بات ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے آ رہے ہیں۔ اس وقت ایک شخص نے کہا: اے شیخ کلہ لا لہ الا اللہ کہئے۔ فرمایا: لا نہیں کہوں گا۔ لوگوں نے کہا: اس وقت سوائے کلمہ کہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص نے بند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ شیخ نے فرمایا: سبحان اللہ مردہ زندہ کو تلقین شہادت کرتا ہے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے پوچھا: کہئے آپ کیسے ہیں؛ فرمایا، ابھی محبوب سے لاچا ہوتا ہوں۔ یہ کہا اور واسلِ بقی ہو گئے۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات:

یافت چوں از دہر در جنت مقام
ہم محبِ اصفا بادی امام

۲۳۳ھ

شیخ دینِ شبلی است پیرِ بے نظیر
سیدِ دواں ست سالِ وصلِ او

۲۳۵ھ

۲۷۔ حضرت شیخ عبدالواحد میمنہ قدس سرہ

کنیت ابو الفضل، باپ کا نام عبدالعزیز بن حرت بن اسد تھا۔ شیخ ابوبکر تبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ خادمِ شریعت۔ سائبِ طریقت۔ واقفِ حقیقت اور امامِ اہل سنت والجماعت تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور شریعت و طریقت میں اپنے مرشد کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ ۴۲۵ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ مزار حضرت امام احمد بن حنبل کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔
قطعہ تالیف وفات :

جناب عبدالواحد شیخ اکبر
بر اوجِ شرع غرا مہر انور
پیشکِ ماہِ چوں اندر جناب شد
بوصلش "نورِ حقانی" عیاں شد
۳۲۲۵

۲۸۔ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی قدس سرہ

آپ کی اصل طرطوس سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالواحد میمنہ کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ اپنے زمانے کے قدوہ اولیاء و زبدۂ مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ صاحب مقامات و کرامات تھے۔ توکل اور تجرید و تفرید پر نامِ عمر ثابت قدم رہے۔ ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تالیف وفات :

حضرت ابوالفرح طرطوسی ولی
شیخ والا مرشدِ پیر و جوان
شد چو از دنیا بفر دوسِ بریں
بو پیر بے ریا "سائش عیاں"
۳۲۲۷

۲۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی قدس سرہ

علی بن محمود بن جعفر ہنکاری نام ہے۔ حضرت ابوالفرح طرطوسی قدس سرہ کے اکابر خلفائے تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار سے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت، مقتدائے زمانہ، حاتم الدہر اور قائم العیال تھے۔ تین روز کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ بعد از نماز عشاء تا نماز تہجد و قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ ۴۸۴ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات:

چوں زدیا گشت را ہی در جاں	بو الحسن آں رہبر دین رسول
سال وصل آں شہر والا مکان	آفتاب آمد و گر تاج عطا
	۴۸۴ھ

۳۰۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہ

مبارک بن علی بن حسین مخزومی نام۔ حضرت شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری کے نامور مرید و خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے زمانے کے سلطان الاولیاء، برہان الانبیاء، قدوہ ماہیان، زبدہ سالکان، پیر طریقت اور واقف رموز حقیقت تھے۔ نیز حضرت خضر کے رفیق و مصاحب اور حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی کے پیرو تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ مذہباً حنبلی المذہب تھے۔ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ لے حضرت امام احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام چہارم ہیں۔ حضرت امام شافعی کے شاگرد و رشید تھے۔ علوم قرآن و تفسیر و حدیث و فقہ میں امام وقت اور مجدد العصر تھے۔ زہد و تقدس میں بے نظیر اور اعلائے الحق میں بے غوث تھے۔ مسئلہ خلق قرآن کے اختلاف پر معتصم باللہ عباسی نے آپ کو کوٹوں سے کئی بار پٹوایا۔ کیونکہ آپ نے معتزلہ کے عقائد کے مطابق قرآن کو مخلوق اور خدا کی صفات اُس کی ذات سے الگ سامنے سے انکار کر دیا تھا اور معتزلہ اُن لوگوں کو مشرک اور کفران تصور کرتے تھے جو قرآن کو غیر مخلوق اور صفات الہی کو قائم بالذات سمجھتے تھے۔ معتزلی عقائد کو فروغ دینے میں معتصم اپنے بھائی امون الرشید (باقی صفحہ پر)

سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائے حال میں خدائے تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک وہ خود نہ کھلاؤں پلاؤں گے اور قہر میرے منہ میں نہ رکھیں گے۔ چالیس دن گزرنے پر ایک شیخ آیا اور کچھ کھانا میرے پاس رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ بھوک کی شدت سے کھانے پر آمادہ ہو جاتا مگر میں نے اپنے دل سے کہا بخدا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ اچانک میں نے آواز سنی کہ کوئی زور زور سے الجوع الجوع (بھوک بھوک) پکار رہا ہے۔ اتنے میں حضرت شیخ ابوسعید اس طرف سے گزرے۔ یہ آواز سن کر آپ نے پوچھا: اے عبداللہ! یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت یہ میرے نفس کا اضطراب اور بے چینی ہے۔ مگر روح اپنی جگہ پر قائم ہے اور مشاہدہ انوار خداوندی میں محو ہے۔ فرمایا: میرے گھر چلو۔ عرض کی میں اس جگہ سے قدم باہر نہ رکھوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر آپ تشریف لے گئے۔ اتنے میں ابوالعباس خضر تشریف لے آئے۔ فرمایا: اٹھو اور ابوسعید کی خدمت میں جاؤ۔ میں اُن کی طرف چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے دروازے میں کھڑے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اے عبداللہ! جو کچھ میں نے تجھے کہا تھا، کیا وہ کافی نہ تھا کہ تو نے خضر کو تکلیف دی۔ یہ فرمایا اور مجھے اپنے مکان کے اندر لے گئے اور جو کھانا تیار تھا وہ قہر قہر میرے منہ میں ڈالتے تھے۔ یہاں تک کہ میں اچھی طرح میسر ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا۔ پھر میں ان کی صحبت میں رہنے لگا۔ مدرسہ باب الانزخ کی عمارت آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے جو آپ نے حضرت غوث الثقلین کی زندگی ہی میں اُن کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت غوثِ اعظم کا مزار اسی مدرسہ میں ہے۔ ۵۰۸ھ یا ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔ تظہ تاریخ وفات:

ابوسعید اُن اسعدِ دورِ زمن ! جلوہ گر شد در جہاں چو ماہِ عید
شمسِ حق گو باز قطبِ عارفان سالِ وصلش طرغ بے گفت و شنید

دقیقہ حاشیہ ۱۳۹ سے بھی آگے تھا۔ اس نے امام صاحب پر بڑی سختیاں کیں مگر ان اذیتوں کے باوجود آپ کے عزم و استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور برابر اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ۶۴۲ھ میں وفات پائی۔ محبوب و مقبول آپ کی تاریخ وفات ہے۔

۳۱۔ حضرت حماد دِیاس بن مسلم قدس سرہ

ابو عبد اللہ کنیت۔ حماد بن مسلم دِیاس نام۔ دِیاس دو شاب فروش کو کہتے ہیں اور دو شاب انگور یا کھجور کے شیرہ کو کہتے ہیں جو باسی اور ترش ہو چکا ہو۔ اسی اعتبار سے اس کو دوش آب یعنی باسی کہا جاتا ہے۔ (نیز اس کے معنی ٹھنڈا پانی نیچنے والے کے بھی ہیں) اپنے زمانے کے پیران کبار، عارف اسرار اور صاحبِ خوارق و کرامت میں سے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کے پیر بھائی تھے۔ حضرت غوثِ ثقلین اکثر آپ کی خدمت میں جاتے تھے اور فرائدِ عظیم حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ ان پڑھ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی عطا فرما کر دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا۔ آپ کے کم و بیش بارہ ہزار مرید تھے۔ ایک روز فرما گئے میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات میں صبح کو یاد کرتا ہوں اور ان کی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرتا ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی گناہ کے جرم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا مانگتا ہوں یا پھر اس کے لئے جہان سے اٹھالینے کی درخواست کرتا ہوں تاکہ نادیر گناہوں میں مبتلا نہ رہے۔

حضرت غوثِ الاعظم نے جب آپ کی زبان سے یہ سنا تو آپ کے دل میں یہ گزرا اگر حق تعالیٰ مجھے ایسی قربت و منزلت عطا فرمائے تو میں یہ درخواست کروں کہ میرے مریدوں میں سے کوئی بھی ناقیام قیامت بغیر توبہ کے نہ مرے اور میں اس امر میں ان کا ضامن ہوں شیخ حماد کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا کہ جو کچھ عبدالقادر نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا ہے۔ نقل ہے اوائل عمر میں حضرت غوثِ اعظم حماد کی مجلس و عظمیٰ میں حاضر ہوتے تھے ایک روز شیخ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ اس نوجوان عجمی کا قدم اپنے وقت کے تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔ اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے عبدالقادر! کہو قدمیٰ ہذا حلہ رقبۃ کلہ ولی اللہ۔ جب آپ نے یہ فرمایا تو تمام اولیاء نے وقت نے اپنی گردنیں جھکا لیں۔ ۱۰۸ رمضان ۵۲۱ھ یا ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات :

شیخ حماد پیر روشن دل بود در ستر معرفت مستور
سال ترحیل اوست پیر طریق ہم رقم کن زبے مہ پُر نور

۶۵۳۵

۵۴۱

۲۲۔ حضرت شیخ بقا بن طوز قدس سرہ

تاج العارفین شیخ ابوالثنا سے بیعت تھے۔ بڑے زاہد و مابد اور صاحب کرامت تھے۔ حضرت غوث اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ صاحب انیس افتاد یہ رقم طراز ہیں کہ آپ نے ایک روز فرمایا میں مجلس حضرت غوث الثقلین میں حاضر تھا اور حضرت منبر کے پہلے پسٹے پر وعظ فرما رہے تھے کہ دورانِ وعظ میں دفعۃً خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے اتر کر زمین پر آ گئے۔ ساعت بھر خاموش رہے۔ پھر منبر کے پایہ دوم پر رونق افروز ہو کر وعظ کہنا شروع کیا۔ اس دوران میں میں نے مشاہدہ کیا کہ منبر حد نظر تک کشادہ ہو گیا ہے اور اُس پر سبز رنگ کی مسند بچھاٹی گئی ہے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ نے حضرت غوث اعظم کے دل پر تجلّی فرمائی ہے اور حضرت غوث الفرائدی کی شدت سے گراہی چاہتے ہیں کہ حضور اقدس انہیں سنبھال لیتے ہیں۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا جسم چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک

کہ اصل ہم کاکیش تھا۔ حضرت شیخ شبنکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار اور ادیبائے کاملین سے تھے۔ فضل و کمال میں آپ کی ذات آیت من آیات اللہ تھی۔ بڑے بڑے صاحب کمال آپ کے حلقہ تربیت فیض یاب ہو کر نکلے۔ حضرت غوث اعظم ایام جوانی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے ان کو اپنی تسبیح کا سہ اور عطا فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عمر بن ازفر ماتے ہیں تسبیح کو اگر زمین پر رکھا جاتا تو دانہ دانہ ہو کر بکھر جاتی اور مردانہ گھونٹے لگتا۔ پیادہ کو اگر کوئی ہاتھ لگاتا یا لینا چاہتا تو یہ پیادہ خود بخود اس کے ہاتھ میں آ جاتا۔ ۵۳۰ھ میں وفات پائی۔ عاشق مہدی آپ کی تاریخ وفات ہے۔

کہ وہ چڑیا کے مانند ہو گیا ہے مگر پھر ساتھ ہی بڑھنا شروع ہو گیا ہے اور اس قدر بڑھ گیا ہے کہ آپ کے چہرہ مبارک سے خوف آنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ سب معاملہ چشم زدن میں میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے اور حضرت نے دوبارہ وعظ کتنا شروع کر دیا ہے جب اصحاب مجلس نے یہ واقعہ حضرت بقا کی زبانی سنا تو رویتِ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت پر چھی۔ آپ نے کہا ایزد تعالیٰ نے ارواح پاک کو صغور و اجساد اور صفات ایمان میں متبدل ہونے کی صلاحیت و طاقت عطا فرمائی ہے مگر ان کو وہی دیکھ سکتے ہیں جن میں ایسی ہی صلاحیت قوت ہو۔ حاضرین مجلس نے حضرت غوثِ اعظم کے گرنے اور پہلے چھوٹا ہونے اور پھر بڑا ہونے کا سبب دریافت کیا۔ کہا، تجلی الہی ابتدا میں حضرت غوثیہ پر ایسی تھی کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر تباہید جنابِ نبویؐ اسی لئے حضورؐ نے انھیں پکڑ لیا اور تجلی ثانی صفتِ جلال میں تھی کہ جسم مبارک گداز ہونا شروع ہو گیا اور چڑیا سے بھی چھوٹا نظر آنے لگا اور تجلی ثالث صفتِ جمال میں تھی جس کے ظہور سے پہلے آپ کا جسم بے حد و نہایت بڑھا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ شیخ بقا نے ۵۵۴ھ میں وفات پائی۔ مزار بابِ توسل میں ہے جہنم ملک کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔

قطعة تاریخ وفات :

چوں بقا با صد ہزاراں خرمی ! رفت از دار فنا سوئے بقا
سالِ تحشیش ز سرور شد رقم زبده آفاق قطب الحق بقا

۵۵۴ھ

۳۳۔ حضرت شیخ علی بن سیدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار مشائخ کبار اور بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے۔ تاج العارفین شیخ ابو الوفاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات سے حصہ وافر حاصل کرتے تھے۔ جس وقت حضرت غوثِ اعظم نے قدیٰ هذا علی مراقبۃ صلّی اللہ فرمایا تھا تو آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے منبر پر جا کر حضرت کا

قدم مبارک اپنی گردن پر رکھتا تھا۔ ایک روز آپ حضرت غوثِ اعظم کی مجلسِ وعظ میں شریک تھے اور آپ کے نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر غلبہ خواب طاری ہونا شروع ہوا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت غوثِ اعظم نے فرمایا: اسے اہل مجلس خاموش ہو جاؤ اور آپ خود منبر سے نیچے تشریف لا کر ان کے پاس باادب کھڑے ہو گئے۔ جب شیخ علیؒ بیدار ہوئے تو حضرت نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: میں اسی لئے تو حضورِ اقدس کے احترام میں مودب کھڑا تھا۔ پوچھا کس بات کی وصیت فرمائی؟ کہا: آپ کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: تم جو خواب میں دیکھ رہے تھے میں حالتِ بیداری میں دیکھ رہا تھا۔

حضرت غوثِ اعظم ان کی بڑی توقیر فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد کیا کہ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی عالمِ غیب و شہود سے بے نیاز ہیں آئے گا وہ میرا مہمان ہے لیکن میں علی بن حبیبی کا مہمان ہوں۔

ایک روز آپ قصبہ نہر ملک میں گئے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ وہاں کے باشندے ایک مقتول کے سر ہانے کھڑے جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے سر پر قتل کا الزام رکھ رہے ہیں۔ آپ نے جب یہ نزاع دیکھی تو مردے سے مخاطب ہو کر کہا: بندہ خدا خود ہی کیوں نہیں بتا دیتا کہ تیرا قاتل کون ہے؟ مردے نے فی الفور آنکھیں کھولیں اور کہا میرا قاتل فلاں ابن فلاں ہے اور پھر آنکھیں بند کر کے مر گیا۔ ۵۶۱ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرتد زہرِ ان میں ہے۔

قطعہٴ تاریخِ وفات :

علیؒ رہنمائے خفی و حبلی	علیؒ رازدارِ علیؒ و نبی
گلو کا ملِ عشقِ ترحیلِ او	دگر بود "مقبولِ دوراں علیؒ"
۵۶۱ھ	۵۶۱ھ

۴۴۔ حضرت غوث الثقلین محی الدین سلطان شیخ سید القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (الحسنی الحسینی الخنبلی الشافعی)

سید عبدالقادر نام، ابو محمد کنیت، امام الائمہ محی الدین لقب، محبوب سبحانی،
قلب ربانی، غوث صدیقی خطاب۔ غوث الثقلین، غوث الاعظم عرف، سلسلہ نسب
سید محمد معروف بہ حسن متقی بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک
اس طرح منتهی ہوتا ہے۔ سید عبدالقادر بن ابی صالح بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید
عمر زابر بن سید محمد رومی بن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن عبداللہ ثانی بن موسیٰ ثالث بن
سید عبداللہ محسن بن سید محسن بن سید محمد معروف بہ حسن متقی بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایت ہے آپ نے فرمایا جمعہ کے روز میں باہر سے شہر بغداد میں داخل ہوا۔ میں
ایسے بیمار کے پاس سے گزرا جو نہایت زار و زار کمزور و نحیف تھا۔ اس ضعف و نقاہت
کے باعث اس کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کہا۔
میں نے جواب دیا۔ پھر کہا میرے پاس آئیے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس نے کہا: کیا
آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: میں آپ کے جد امجد کا دین
ہوں مجھے بیٹھائیے۔ میں نے اسے سہارا دے کر بیٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیٹھتے ہی
اس کا جسم تازہ اور اس کا چہرہ روشن ہو گیا ہے۔ رنگ نکھر گیا ہے اور وہ تندرست معلوم ہونے
لگا ہے۔ اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور
آپ محی الدین (دین کو زندہ کرنے والے) ہیں۔ میں اس سے رخصت ہو کر جامع مسجد گیا
جب نماز سے فارغ ہوا تو لوگ ہر طرف سے آکر مجھے محی الدین کہنے لگے۔ فرمایا: میرا تصرف
جن و انس پر ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل
کرتے تھے اسی طرح جنات بھی صفت بہ صفت حاضر خدمت ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔
فرمایا: جس طرح انسان میں مشائخ ہوتے ہیں اسی طرح جنات و ملائکہ میں بھی مشائخ ہوتے ہیں۔

میں جن انسان اور ملائکہ سب کا شیخ ہوں۔

شیخ ابو سعید عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری ایک سولہ سالہ لڑکی تھی۔ ایک روز وہ چھت پر گئی اور گم ہو گئی۔ ہر چند تلاش کیا نہ ملی۔ حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: ہم آج رات بغداد کے محلہ خرابہ کرخ میں جا کر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور اُس میں بیٹھ کر بسم اللہ علی بنت عبدالقادر پڑھتے رہو۔ رات کی تاریکی میں جنات کی ایک جماعت کا اُس طرف سے گزر ہو گا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ تم ان سے غوث نہ کھانا۔ صبح کے وقت جنات کا بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزرے گا۔ وہ تجھ سے کہے گا: بتاؤ کیا کام ہے؟ تم کہنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے ہمیں تمہاری خدمت میں بھیجا ہے اور اپنی لڑکی کے گم ہونے کا واقعہ بتانا۔

پس اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ جنات گردہ در گردہ مختلف شکلوں میں اس طرف سے گزرتے لیکن اس دائرہ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور دائرہ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا: تیرا کیا کام ہے۔ میں نے کہا: شیخ سید عبدالقادر جیلانی نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ زمین چومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کس لئے بھیجا ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے غائب ہو جانے کا واقعہ سنایا۔ اُس نے حکم دیا: اس کی لڑکی کو جو جن اٹھا کر لے گیا ہے وہ فوراً حاضر کیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جن مع لڑکی کے حاضر کیا گیا۔ یہ جن چین کے جنات سے تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تو نے اس لڑکی کو حضرت غوث اعظم کے حلقے سے اٹھالیا۔ اُس نے کہا: مجھے اچھی لگی تھی، میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ جنات نے حکم دیا کہ اس کا سرا ڈایا جائے۔ اور لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔ میں نے بادشاہ جنات سے پوچھا تجھ سے زیادہ میں نے فرماں بردار شیخ کا کسی اور کو نہیں پایا۔ کیا وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا: ہم اُن کے فرماں بردار کس طرح سے نہ ہوں جب وہ گھر میں تمام دنیا کے جنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی ہیبت سے جنات فقراً اٹھتے ہیں۔

آپ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔ یہیں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔
یہ فقہ طبرستان کے مضافات سے ہے۔ اس قصبہ کو جیل یا گیل بھی کہتے ہیں اور اسی نسبت
سے آپ کو جیلانی و گیلانی کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے
انا الجیلی ومعنی الدین اسمی۔ و اعلامی علی مرا اس الجبال۔

بعض مورخین کی رائے میں جیل دریا کے کنارے ایک قصبہ کا نام ہے
نیز ایک اور روایت کے مطابق مدائن کے قریب جیل ایک موضع کا نام ہے۔ ان دونوں
کی نسبت سے آپ کو جیلانی یا گیلانی کہتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے ان دونوں مقامات
پر سکونت فرمائی ہو جیسا کہ برج عجمی میں آپ کچھ عرصہ قیام پذیر رہے اور یہ برج آپ کے
ساتھ منسوب ہو گیا حالانکہ یہ بغداد میں واقع ہے مگر درحقیقت آپ کا مولد گیلان ہی ہے
جو طبرستان کے مضافات میں سے ہے۔

آپ راسخوناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے اور خرقہ ارادت حضرت شیخ ابوسعید
مبارک مخزومی قدس سرہ سے حاصل کیا ہے جن کا سلسلہ بیعت حضرت مودت کرخی تک
پہنچ کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام منتہی ہوتا ہے اور پھر ان کے آبا کے واسطے سے حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیر محبت حضرت شیخ حماد دیاسی
قدس سرہ تھے نیز آپ کی اکثر صحبت حضرت خضر سے رہی ہے۔ فقہی مسائل میں آپ
امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر،
ابن محمد بن ادیس نام، ابو عبد اللہ کنیت۔ لقب شافعی تھا۔ قریشی ہاشمی تھے۔ ائمہ اربعہ کے میسرے امام میں

پہلے مدینہ میں حضرت امام مالک سے التساب علم کیا۔ ان سے موطن پڑھی۔ پھر عراق آئے اور حضرت امام
محمد شیبانی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ سے تھے ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر کلیل علوم کی۔
اور مرتبہ اجتہاد حاصل کیا۔ علوم قرآن و حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ اس تجربہ علم کے ساتھ بڑے زاہد و عابد و
امین تھے۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ تمام عمر علوم و دنیا کی نشر و اشاعت میں
گزاری۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس قرآن مصر میں واقع ہے۔ حبیب اصغیارؒ آپ کی
تاریخ وفات ہے۔

لقب امت الجبار اور نام فاطمہ بنت شیخ عبداللہ صومعی ہے۔ جو گیلان کے اکابر ادیبان میں سے تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی نے نغاث الانس میں فرماتے ہیں: حضرت شیخ عبداللہ صومعی گیلان کے اکابر مشائخ۔ سردارانِ زہاد اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے۔ عرفان و سلوک اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ اگر آپ کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ فوراً آپ کی طرف سے انتقام لے لیتا تھا اور جیسی آپ کی خواہش ہوتی تھی ویسا ہی ظہور پذیر ہوتا تھا۔ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بغرض تجارت سمرقند روانہ ہوئی۔ راستے میں رہزنوں نے حملہ کر کے اُن کے مال و متاع کو لوٹنا چاہا۔ چنانچہ آپ کے دوستوں نے اس افراتفری میں آپ کو استدعا کے لئے پکارا۔ آپ فی الفور گھوڑے پر سوار وہاں پہنچے اور باؤز بلند سبح قدوس ربا و رب الملائکۃ و الروح کہا۔ یہ سنتے ہی تمام رہزنوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب امن و اطمینان ہوا تو آپ کی ادھر ادھر تلاش کی گئی مگر آپ کو نہ پا کر یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی یہ ابداد باطنی تھی۔

حضرت غوث الاعظم کی ولادت جیلان میں ماہ رمضان کی پہلی شب ۷۰۰ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور اس عمر میں اولاد کی توقع منقطع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی آپ کے کرامات سے ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی عارفہ و صالحہ

لے عبدالرحمن نام، لقب علاء الدین اور خطاب نور الدین تھا۔ والد کا نام نظام الدین تھا۔ پچھلے اصغمان میں سکونت رکھتے تھے پھر نقل مکان کر کے جام اکرن قلعہ میں ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت امام محمد شبیبی الترمذی ۱۰۹ھ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے متقی و نڈا ہے۔ ظاہری علوم ہرات میں مولانا خواجہ علی سمرقندی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے ان کے حلقہ و کس میں شامل ہو کر تحصیل کئے۔ پھر حضرت خواجہ سعد الدین کاشغری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تکمیل سلوک کی۔ اپنے زمانے کے جید عالم، بے مثال فاضل اور عارف کامل تھے۔ آپ کی ذات جامع علوم شریعت و طریقت ہے۔ شاعری میں بھی درجہ بلند رکھتے تھے۔ تمام کلام مازنازہ اور حقائق و معارف سے پُر ہے۔ جنفی الذہب ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احوار نقشبند الترمذی ۸۹۵ھ سے آپ کو الہامہ عقیدت تھی۔ نغاث الانس، شواہد النبوت، سلسلہ الذہب، ثنوی یوسف زلیخا، دیوان جامی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔ خواجہ جامی آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

آپ فرماتی ہیں: جب میرا لڑکا عبدالقادر پیدا ہوا۔ رمضان بھرون میں کبھی دودھ منہ میں نہیں لیا۔ فرماتی ہیں: ایک روز مطلع ابراؤ کو د تھا، چاند نظر نہ آ سکا۔ لوگوں نے آکر مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا آج دن بھر میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں جیلان سے بغداد تحصیل علم کے لئے تشریف لائے۔ پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں قناز شہر آفاق ہو گئے اور اسی پہلے سفر میں ساٹھ رہزनों نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

۵۲۱ھ میں بر اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیٰ منبر پر وعظ کنا اور دعوت و تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ آپ تمام علوم متداولہ میں مہارتِ کامل رکھتے تھے اور ہر علم سے متعلق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اس جناب اکثر حالتِ وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ "اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات سنو کہ میں نائب و وارثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔"

آپ کی ہر مجلس میں ستر ہزار حاضرین کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چار سو شخص آپ کے کلام کو نکتے تاثر کلام کا یہ حال تھا کہ سامعین میں سے اکثر لذتِ ذوق و شوق و غلبہ حال میں دعاں بحق ہو جاتے۔ بعض پر بخود دی و وجد طاری رہتا اور وہ کئی کئی دن تک ہوش میں نہ آتے۔

شیخ ابو سعید قلیوی فرماتے ہیں: آپ کی مجلس وعظ میں میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر پیغمبروں علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز ملائکہ اور جنات کو صفت بر صفت دیکھا ہے۔

تصانیف میں فتوح الغیب، جلال الخواطر، غنیۃ الطالبین، فتح الربانی اور قصائد وغیرہ

لے حسنی سادات اور عراق کے مشائخ کبار سے تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل اور کرامات و مقامات میں درجہ بلند کے

حاصل تھے غرقہ ارادیت حضرت غوث الاعظم سے حاصل کیا تھا۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قلیویہ میں ہے۔

لے یہ کتاب آپ نے اپنے فرزند شیخ شرف الدین عیسیٰ الترقی ۵۵۳ھ کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی توالیف و تصانیف سے ہیں۔ کتابوں میں آپ کا حلیہ مبارک (خلقت و صورت آرائش و صفت) اس طرح تحریر کی گئی ہے۔ نحیف الجسم، قدیانہ، کشادہ سینہ، بلند پیشانی، گندم گون رنگ، دونوں ابرو باہم پیوستہ، آواز بلند، لباس عالمانہ زیب تن فرماتے تھے۔ کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کبھی لیس کپڑے ہوتے تھے کہ ایک گز ایک دینار قیمت کا ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں میں اس وقت تک نہیں پہنتا جب تک پہننے کا حکم نہ فرمائیں۔ میں اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک وہ نہ کھلائیں۔ میں اس وقت تک بات نہیں کرتا جب تک کہ نہ بلوائیں۔

سلاطین و اُمراء کے علاوہ اگر کوئی شخص خدمتِ اقدس میں ہدیہ و نذرانہ پیش کرتا تو اسے قبول فرمایتے اور حاضرین میں تقسیم فرما دیتے۔ اگر کوئی صدقہ لاتا، اسے بھی قبول کرتے مگر خوراس میں سے تناول نہ کرتے۔ تمام کا تمام حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ سے زیادہ خوش اخلاق، باجیا، شریف، مہربان اور نرم دل کوئی دوسرا نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے ہر مصاحب کو یہی گمان ہوتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں چاہتے۔

ایک روز ایک چور آپ کے گھر آیا۔ اندھا ہو گیا اور کچھ نہ لے جاسکا۔ اسی اتار میں جناب خضر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یا ولی اللہ ایک ابدال فوت ہو گیا ہے جس کے لئے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵) حضرت کے یہ صاحبزادے آپ ہی کے خلیفہ و شاگرد تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ بغداد میں حدیث و فقہ کا درس دیتے تھے۔ علمِ تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف جواہر الاسرار ہے۔

تک یہ کتاب حضرت طوطی الاعظم کے ملفوظات ہیں۔ انہیں آپ کے فرزند شیخ تاج الدین عبدالرزاق المتوفی ۹۵۵ھ نے جمع کیا تھا۔ آپ بھی اپنے والد ماجد کی خلیفہ و شاگرد تھے۔ ولایت و امامت میں درجہ بلند پر فائز تھے۔

کے علوم فقہ و حدیث و تصوف میں آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ علامہ الحکیم سیاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۹۸ھ نے حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہ المتوفی ۱۰۴۶ھ کے ایسا سے کیا تھا۔

لے ابدال، اوتاد، رجال الغیب، اہل تصوف میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ابدال کی تعداد شریبان کی جاتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی وصال پا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اوتاد اہل تصوف میں سے اُن اولیاء کا خطاب ہے جو اپنے مقام سے کہیں نہیں جاتے ان کی تعداد چار ہوتی ہے۔ رجال الغیب یا (باقی اگلے صفحہ پر)

حکم ہوا اُسے اُس ابدال کی جگہ پر مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا: ہمارے گھر میں ایک شخص امیدوار آیا ہوا ہے اور ہمارے گھر کے ایک کونے میں چُپا ہوا ہے۔ جاؤ اسے باہر لا کر مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دو۔ حضرت خضر اسے باہر لے آئے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا وہ گمراہ ایک ہی نظر کیا اثر سے بنا ہوا کہ مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا۔

رجال الغیب میں سے ایک اڑتا ہوا شہر بغداد کی جانب سے گزرا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ شاید بغداد میں اس وقت کوئی مردِ باخدا نہیں ہے۔ حضرت طوٹ الاعظم کو فوراً باطن سے اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے اُس کے کمالات و احوال کو اسی وقت سلب کر لیا۔ پس وہ مردِ غیب ہوا اسے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے قصور کی معافی چاہی اور تائب ہوا۔ حضرت نے اُس کے کمالات و احوال اُسے واپس فرما دیئے اور وہ پھر اسی طرح اڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت غوثِ اعظم منبر پر رونی افروز ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔

(دقیقہ شیعہ صفحہ ۱۱) چل تئیں۔ اہل تصوف میں وہ چالیس ابدال جن کے وجود سے عالمِ ایجاد کا انتظام بحکمِ ملکِ عظام قائم ہے۔ غوثِ قطب، رئیسِ اولیا، ابو الوقت، عارفِ کامل، پیشوائے طریقت، صاحبِ تصرف و خوارقِ کرامت اور دواصلِ کئی ہوتا ہے۔ نیز علماء و صوفیہ کی ایک جماعت کثیر حضرت خضر کی نبوت اور ان کی حیاتِ جاوید پر متفق ہے۔ مولانا عبدالحی محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ جمہورِ اہل علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ خضر زندہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں پرگے جب تک قرآن مجید اٹھا نہیں لیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے شرح البخاری میں اور امام سخاوی نے بھی یہی کہا ہے مگر محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں امام بخاری، ابن مبارک، ابن حزم اور ابن جزئی شامل ہیں۔ صوفیہ سے حضرت خضر کی طاقات و تراتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ غوثِ قطب کی صحبت میں وقت گزارتے ہیں۔ صلحائے زمانہ کو تعلیم دیتے ہیں اور اکثر تبرک مقامات پر تشریف لاتے ہیں۔ بعض صوفیہ اپنے مرشد سے فیضِ یاب ہونے کے علاوہ حضرت خضر اور دیگر بزرگوں کے بھی اویسی تھے۔ اویسی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی سے باطنی فیض پہنچا ہو۔

دوسرے قریب اولیاء اللہ حاضر مجلس تھے، جن میں شیخ حماد یاس بن مسلم، شیخ بقار بن طور، شیخ علی سہیتی، خراجہ یوسف ہمدانی، شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقادر سہروردی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ قصبہ ابان، شیخ احمد بن مبارک، شیخ صدقہ، شیخ مبارک، شیخ یوسف بن ابوب نام، ابویقوب کنیت، ہمدان کے رہنے والے تھے۔ شیخ بول فارمدی سے بیت تھے۔

شیخ ابواسحاق شیرازی سے بھی اغذ فیض کیا تھا۔ جب تحصیلِ علوم کے لئے بغداد تشریف لائے تو حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ مذہبِ اخفی تھے۔ سلسلہ خراجگانِ پشت کے سردار ہیں۔ ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مر میں ہے۔ خواجہ حسن اذانی، خواجہ احمد یسوی، خواجہ عبدالقادر غجدانی آپ کے نامور مرید و خلفاء ہیں۔

۵ نام عبدالقادر، لقب ضیاء الدین، سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق تک منتهی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ احمد غزالی المتوفی، ۵۱۱ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام علوم میں کامل و اکمل تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے ہم نشینی کی سعادت حاصل تھی۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی۔

۶ شہاب الدین نام، ابوجعفر کنیت، شیخ الشیوخ لقب، والد کانام شیخ محمد تھا۔ عراقِ عجم کے مشہور قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اپنے علم بزرگوار حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر کے بزرگ تیس مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی کتاب فیض کیا تھا۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے۔ متعدد تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے عوارف المعارف، تعارف میں بڑے پایہ کی تصنیف ہے۔ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے عالم متبحر تھے۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔

آپ کے مرید بھی اپنے وقت کے فاضل و کامل ہوئے ہیں۔ خاص کر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی، سید نور الدین مبارک خرنوی، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی بخش شیرازی آپ کے نامور خلفائے تھے۔

۷ کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے کامل مریدوں سے تھے۔ صاحبِ عوارف و کرامت تھے۔ کسی حضرت غوث اعظم سے شکایت کی کہ قصبہ ابان ناز نہیں پڑتے۔ فرمایا، اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ کے آستان پر سجدہ ریز رہتا ہے۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔

۸ مابود زاد اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ حضرت غوث اعظم کے خادم خاص تھے۔ آپ کو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت جب و محلہ کے لئے کرسی پر تشریف لاتے تو آپ کرسی پر اپنی چادر بکھایا کرتے تھے۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے اکابر صوفیہ بھی شریکِ مجلس تھے۔ درمیانِ خطبہ میں آپ نے فرمایا: قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ شیخ علی ہمدانیؒ اٹھ کر منبر کے پاس آئے اور حضرت غوث الاعظمؒ کا پاؤں مبارک اٹھا کر اپنی گردن پر رکھا۔ اس پر تمام اویانے اپنی گردنیں جھکالیں۔ روایت ہے اکثر اولیاء جو حضرت غوث الاعظمؒ کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے نورِ باطن سے ظہورِ نورِ غوثیہ کی پیشین گوئی کی تھی ان میں سے خاص کر شیخ ابوبکر بن مراد الطائفی قدس سرہ جو عراق کے متقدمین اکابر مشائخ سے ہیں اور خوارق و کرامت مقامِ بلند میں جنہوں نے عالمِ رویا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی اور غرقہ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جو بھی میرے روضہ میں داخل ہو اس پر دوزخ کی آگ حرام فرما اور یہ مشہور ہے کہ اُن کے مزار کے قریب گوشت یا مچھلی پکانے سے کبھی نہیں پکتی تھی۔ مزار مبارک بطائج میں ہے۔ فرماتے ہیں، عراق کے اوتادِ سات بزرگ ہیں۔ معروف کنجی، امام حنبلی، بشر حافی، منصور بن عمار، حنفیہ بغدادی، سیل بن عبداللہ تشرنی اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم۔ ان سے پوچھا گیا: شیخ عبدالقادر کون ہے؟ فرمایا: ایک کریم النفس عجب ہے۔ جو بغداد میں پیدا ہوا اور اس کا ظہور پانچویں صدی ہجری میں ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ ملکہ) کنیت ابوالفرج ہے۔ باپ کا نام حسین تھا، سکونت بغداد میں تھی حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں بالکمال تھے۔ ۵۰۲ھ میں وفات پائی۔

۱۰۰۰ھ کے آباد اہل و کھنستان کے رہنے والے تھے۔ فوجِ سامرہ ان کا وطن تھا۔ تاج العارین ابوالوفاء کے مرید تھے۔ عالم و فاضل اور صاحبِ کراماتِ عالیہ تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے شرفِ ہم نشینی حاصل تھا۔ ۵۰۹ھ میں وفات پائی۔

۱۰ کنیت ابونصر ہے۔ والد کا نام حارث بن عبدالرحمن ہے۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ عراق کے مشائخ متقدمین میں مرتبہ بلند رکھتے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ بغداد میں سکونت رکھتے تھے۔ اپنے ماسوں علیٰ خیرم کے مرید تھے۔ امام احمد حنبلی اور فضیل عیاض کی صحبت میں رہے تھے۔ ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

۱۱ کنیت ابومحمد ہے۔ ذہبِ اخفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ عراق کے علمائے بکبار اور مشائخِ عظام سے تھے۔ طریقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہیلہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہدہ نفس پر ہے۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت غوث الثقلین فرماتے ہیں: میں نے مکمل پچیس سال جنگلوں میں تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں گزارے ہیں۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ پندرہ سال تک نماز عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر طلوع صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے آرزوئے عواب کی۔ مگر میں نے اُس کی اس خواہش پر کان نہ دھرا اُس وقت میں چالیس دن کا روزہ رکھتا تھا اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں اور اشیائے مباحِ بیابانی سے روزہ افطار کرتا تھا۔

فرمایا: حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ میں نے اپنی حد نظر تک دیکھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی میرے اصحاب اور مریدوں کے نام لکھے ہوئے تھے جو قیامت تک اپنی نسبتوں کو میری طرف منسوب کر کے اصلاح چاہیں گے۔ حکم ہوا میں نے ان سب کو تیری وجہ سے بخش دیا۔

فرمایا: خدا کی قسم میں اُس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔
فرمایا: اگر میرا کوئی مرید مشرق میں رہتا ہو جائے تو میں مغرب میں ہونے کے باوجود اُس کو اپنے دامن میں چھپاؤں گا۔

دریافت کیا گیا، حضرت اگر کوئی شخص اپنے آپ کو حضور کا مرید کہے۔ مگر درحقیقت اس نے آپ سے بیعت کی ہو نہ خرقہ پہنا ہو۔ کیا ہم اُس کو حضرت کے مریدوں میں شمار کریں۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں جو اپنی نسبت میری طرف کرے گا حق تعالیٰ اُس کو قبول فرمائے گا، اُس کے گناہ بخش دے گا اور وہ میرے مریدوں ہی سے سمجھا جائے گا۔

فرمایا: ہر مسلمان جو میرے در سے کی طرف سے گزرا یا اس نے میرا منہ دیکھا یا میرا نام سنا اور خوش ہوا۔ اُس پر سے تار و زیقاقت عذاب دُور کر دیا جائے گا۔

آپ کی وفات شریف ہر روایات صبح شب شنبہ ۸ یا ۹ ربیع الثانی بعد از نماز عشاء ۵۹۱ھ یا ۵۹۰ھ میں واقع ہوئی۔ بعض اہل تاریخ گیارہ یا تیرہ یا سترو ماوند کو بیان کرتے ہیں مگر صبح ۹ ربیع الثانی ہی کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند میں آپ کا سالانہ عرس اکو اور بغداد میں

ا، کو ہوتا ہے۔

مزارِ اقدس لہذا میں مدرسہ باب الانح میں زیارت کا وِخلق ہے۔

[آخر میں مولف خزینۃ الاعفیاء حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ حضرت غوث الاعظم سے جتنی کرامات سرزد ہوئی ہیں اتنی کسی اور ولی اللہ سے نہیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کتب ہجۃ الاسرار، الخضر قادریہ، امیس القادریہ، مناقب غوثیہ وغیرہ میں مفصل و مشروح مذکور ہے۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے کتاب خزینۃ الاعفیاء سے پہلے ایک کتاب گلدستہ کرامات حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ و مطالعہ کی جائے۔ مولفِ علام نے تین کتابیں حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کی منقبت میں تالیف و تصنیف کی ہیں :

- ۱۔ گلدستہ کرامات : یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نوکشور لکھنؤ سے چار بار دہلی سے دوبار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ اس میں کل ایکانوے مناقب ہیں کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی ایکانوے سال کی تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ "باغِ محی الدین گیلانی" اس کی تاریخ تالیف ہے۔
- ۲۔ مناقب غوثیہ : حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کاسلیس اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اجمال کم یاب ہے۔

- ۳۔ دیوان سروری : اردو نظم میں ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔ لکھنؤ، دہلی اور لاہور میں کئی مرتبہ چھپا۔ یہ پورا دیوان حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ دو غزلیں لکھی جاتی ہیں جن سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مغفور کو غوث الاعظم قدس سرہ سے کس قدر والہانہ ارادت و عقیدت تھی۔

(۱)

توئی در دو جہاں والی اغثنی شاہ محی الدین
توئی شاہنشاہ عالی اغثنی شاہ محی الدین

منم یک خادم کتر بحالِ خویش بس مضطر
مدد کن اے شہِ اکبر اغثنی شاہِ محی الدین

من ایں حالت کرا گویم مدد من از کعبِ جویم !
سیاہِ روم کجا پویم اغثنی شاہِ محی الدین

منم بیکس نہ کس دارم نہ کس فریاد رس دارم !
نقطہ از تو ہو کس دارم اغثنی شاہِ محی الدین

بہ ہیں چشم پُر آبِ من بہ ہیں حالِ خرابِ من
بہ ہیں ایں پیچ و تابِ من اغثنی شاہِ محی الدین

حکومت را توئی شلبے ولایت را توئی ماہے
توئی پیرِ دل آگاہے اغثنی شاہِ محی الدین

توئی سردارِ کلِ عالم بہر بیکس توئی بہدم
بہر دور کن نظر بہر دم اغثنی شاہِ محی الدین

(۲)

افسر اہل صفا حضرت غوث الثقلین !
گشت محبوبِ خدا حضرت غوث الثقلین

جلوہ گر نورِ بخش گشت بجا لم چوں ماہ
ماہِ رواہِ تقا حضرت غوث الثقلین

مخزنِ لطفِ کرم مطلعِ انوارِ قدم
معدنِ جود و سخا حضرت غوث الثقلین

مرشدِ اہل صفا ہادیِ اقلیمِ خدا !
مظہرِ نورِ خدا حضرت غوث الثقلین

گر تو خواہی کہ شومی اہل صفاے سرور

پس بگو صبح و مساحرت غوث الثقلین (مترجم)

قطعاتِ تاریخِ ولادت و وفات :

عز آلِ حیدری و غیرِ اولادِ حسن !
عبدِ قادر شاہِ محی الدین دلی پیرانِ پیر

دوست فرما عشق گو عاشق بران ملت بخوان
 باز دل گشت محی الدین نورانی رستم
 از کمال پاک او سلطان عبدالعادر است
 گفت مسکین عبدالقادر ہم فقیر نیک نام
 ماری محبوب محی الدین شدہ تارینخ او
 سال تولیدش دگر محبوب سلطان الکبیر
 نیز محی الدین بحر حق تولیدش بکبیر
 عاشق کامل دگر مهدی ولی اللہ فقیر
 نانہ ام از ہر وصل آن شد روشن ضمیر
 باز محی الدین رکن الحق خبر شد از خیر

مثنوی

محی دین غوث معلیٰ قطب دین
 پیر پیراں نیز میراں دستگیر
 قرۃ چشم جناب مصطفیٰ
 سال تولیدش بگوئے مدح خواں
 بالیقین تولید آن والیٰ حق
 سال تولیدش بعد صدق و صفا
 ذات او محبوب رب العالمین
 شاہ والاپیر ہر برتا و پیر !!
 نور حق تحت دل خیر النساء
 پیر محی الدین والیٰ جہاں
 خواں امام المسلمین ہادیٰ حق
 شد رقم محبوب قطب اصفیا
 گفت دل سال وصال او چنین
 اہل دل محبوب رب العالمین

۳۵۔ حضرت شیخ ابو عمر قرشی قدس سرہ

ثمان نام، مرزوق بن حمید بن سلامہ باپ کا نام تھا۔ حبشی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت
 غوث اعظم کے مرید و شاگرد تھے۔ علم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ صاحب کشف و
 کرامت اور مصر کے مشائخ عظام سے تھے۔ ایک سال دریا ئے نیل میں سجدہ طغیانی آگئی،
 مصر کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طغیانی کے کم ہو جانے کی درخواست کی۔
 آپ دریا کے کنارے پر آئے۔ بیٹھ کر وضو کیا اُسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا۔ اگلے سال

پانی کم آیا۔ مصری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی زیادتی کی التماس کی۔ آپ
 دیا پر آئے اور اپنے ساتھ اپنا کونہ لائے۔ وہاں بیٹھ کر دُخو فرمایا۔ دیا کا پانی بڑھنا شروع ہوا
 اور آپ کی دعا کی برکت سے زراعت میں ترقی ہوئی۔ ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔ مزار حضرت ام شامی
 کے مزار کے قریب ہے۔ قطعہ تاریخ وفات:

چو عمر شیخ مقتدا بے جہاں پیر والا گھر ولی مقبول
 رختش بست بو عمر معصوم ہم زبو عمر ولی مقبول

۳۶۔ شیخ قصبہ البان موصلی قدس سرہ

کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔
 آپ کی وفات سے بے حد خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ قاضی موصل کو آپ سے سخت اختلاف تھا۔
 ایک روز موصل کے کسی بازار سے گزرتے ہوئے قاضی سے دوچار ہو گئے۔ قاضی نے دل
 میں کہا: آج موقع ہے گرفتار کر کے حاکم کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ اچھی طرح مزا ملے۔ قاضی
 نے اچانک دُور سے دیکھا کہ گرداڑ رہی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو معلوم ہوا کوئی قوی سیکل
 مغرور پہوان ہے اور قریب ہوا تو ایک اعرابی کی صورت میں متشکل ہو گیا۔ پھر عالم و نقبی کی
 شکل میں ظاہر ہوا اور قاضی کے قریب آ کر کہنے لگا۔ کوان تینوں شکلوں میں سے کون سی
 شکل حاکم کے سامنے لے جا کر مزا دلانا چاہتے ہو۔ قاضی اسی تبدیلی ہیئت سے خوف زدہ
 ہو گیا۔ تاؤب ہو کر شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔

کسی نے حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں شکایت کی کہ شیخ قصبہ البان نماز
 نہیں پڑھتے۔ فرمایا: اُن کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کی دلیز پر پڑا رہتا ہے۔ ۵۱۵ھ میں وفات پائی۔
 مزار مبارک موصل میں ہے۔ قطعہ تاریخ وفات:

رہنائے جہاں قصبہ البان شیخ ذی جاہ رہبر معصوم
 رختش کا شرف القلوب بگو خواں دگر بار پیریں مرحوم

۳۷۔ شیخ احمد بن مبارک قدس سرہ

زاہد و مابد، صاحب کشف و کرامت اور حضرت غوث الاعظم کے خادم خاص تھے۔ ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب حضرت غوث الثقلین و غل کے لئے کرسی پر تشریف رکھتے تھے تو آپ اپنی چادر مبارک کو کسی پر بچھایا کرتے تھے۔ ۷۲۰ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات؛

شیخ احمد بن مبارک چون بفضل ایزدی یافت از دنیائے دوں در جنت اعلیٰ مقام
رحلتش احمد مقدس بن مبارک شد رستم نیز احمد نور ربانی شد از سرور عیاں
۷۲۰ھ ۵۰۲ھ

۳۸۔ حضرت شیخ سید احمد فاعی بن سید ابی الحسن قدس سرہ

اپنے زمانے کے شیخ الوقت اور امام الاولیاء تھے۔ بڑے عابد و زاہد، عالم و فاضل اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ آبائی نسبت امام علی بن موسیٰ کاظم سے ہے۔ نسبت خرقہ پانچ واسطوں سے حضرت شیخ شبلی تک منتهی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین نے ان کی ہمیشہ کو اپنی بہن کہا تھا اس لئے آپ انہیں اپنا خواہر زادہ سمجھتے تھے۔ ایک روز شیخ احمد فاعی کے بھانجے شیخ ابوالحسن ان کے حجرے کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر نظر کی تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ حیران رہ گئے کہ یہ کس راستے سے اندر آیا ہے۔ چند ساعت تک وہ شیخ سے ہم کلام رہا۔ جب فارغ ہوا تو جو وزن دیوار خلوت شیخ میں تھا اُس میں سے برقی خاطف کی طرح نکل گیا۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں میں یہ حال دیکھ کر خدمت شیخ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یہ کون شخص تھا۔ فرمایا: تو نے اسے دیکھا ہے۔ کہا ماں۔ فرمایا: یہ شخص رجال الغیب سے تھا۔ تین روز ہوئے بارگاہ کبریائی سے مہجور (یعنی معزول) ہو گیا ہے۔ میں نے

سبب پوچھا۔ فرمایا، ایک روز جزائر بحر محیط میں جہاں یہ مقیم ہے۔ دو تین روز بارش ہوتی رہی اس کے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بارش آباد زمین پر ہوتی اور خلقِ خدا کو اس کے پورے نفع ہوتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے بارگاہِ رب العزت سے مجبور ہو گیا ہے۔ میں نے کہا: آپ نے اسے اس حال سے خبر کیوں نہ دی۔ فرمایا: شرم آئی کہ اس کے سامنے اُس کی معزولی کا حال بیان کروں۔ میں نے کہا: اگر آپ فرمائیں تو اسے اس حال سے مطلع کروں۔ فرمایا: کر سکتا ہے۔ کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: اپنا سر گریبان میں ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک لمحہ کے بعد آواز آئی۔ ابے ابو الحسن! سراٹھا اور آنکھیں کھول۔ جب سراٹھایا اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں بحر محیط کے جزائر میں سے ایک جزیرے میں ہوں۔ جیران رو گیا۔ ہمت کر کے اٹھا۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک جگہ پر اُس مرد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پاس گیا۔ سلام کیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے مجھے قسم دی کہ جس طرح میں کون تم نے اسی طرح کرنا ہے۔ میں نے کہا بھر چشم۔ اس نے کہا: میرا خرقہ میری گردن میں ڈال اور مجھے زمین پر گھسیٹ اور یہ کہہ کہ یہ اس شخص کی نرا ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے۔ پس میں نے اس کا خرقہ اس کی گردن میں ڈالا اور زمین پر گھسیٹنا ہی چاہتا تھا کہ نڈائے غیب آئی، اے ابو الحسن اسے چھوڑ دے۔ ملائکہ زمین و آسمان پر گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر غوش ہے۔ میں نے جب یہ آواز سنی تو بے خود ہو گیا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو دیکھا سید احمد رفاعی کے سامنے حاضر ہوں۔ میں اپنے آنے جانے پر مطلق آگاہ نہ ہوا۔ صاحبِ مناقبِ خوشہ حضرت شیخ محمد صادق ثیبانی فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے اپنے ایک خادم سے کہا: سید احمد رفاعی کے پاس جا اور پوچھ کہ عشق کیا ہے؟ اور اس کا جواب مجھے لاکر دے۔ خادم ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آدھانگاہ اپنے سینہ پر سوز سے کھینچی اور کہا کہ عشق ایک ایسی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا دالتی ہے۔ اُن کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہوئے تھے وہ جل اٹھا اور سید احمد رفاعی بھی اس کے ساتھ جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر وہی راکھ پانی ہو کر

برق کی مانند جم گئی۔ خادم خوف زدہ ہو کر خدمتِ حضرت غوث الاعظم میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ فرمایا: پھر اسی جگہ پر جا اور اس جگہ کو بجز وعطر سے معطر کر۔ جسم سید احمد رفاعی اس عالمِ معرّی کی طرف رجوع کرے گا۔ چنانچہ خادم اسی جگہ پر واپس آیا اور حضرت کے فرمودہ کے مطابق اُس جگہ کو معطر کیا۔ ابھی ایک ساعت بھی نہ گزری تھی کہ جو پانی سید احمد رفاعی کی جگہ پر جما ہوا تھا اس نے جسم کی صورت اختیار کر لی اور سید احمد رفاعی دوبارہ زندہ ہو گئے۔ روایت ہے جو شخص حاجت کے لئے آپ سے تعویذ طلب کرتا آپ اسے تعویذ کر دیتے۔ اگر قلم و سیاہی نہ ہوتی تو سفید کاغذ پر ہی اپنی انگلی سے بغیر قلم و سیاہی لکھ دیتے۔ ایک روز ایک شخص بغرض امتحانِ تعویذ کھول کر خدمتِ شیخ میں لایا اور استدعا کی کہ تعویذ لکھ دیجئے۔ جب انہوں نے کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا تو فرمایا: اے فرزندِ تعویذ تو اس پر لکھا ہوا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو سادہ کاغذ پر دوبارہ سیاہی سے لکھ دوں۔ اس کاغذ پر حروفِ بیکل خود موجود ہیں۔

ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے واسطے سے آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جاؤں اور مجھے اسی وقت خطِ آزادی آسمان سے آجائے۔ اُسی وقت ایک سفید کاغذ برقِ خالط کی طرح آسمان سے آپ کے سامنے آگرا۔ شیخ نے وہ کاغذ اٹھا کر سائل کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا: لے آتشِ دوزخ سے یہ تیرا خطِ آزادی ہے۔ اس لے دیکھا تو وہ محض سفید کاغذ تھا۔ عرض کیا، اس پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا۔ فرمایا: یہ کاغذ نور سے لکھا ہوا ہے جو دل ہی کی آنکھ سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ۵۵، ۲ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شد چو از دنیا لے فانی را ہیِ خلدِ بریں
ہم گو احمد رفاعی سیدِ ہادی دیں آ

سید احمد رفاعی ۳۰ و ۲ دورِ زمان
قطبِ کامل شاہِ وین شد سالِ ترحیلش رقم

۳۹۔ حضرت شیخ سید شرف الدین عیسیٰ قدس اللہ سرہ العزیز

سید شرف الدین عیسیٰ نام، کنیت ابو عبد الرحمن۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادوں سے ہیں تحصیل علوم اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ کی تھی۔ حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ کتاب جواہر الاسرار علم تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب فتوح الغیب حضرت غوث الاعظم نے آپ ہی کے لئے تصنیف کی تھی۔ ۵۰۳ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات :

شیخ شرف الدین چورفت اندر جناں سال وصل آں شبہ اہل کمال !
کن رقم مسعود سید پیشوا !! ہمتی پاک ہم سال وصال
۵۰۳ھ ۵۰۳ھ

۴۰۔ حضرت شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہ

شیخ صدقہ نام، ابو الفرج کنیت، باپ کا نام یحییٰ تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔ ایک روز حالت جذب و سکر میں کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکل گئے جو ظاہر میں خلاف شریعت تھے۔ علمائے وقت نے ان کلمات پر مواخذہ کیا۔ خلیفہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ جس وقت جلاد نے آپ کے کپڑے اتار کر کوڑے لگانے چاہے تو شیخ صدقہ گکے ایک خادم نے اسے شیخ اسے شیخ کی فریاد بلند کی۔ اُسی وقت ضارب کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اسی واقعہ نے ناظرین پر ہدیت طاری کر دی۔ خلیفہ نے خائف ہو کر انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وہاں سے آپ حضرت غوث الاعظم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا: اے صدقہ جس وقت تیرے خادم نے فریاد بلند کی میں نے سنا اور مدد میں مشغول ہوا۔ ۵۰۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

امام جہاں صدقہ پیر کبیر فدا کردہ عشق حق جان و تن

تو سردار حق سالِ وصلش بگو دگر صدق صادق امامِ زمنؑ

۴۱ حضرت شیخ ابو عمر حریفی قدس سرہ

عثمان نام تھا۔ حضرت غوث الاعظم کے بزرگ تریں مریدوں سے تھے۔ فقر اور تجرید و فقرید میں یگانہ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو اس کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ ایک رات میں اپنے گھر میں آسمان کی طرف منہ کئے لیٹا ہوا تھا۔ دیکھا کہ پانچ کبوتر اڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پہلا پڑھتا تھا سبحان من عندہ خزاں کل شیء و ما نزلہ الا بقدر معلوم۔ پاک ہے وہ ذات جس کے پاس تمام چیزوں کے خزانے ہیں۔ وہ نازل کرنے والا ہے مگر ایک امانت معلوم میں۔ دوسرا پڑھتا تھا: سبحان من اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہر چیز کو عطا کرتا ہے۔ پیدا کرتا ہے اور پھر اسے ہدایت دیتا ہے۔

تیسرا پڑھتا تھا: سبحان من بعث الانبیاء حجة علی خلقہ و فضل علیہم محمد۔ پاک ہے وہ جس نے انبیاء کو اپنی مخلوق پر حجت پیدا کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی۔

چوتھا پڑھتا تھا: کل ما فی الدنیا باطل الا ما کان للہ و رسولہ۔ دنیا میں جو کچھ سچی ہے سب باطل ہے سوائے اس کے جو خدا و رسول کے واسطے ہو۔

پانچواں پڑھتا جاتا تھا: یا اهل الغفلة من مولکم قوموا الی ربکم رب کریم یعلی العطاء العزیز و یغفر الذنوب العظیم۔ اے اہل غفلت اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو جاؤ جو بڑا ہی عطا و کرم کرنے والا اور گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔

میں یہ سن کر بے خود ہو گیا۔ جب بوش میں آیا تو دنیا و مافیہا کی محبت میرے دل سے محو ہو چکی تھی۔ وہ رات بڑی بیقراری اور اختر شماری میں گزار دی۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اپنے آپ کو کسی ایسے مرشدِ کامل کے سپرد کروں گا جو مجھے واسطہ بقی کرے۔ تلاشِ مرشد میں چل نکلا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف جاؤں۔ اچانک ایک پیر روشن ضمیر راستے میں ملا۔

اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا، آپ کون ہیں؟ میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا: میں خضر ہوں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا، کل صریفین میں ایک آدمی جذب حق کو پہنچا ہے اور بارگاہِ حق میں قبول ہوا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرشدِ کامل کے سپرد کر دے گا جو اسے خدا تک پہنچائے گا۔ پس تم اس کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ۔ پس تم فوراً حضرت غوث الاعظم عبدالقادر سید العارفین کی خدمت میں جاؤ۔ میں یہ سن کر فطرتِ خوشی سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو بغداد میں پایا۔ بڑی مسرت و فرحت کے ساتھ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، مرجا اے مجذوبِ خدا ابو عمر جلدی ہی اللہ تعالیٰ تجھے ایک مرید عبدالغنی بن ثقفی عطا کرے گا۔ اولیاء میں اس کا بلند مرتبہ ہوگا۔ بڑے بڑے ولی اللہ اس کی ارادت پر فخر کریں گے۔ پھر میرے سر پر طاقیہ رکھا جس کی ٹھنڈک اور فرحت میرے دماغ تک پہنچ گئی اور عالمِ ملکوت مجھ پر منکشف ہو گیا۔ میں نے سنا کہ تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اپنی اپنی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے۔ حضرت شیخ کے ہاتھ میں ایک پارہ پنبہ تھا، مجھ پر پھینکا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھا میری عقل درست ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ تک مجھے خلوت نشین رکھا اور میری تکمیل کی۔ تیس سال کے بعد عبدالغنی ابن ثقفی میرے پاس آیا اور حلقہٴ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ پایا اور میرے خلفا میں سے ہوا۔ ابن ثقفی کی بابت حضرت غوث الاعظم نے جیسا فرمایا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہٴ تاریخ وفات،

بو عمر آں مخزنِ نورِ خدا ! شد چو درِ خلدِ بریں منزلِ گزین
سالِ وصلش بو عمرِ انورِ بخواں نیز فرما " مطلعِ نورِ یقین "

۵۵۵ھ

۵۵۵ھ

۴۲ حضرت شیخ محمد الاوانی المعروف بابن القايد قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے کامل واکمل خلفائے تھے۔ فتوحاتِ مکہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظم نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ محمد ابن القايد اپنے زمانے میں منفرد ہیں اور منفردین وہ جماعت ہے جو دائرہ قطب سے خارج ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے انہی سے تھے۔ ابن القايد فرماتے ہیں کہ میں نے ماسوا اللہ سے روگردانی کر لی اور ترکِ علاق کے بعد میں حضرت کی خدمت میں آ گیا۔ اچانک میں نے اپنے سامنے ایک پاؤں کا نشان دیکھا۔ مجھے غیرت آئی اور سوچنے لگا کہ یہ کس کے پاؤں کا نشان ہے کیونکہ میں اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشان ہیں جس سے مجھے اطمینان ہو گیا۔ ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعة تاریخ وفات،

چوں محمد از جہاں بالطفِ حق	بگشت در فردوس والاہر باب
حلقش سدا رہ عالی شد عیاں	نیز شد روشن محمد آفتاب
۵۷۶ھ	۵۷۶ھ

۴۳ حضرت شیخ ابوالسعود بن شبلی قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے بزرگ ترین خلفائے تھے۔ سوم غلامہری و باطنی میں منفرد تھے۔ آپ کا شمار شائخِ کبار سے ہوتا ہے۔ فتوحاتِ مکہ میں مذکور ہے کہ ایک روز ابوالسعود دریائے دجلہ کے کنارے جا رہے تھے کہ اُن کے دل میں خیال گزرا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی عبادت پانی میں کرتے ہیں۔ یہ خیال اُن کے دل میں آیا ہی تھا کہ ایک شخص نے پانی سے سر نکالا اور کہا ہاں کیوں نہیں اور میں انہی میں سے ہوں۔ میں بکریّت کے مقام کا رہنے والا تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا

کہ شہر چھوڑ کر پانی میں عبادت کروں کیونکہ تقدیر الہی اسی طرح پر ہے۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پندرہ روز کے بعد کبریت پر ایک حادثہ عظیم نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آفت سے محفوظ رکھا۔ یہ کہہ کر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا۔

شیخ ابوالسعود کو حتی تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوتا تھا اس سے رُوگردانی نہ کرتے تھے۔ مکلف طعام کاتے اور لباس فاخرہ پہنتے۔ ایک روز ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا دیکھا کہ آپ نے ایک قیمتی پگڑی سر پر باندھ رکھی ہے جس کی قیمت کم از کم دو سو دینار سے کم نہیں ہے۔ اس کے دل میں خیال گزرا کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے جو حکم قرآن کے خلاف ہے۔ جس پگڑی کی قیمت سے دو سو درویشوں کا لباس تیار ہو سکتا ہو وہ ایک درویش سر پر کیوں باندھے۔ شیخ نور باطن سے اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا: اے درویش! میں نے یہ پگڑی اپنے آپ نہیں باندھی۔ اگر چاہتا ہے تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈال اور درویشوں کے لئے طعام فراہم کر۔ درویش نے وہ پگڑی بازار میں لے جا کر فروخت کر ڈالی اور درویشوں کے لئے مکلف دسترخوان آراستہ کیا۔ جب خدمت شیخ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ شیخ کے سر پر وہی پگڑی ہے۔ شیخ نے فرمایا: اے درویش حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس شخص سے پوچھ کہ یہ پگڑی کہاں سے لایا ہے۔ درویش نے اس شخص سے پگڑی لانے کا حال پوچھا۔ اس نے کہا پچھلے سال میں کشتی میں سوار تھا کہ باد مخالف چلتی شروع ہوئی اور اتنی شدت اختیار کر گئی کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی مگر میں ایک تختہ پر بیٹھا رہا۔ میں نے عہد کیا کہ اگر میں صحیح سلامت کنارے پہنچ گیا تو خدمت شیخ میں ایک قیمتی دستار نذر گزاروں گا۔ چھ مہینے گزرنے پر بھی مجھے قیمتی دستار نہیں ملی تھی۔ آج یہ دستار فلاں دکان پر دیکھی جسے خرید کر بدیہ شیخ کیا۔ شیخ نے فرمایا: سنا میں نے یہ پگڑی خود نہیں باندھی ہے بلکہ کسی اور نے بندھوائی ہے۔

دارالشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ کتاب فصوص الحکم میں تحریر ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پندرہ سال ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مملکت میں قوت نصرت عطا فرمائی ہے لیکن میں نے اس سے کبھی کام نہیں لیا۔ ابن القایید

نے ایک روز دریافت کیا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: میں نے تصرف صرف حق تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور جو اس کی منشاء ہوگی اس کے مطابق اختیار فرمائے گا۔ ۵۷۹ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات:

شیخ ذی رتبہ پیر عالمگیر بوسعود آنکہ بود زبدہ حق
عاشق حق بگو بہ رطبت او ہم مشہر بوسعود زبدہ حق

۴۴ حضرت شیخ حیات خیرانی قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے کامل ترین اور بزرگ ترین خلفائے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند اور مقام ارجمند رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ کبار سے تھے۔ حضرت شیخ ابوالحسن قرشی سیرالاجاب میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں چار شخص میں جو قبور میں بھی مثل احواء تصرف کرتے ہیں۔ اول معروف کرنی۔ دوم شیخ سید عبدالقادر جیلانی۔ سوم شیخ عقیل منجی۔ چارم شیخ حیات خیرانی۔ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ خیران کے صلحاء میں سے ایک نے بیان کیا کہ میں یمین سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب بحر ہند میں پہنچا تو سمندر میں طوفان عظیم برپا ہو گیا جس نے جہاز کو توڑ ڈالا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا لہروں کے تھپیڑے کھاتا ہوا ایک بیابان جزیرے میں پہنچ گیا۔ جہاں دور و نزدیک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد اس ویرانے میں مجھے ایک مسجد نظر آئی۔ اندر جا کر دیکھا کہ چار حسین و جمیل شخص بارعب و ہیبت وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے قریب جا کر سلام کہا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ دن بھر ان کے پاس رہا۔ جب رات ہوئی، شیخ حیات خیرانی وہاں آئے۔ اُن چار اصحاب نے اُن کا استقبال کیا۔ سلام کہا۔ وہ مسجد میں تشریف لائے۔ سب نے مل کر نمازِ عشاء ادا کی۔ پھر الگ الگ صبح تک نمازِ نوافل میں مشغول رہے۔

جب صبح طلوع ہوئی تو شیخ نے مناجات شروع کی۔ یا حبیب التائبین، یا انیس العابدین، یا قریب المتصدقین، یا محب العاشقین۔ اس کے بعد گریہ و زاری شروع کی۔ یہاں تک کہ انوار و تجلیات الہی کا طور ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمام جگہ بقیعہ نور ہو گئی۔ پھر سب نے نماز صبح ادا کی۔ پھر شیخ حیات مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ان چار شخصوں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے پیچھے پیچھے جاؤ اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ میں اُن کے پیچھے قدم بقدم چل پڑا۔ دیکھا کہ کوہ، دریا اور بیا بان و صحرائیں شیخ کے قدموں کے نیچے سے گزر رہے ہیں۔ سچی کہ تھوڑے ہی عرصے میں خیران پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ابھی لوگ نماز صبح پڑھنے میں مشغول ہیں۔

۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات،

چوں سفر کرد از جهان فنا	در جہاں مہدی زمانہ حیات
رجلتش منبج حیات بگو	ہم بخوان "مہدی زمانہ حیات"
۵۸۱ھ	۵۸۱ھ

۴۵ حضرت شیخ ابو عبد الرحمن عبد اللہ قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار ہی سے کی تھی۔ اپنے وقت کے عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے۔ ۶۷۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد بغداد میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات،

چو از دنیا بخت گشت راہی	شہ اہل بیتیں مقبول رحمان
وصالت والی تسلیم پیدا است	دوبارہ "مہجیں مقبول رحمان"
۵۸۶ھ	۵۸۶ھ

۴۶۔ حضرت شیخ شمس الدین عبد العزیز قدس سرہ

کنیت ابو بکر ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادہ ہیں۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے زیر سایہ پائی تھی اور انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے سنجار چلے گئے تھے۔ وہیں ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔
قطرۃ تاریخ وفات :

سید ذی جاہ و عالی مرتبت مرشد حق ، حق نما ، حق ہیں عزیز
جلت شہ متاب عالم گفتمہ ام نیز شد روشن ز شمس الدین عزیز
۵۸۹ھ ۵۸۹ھ

۴۷۔ حضرت شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ

شعیب نام ، لقب ابو مدین بن حسن یا حسین۔ حضرت شیخ ابو بکرانی مغربی کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے مرشد تھے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ صاحب کشف و کرامت اور سرزمین مغرب کے مشائخ کبار سے تھے۔ ایک روز آپ نے دیا ر مغرب کے کسی مقام پر گردن جھکا کر کہا۔ اللهم انی اشهدک واشهد ملائکتک انی سمعت و اطعت۔
حاضرین نے اس کا سلب پوچھا۔ فرمایا: شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے بغداد میں یہ فرمایا قدمی ہذہ علی دقبة کل ولی اللہ۔ اس کے بعد بغداد کے بعض اکابر حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی اطلاع دی کہ حضرت غوث الاعظم نے اُسی وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو مدین مغربی ایک روز دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے کہ کفار کی ایک جماعت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور اپنی کشتی میں لے گئے۔ آپ سے پہلے بھی مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کشتی میں محبوس تھی۔ کفار نے شیخ کو ایک جگہ پر بٹھا کر کشتی کا

بادبان کھولا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ بڑی کوشش کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ اسی درویش کی بدولت ہے۔ انہوں نے شیخ کو ہار دیا مگر شیخ نے کشتی سے اترنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تمام مسلمان رہا نہ کئے جائیں گے میں کشتی سے نہیں اتروں گا۔ کفار کو چار و ناچار تمام مسلمانوں کو آزاد کرنا پڑا۔ جونہی مسلمان کشتی سے اترے وہ روانہ ہو پڑی۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شیخ بو مدین شعیب مغربی	آں امام دیں شہ دورِ زمن
ہست تاریخ وصال آں جناب	۵۹۰ھ

۴۸۔ حضرت شیخ تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہ

عبدالرزاق نام، کنیت عبدالرحمان و ابو الفرج، لقب تاج الدین، حضرت غوث الاعظم کے فرزند رشید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے سایہ ماطفت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ ملک عراق کے مفتی تھے۔ رسالہ جلاء الخواطر لمفولات حضرت غوث الاعظم آپ ہی کا تالیف کردہ ہے۔

فرماتے ہیں: ایک روز میرے والد ماجد نماز جمعہ کے لئے باہر تشریف لائے۔ میں اور میرے دو بھائی آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے دیکھا تین ٹکے شراب کے گاڑی پر رکھے ہوئے علیحدہ بعداد کے لئے جارہے ہیں۔ محافظ سپاہی تھے۔ شراب کی بوتل اس کی غماز ہوتی ہے حضرت والد گرامی کو معلوم ہو گیا۔ سپاہیوں کو آواز دی کہ ٹھہر جاؤ مگر وہ نہ ٹھہرے بلکہ گاڑی کو اور زیادہ دوڑایا۔ آپ نے گاڑی سے مخاطب ہو کر فرمایا: حکم خداوندی ٹھہر جا۔ وہ اسی وقت رُک گئی۔ سپاہیوں نے ہر چند جانوروں کو مارا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ حضرت غوث الاعظم نے نگاہ غضب سے اُن کی طرف دیکھا۔ انہیں اسی وقت دردِ قویع شروع ہو گیا۔ زمین پر گر کر مابئی بے آب کی طرح تڑپنے اور لوٹنے لگے۔ نالہ و فریاد بلند کیا۔ حضرت ہم نے توبہ کی

پھر ایسی نافرمانی نہیں کریں گے۔ انہیں درِ وقولِ حج سے فوراً شفا حاصل ہوگئی اور شرابِ سرکہ میں تبدیل ہوگئی۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر جب خلیفہ بغداد نے سنی، حاضر خدمت ہو کر تمام منہیات سے تائب ہوا۔

ایک روز سید عبدالرزاق اپنے والد ماجد کی محفل میں حاضر تھے۔ آسمان پر مردانِ غیب کو جاتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے۔ آپ نے فرمایا: ڈرو نہیں یہ رجال الغیب ہیں اور تو بھی انہی سے ہے۔

کتاب انیس اقادریہ میں بروایت شیخ ابوالعالمی صاحب تحفۃ القادریہ مندرج ہے کہ سید عبدالرزاقؒ کے پانچ فرزند تھے۔ اول شیخ ابوصالحؒ، دوم شیخ ابوالقاسم عبدالرحیمؒ، سوم شیخ ابو محمد اسماعیلؒ، چارم شیخ ابوالحسن فضل اللہ اور پنجم جمال اللہ قدس اللہ سرہم العزیز۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے شیخ جمال اللہؒ کے لئے عمر جاوید کے لئے دعا فرمائی تھی اور وہ آج تک زندہ ہیں اور بہ اسمِ حیات المیر مشہور ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے ہیں۔ سکونت دیارِ سمرقند وغیرہ کی طرف ہے۔ سید محمد تقیم صاحبِ حجو اور کئی اور اولیاء آپ کے مرید ہیں۔ سید عبدالرزاق نے ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں	عارف حق مجیب تاج الدین
کاشغ صدق سالِ وصالش گو	نیز سید حبیب تاج الدین
۵۹۵ھ	۵۹۵ھ

۹۴ حضرت شیخ سید ابوالفضل محمد قدس سرہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والدِ گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی اور درجہ کمال کو پہنچے۔ ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

سید ابوالفضل فصلِ اہل فضل	شد چو از فضل خدا اندر جہاں
بر فردوس است سالِ وصلِ او	ہم محبِ متقی کردم بیاں
۹۰۰ھ	۹۰۰ھ

۵۰۔ حضرت شیخ ابو زکریا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے صاحبزادوں سے ہیں۔ علوم فقہ و حدیث اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے۔ اپنے وقت کے فاضل اور مقتدائے زمانہ گزرے ہیں۔ ولادت ۶۔ ربیع الاول ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۶۰۰ھ میں پائی۔ مزار بغداد میں اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب کے مزار کے متصل ہے۔

قطعہ تائید ولادت و وفات:

شیخ زکریا ابو یحییٰ کہ بود	شاہ عالی قرہ چشم علی
قبلہ حاجات و عارف حق نما	سال تولیدش نوشتم لے اخی
عصمت آمد سال ترحیلش دگر	عارف حق سید طیب ولی

۵۱۔ حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب قدس سرہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کے زیر سایہ حاصل کئے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ تمام علوم متداولہ میں پوری مہارت اور عبور کامل رکھتے تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ غیشیں جوئے۔ مدرسہ معلیٰ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر بہرہ یاب ہوئی۔

ایک دفعہ بلا دہم کے سفر سے واپس آئے۔ تمام اقسام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اپنے والد گرامی سے ان کی موجودگی میں وعظ کئے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ منبر پر تشریف لائے۔ علوم و فنون کی روشنی میں عالمانہ تقریر کی مگر حاضرین کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کے بعد اہل مجلس نے حضرت غوث الاعظمؒ سے وعظ کئے کی درخواست کی۔ آپ منبر پر تشریف لائے۔ فرمایا: شجاعت صبر کی ایک گھڑی ہے۔ ابھی اتنا ہی کما تھا

کہ اہل مجلس نے آہ و بکا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ شیخ سیف الدینؒ نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا تو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور میں غیر نفس سے مخاطب تھا۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ شیخ ابو منصور عبدالسلامؒ اور شیخ ابو الفتح سلیمانؒ۔ دونوں عالمِ ہبل تھے۔ قطعہٴ تاریخ ولادت و وفات :

شاہ سیف الدینؒ شہ ہر دوسرا	قاتل کفار با شمشیر دین
سال تولدش بشیر آمد عیاں	تاجِ حقِ فرما و ہم متاب دین
گفت سیف الدینؒ میرِ حقِ خرد	ارتحالِ آں شہ روئے زمین

۶۰۳ھ

۵۲۔ حضرت شیخ ابو نصر موسیٰ قدس سرہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے آخری فرزند تھے۔ تحصیلِ علوم اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ کی تھی۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہ و محدث، عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ بغداد سے نقل مکان کر کے دمشق جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ قطعہٴ تاریخ ولادت و وفات :

حضرت ابو نصر پیر با کمال	دہبرِ عالم شہ روئے زمین
شد زول مفتاح تولدش عیاں	صاحبِ توحید و ہم سر و ارویں
رحلتش ابو نصر مقبولِ انام	نیز شد پیداً ز متابِ یقتیں

۶۱۸ھ

۵۳۔ حضرت شیخ موفی الدین المقدسی قدس سرہ

نام عبداللہ بن محمد بن احمد بن قدامۃ الجلیلی ہے۔ صاحبِ تصنیف ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی میں بڑا پیر رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے شاگرد و مرید تھے۔ ۶۲۲ھ میں وفات پائی۔

چو آل شیخ موفی بن محمد ز دنیا گشت سوئے خلد مامور
رقم کن لفظِ برکتِ با تبرک بتائیش دگر نورِ علی نور

۵۴۔ حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم قدس سرہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے فرزندِ رشید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والدِ ماجد سے حاصل کئے تھے۔ اپنے زمانے کے اولیاء و اقیاء کے سردار تھے۔ زہد و تقویٰ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ آپ پر مالمِ تفکر اور سکوت کا غلبہ رہتا تھا۔ غایتِ جفا و شرم کے باعث تیس سال تک اپنے سر کو بلند نہیں کیا۔ ۵۲۶ھ میں ولادت اور ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔ مرقد والد بزرگوار کے مزار کے قریب ہے۔

میرا ابراہیم پیر رہنا! حامی دیں پیشوائے دو جہاں
کاشفِ دینِ نبی تولیدِ دوست رَحْمَتِش واں کاشفِ مالی مکاں

۵۵۔ حضرت شیخ صدر الدین قونیوی قدس سرہ

نام صدر الدین اور کنیت ابوالمعالی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے بہترین مریدوں سے تھے (صاحبِ سفینۃ الاولیاء شیخ محی الدین ابن العربی کے ارشد مریدوں سے لکھتے ہیں) علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں یکمائے زمانہ تھے۔ زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند پر فائز تھے۔ مولانا قطب الدین علامہ علمِ حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ کتاب جامع الاحوال خود لکھ کر ان کے سامنے پڑھی تھی

۱۔ جامع منقول و معقول۔ علامہ عصر اور وحید الدہری تھے۔ بڑے بڑے علما نے آپ سے کتاب فیض کیا تھا۔ کتابِ شرح شمس جو قطبیہ کے نام سے مشہور ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ اُس وقت کے اولیائے کرام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اغزیٰ فیض کیا ہے۔ شیخ سعد الدین حموی اور مولانا جلال الدین رومی سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

صدر دین صدر اولیائے کرام
وصل او بہت آفتاب علوم
شہزاد دنیا چو در بہشت بریں
نیزہ والی صدق صدر الدین
۶۳۰ھ ۶۳۰ھ

۵۶۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز

نام محمد بن علی بن محمد عربی ہے۔ اپنے عہد کے قطب زمانہ، موجدِ یگانہ، ہادیِ طریقت اور معتدائے حقیقت تھے۔ علم و عرفان میں درجاتِ بلند و مقاماتِ ارجند پر فائز تھے۔ اکابرِ صوفیا میں امامِ موحداں مشہور ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کا کلام بڑا بلند واقع ہوا ہے آپ کو فرقہ کی نسبت ابو محمد یونس قصار دمشقی کے ذریعے سے بربک واسطہ حضرت غوث الاعظم سے حاصل ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپ کی حضرت غوثیہ سے ارادت بلا واسطہ حاصل ہے۔

۱۔ محمد بن یونس بن ابی بکر نام۔ حضرت جیحونم الدین کبریٰ قدس مؤ التوفیٰ ۶۱۸ھ کے کامل و اکل خلفائے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے صاحبِ تصانیف ہیں۔ سہل الارواح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔
۲۔ محمد نام، جلال الدین نقب تھا۔ سلطان العلماء حضرت مولانا بابا الدین التوفیٰ ۶۲۸ھ کے تلامذہ و فرزند تھے۔ سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اصل وطن بھارت تھا۔ خطہ دوم (ایشیائے کوچک) میں نشوونما پائی تھی اس نے رقی مشہور ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ حضرت محمد شیخ شمس الدین تبریزی قدس مؤ التوفیٰ ۶۴۵ھ سے بھی اغزیٰ فیض کیا۔ آپ کی فتویٰ جو فتویٰ موفنا دم کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا کی مقبول ترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔ اس فتویٰ میں جس قدر حقائق و مسارف بیان ہوئے ہیں۔ کسی شاعر و فلسفی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مولانا اپنے زمانے کے بہت نظر عالم اور بے مثال صوفی و متکلم تھے۔ زہد و تقدس ریاضت و مجاہدہ، علم و دل اور حقوق و حقوق میں یگانہ روزگار تھے۔ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔ مزارِ قونین میں زیارت گاہ بنی۔ علامہ اقبال مرحوم آپ کے کلام و فلسفہ سے بہت متاثر تھے اور مرشدِ روحی کہا کرتے تھے۔

خرقہ خلافت میں دوسری نسبت انہیں بلا واسطہ حضرت خضرؑ سے حاصل ہے۔ اصطلاحات کاشی میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتاب الملابس میں لکھا ہے کہ میں نے خرقہ تصوف ابوالحسن بن عبداللہ بن جامع سے پہنا ہے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ کتاب مناقب غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادری لکھتے ہیں کہ علی بن محمد پدر شیخ محی الدین ابن عربی معنی لاولد تھے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہو گئی۔ ان کے والد حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت غوثیہ نے حضورِ حق میں دعا فرمائی۔ اِنْفِ غِیْب نے آواز دی کہ اس شخص کی قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا اپنی اولاد کا حصہ اسے عطا کر دے۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی پشت علی بن محمد کی پشت کے ساتھ مس کی اور فرمایا ابھی میرے علب میں ایک فرزند باقی تھا۔ وہ ہم نے نہیں دیا۔ دوتیرے گھر پیدا ہوگا۔ ہم نے اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھا ہے۔ یہ بچہ اولیاء میں درجہ عظیم اور رتبہ عالی پائے گا۔ چنانچہ حضرت غوثیہ کی بشارت کے مطابق نو ماہ کے بعد علی بن محمد کے گھر لڑکا پیدا ہوا وہ اسے حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے نگاہِ لطف و کرم سے بچہ کی طرف دیکھا اور فرمایا یہ میرا بیٹا ہے اِنْ شَاءَ اللہ قطبِ زمانہ ہوگا۔ اسرارِ توحید جو آج تک کسی موجد نے بیان نہیں کئے۔ یہ لڑکا ان اسرار و رموز کو واشگاف طور پر بیان کرے گا۔ صاحبِ نغمات الانس فرماتے ہیں: آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے لیکن ان کی مشہور ترین تصنیف فتوحات مکیہ ہے۔

روایت ہے شیخ محی الدین ابن العربی کو ایک دفعہ حضرت شیخ الشیخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ ہر ایک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کلام کئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ خدام نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: محی الدین ابن العربی حقایق و دقائق کے دریا ہیں اُن سے بات انگو سے ہوئی نہ کہ زبان سے۔ اُن سے بات دل سے ہوتی ہے نہ کہ بیان سے۔ ولادت ۱۷۔ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ہوئی اور وفات جمعہ کی رات ۷۳۔ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں واقع ہوئی۔ مزار جبلِ قاسون میں ہے جو کج کل

عالجیہ کے نام سے مشہور ہے۔

محی دین پیر زندہ دل والا
ہست سال ولادتش نعمت
عقل فرمود صاحب الارشاد
بادی سالکان روئے زمین
صاحب کشف مہدی است بہین
سال ترحیل او بصد توہین
۶۳۸ھ

۵۷۔ حضرت شیخ محمد حیات ابن احمد الجوبینی قدس سرہ

شیخ عبداللہ بطنائی کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت غوث الاعظمؒ کے بزرگ ترین خلفاء
سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ شجاعت و مروت اور خلق میں بے نظیر تھے۔
صاحب ہجۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ نہایت خوش رو، خوش خوا اور خوش گو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
انہیں مستجاب الدعوات کیا تھا۔ ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد چو از عنایتِ حق کرد رحلت ازیں جہاں بہ وطن
رحلتش ماہتاب صاحبِ حق کن رقم نیزہ ماوِ نو روشن
۶۵۸ھ ۶۵۸ھ

۵۸۔ حضرت امام عبداللہ یافعی قدس سرہ

کنیت ابوالسادات، لقب عقیف الدین، باپ کا نام سعد یافعی ہے۔ یمن کے
رہنے والے تھے۔ آپ کا قیام زیادہ تر مصر میں الشریفین میں رہا ہے۔ شافعی مذہب تھے۔
علوم ظاہری و باطنی میں اپنے زمانے کے علماء و فضلاء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو
نسبت ارادت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظمؒ سے حاصل ہے۔ تاریخ یافعی،
کتاب روضۃ الیامین، نشر الجاسر باحوال خوارق و کرامت حضرت غوث الثقلین آپ کی
مشہور تصانیف ہیں۔ جب حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت سہرہ دی آچی
المتوفی ۷۰۰ھ کو معظمہ گئے تو امام صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دونوں

میں اس درجہ اتحاد و محبت کا تعلق بڑھا کہ اس کی نظیر دیکھی نہیں گئی۔ امام صاحب نے سلسلہ چشتیہ سے اخذ فیض کے لئے حضرت مخدوم جانیوں کو حضرت شیخ سید نصیر الدین محمود چسہراغ دہلی المتوفی ۵۷۰ھ کی خدمت میں جانے کو کہا۔ چنانچہ حضرت مخدوم جب ہندوستان لوٹے تو دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ چشت حاصل کیا۔ امام صاحب نے ۶۱ جمادی الآخر ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد مکہ معظمہ میں حضرت فضیل عیاض کے مزار کے متصل ہے۔

اے امامِ یافعی نور الہ !	بود اندر مکتہ یک قطب الولی
ہاتھم فرمود سالِ رحلتش !	و کاشفِ نامی "امامِ یافعی"
ہم رقم کن زاہدِ اہلِ بہشت	ہم ولیٰ بوسعدتِ یافعی

۵۹۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہ

مشائخ سلسلہ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے ہیں۔ صاحب کشف و کرامت تھے۔ سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں جب فیروز شاہ بہمنی نے احمد خان ناں کے حق میں ارادہ بد کا قصد کیا اور اس کی آنکھیں نکال دینی چاہیں۔ مگر وہ کسی طرح بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہو گیا۔ بادشاہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ لیکن معاملہ اس کے حسب دلخواہ نہ ہوا۔ ایک روز عین جنگ کے موقع میں خواب میں دیکھا کہ کوئی نیک صورت اور نیک سیرت بزرگ آیا ہے اور اُس نے بارہ گوشے والا ترکی تاج میرے سر پر رکھا ہے اور دکن کی بادشاہی کی مجھے بشارت دی ہے۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ بادشاہ ہوا۔ جب اس نے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی بزرگی کی شہرت سنی تو شیخ حبیب اللہ حیدری کو تحائف کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور طالبِ دعا ہوا اور التجا کی کہ اپنے فرزند کو ہدایت کے لیے روانہ فرمائے۔ شیخ نے بادشاہ کے دیا قبول فرمائے اور ایک تاج سبز و ازودہ گوشہ ترکی شیخ قطب الدین غلیفہ اور شاہ نور الدین غلیل اللہ اپنے پوتے کے ہاتھ بادشاہ کو بھیجا۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے اور وہ تاج احمد شاہ کے سر پر رکھا اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ اور وہی تاج ہے۔ شاہ نور اللہ کا بے حد ادب و احترام بجالایا اور اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی۔
بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۸۴۳ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا نعمتِ حق یافت در حلد چو آن سید شہ عالی نعمت
بسرور سال وصلش جلوہ گر شد ز سلطان الولی والی نعمت

۶۰۔ حضرت شیخ بہاء الدین جنیدی قدس سرہ

شیخ احمد تقی کی کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحب کمالات و برکات اور جامع کشف کرامات تھے۔
مضافات سرہند میں جنید ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ قادریہ شطاریہ کے
صاحب اجازت بزرگ تھے۔ ذوق و شوق میں ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔ اسی استغراق
میں وفات پائی۔ سال وفات ۹۲۱ھ ہے۔

شیخِ روئے زیں بہاء الدین باو فردوس و بد چرخ کمال
رفت چوں از جہاں بختِ حلد مارفِ شرع و ذاکر آمد سال
۹۲۱ھ ۹۲۱ھ

۶۱۔ حضرت سید محمد غوث گیلانی حلی اوچی قدس سرہ

مشاہیر و اکابر ساداتِ حسنی سے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے نسبت آبائی ہے۔ صاحب
علمت و کرامت، واقف منقول و منقول تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں
یکتا رائے روزگار تھے۔ سید اصغر علی گیلانی صاحب شجرۃ الانوار رقم طراز ہیں کہ سید محمد کے بزرگوں
میں سے اول سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین المعروف بہ سید صوفی بن سید سیف الدین بلوچ
بن حضرت محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنے چھوٹے بھائی سید ابوسلیمان کے ساتھ
۶۵۶ھ میں ہلاکواں تاتاری کے حملہ بغداد اور قتل و غارت کے وقت بغداد سے نکل کر روم میں

آگئے۔ پھر جب کچھ امن و امان ہوا تو طلب میں آکر اقامت گزریں ہو گئے۔ سید محمد غوثؒ یہیں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ عنفوانِ شباب میں پدر بزرگوار کی اجازت سے مختلف ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کو نکلے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عراق، عرب، ایران، خراسان، ترکستان اور سندھ و ہند کی طویل سیاحت کی۔ یہاں کے اکابر علماء و فضلا اور مشائخ و صوفیاء سے ملاقات کی۔ لاہور بھی تشریف لائے۔ چندے یہاں قیام کیا۔ پھر ناگور چلے گئے۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ غرض اسی طرح سیر و سیاحت کرتے ہوئے علب پہنچے۔ اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک روز دورانِ گفتگو میں عرض کی کہ فقیر کا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم ہند میں کسی جگہ سکونت اختیار کر لوں۔ حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں چراغِ سحری ہوں کچھ توقف کرو۔ میری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہے جہاں جی چاہے رہنا۔ پس آپ اپنے والد ماجد سید شمس الدین بن سید شاہ میر بغدادی گیلانی کی وفات کے بعد براستہ خراسان طمان آئے اور اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ صاحب شجرۃ الانوارؒ نے آپ کا درود اوچ ۸۰۰ لکھا ہے۔ اس وقت شاہ حسین لنگاہی المتوفی ۹۰۸ھ حاکم طمان و سندھ اور سلطان سکندر لودھی المتوفی ۹۲۳ھ بادشاہ ہند تھا۔ دونوں آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ آپ کے دودھ و سود سے سلسلہ قادریہ ہندوستان میں پھیلا۔ آپ شاعر بھی تھے۔ قادری تخلص کرتے تھے اور اکثر اشعار حضرت غوث الاعظمؒ کے مناقب میں کہا کرتے تھے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ مولانا عبدالرحمان جامی صاحب نفحات الانس نے آپ کے فضائل کی خبر پا کر اپنے تصنیف کردہ اشعار آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔

صاحب کتاب شجرۃ الانوار لکھتے ہیں: حضرت سید محمد کے عروج کے زمانے میں شاہ حسین لنگاہی حاکم طمان نے حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت غوثؒ فرماتے ہیں کہ اپنی دختر کا نکاح میرے فرزند سید محمد سے کر دو۔ تمہاری سعادت اسی میں ہے۔ اس نے حسب ارشاد حضرت ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سید ابو الفتح حسینی جن کی آبائی نسبت چار واسطوں سے سید صفی الدین بانی اوچ جو حضرت سید ابو اسحاقؒ کا زونئی المعروف برہمراں بادشاہ لاہوری کے ہمیشہ زاد تھے تک پہنچتی ہے ان کی دختر سے

لاہر اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور قلب الادب تھے۔ حضرت شیخ ابو الدین صفائی المتوفی ۷۲۰ھ ہمد کے قیام کمال (باقی اگلے صفحہ)

شادی کی جن کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن میں بزرگ ترین سید عبدالقادر ثانی، دوم عبداللہ ربانی، سوم مبارک حقانی، چہارم سید محمد نورانی تھے۔ مومنا لڑکے لا ولد فوت ہوئے۔ سید ابو الفتح جو بانی اوچ کی اولاد سے تھے انھوں نے اوچ کی متعلقہ زمین اپنی چار لڑکیوں میں تقسیم کر دی تھی۔ نیز آبادی اوچ گیلانیاں اوچ بناریاں سے الگ ہے یہ وہ حصہ زمین ہے جو بی بی فاطمہ زوجہ محترمہ حضرت سید محمد غوث کے حصے میں آئی تھی۔

قصبہ اوچ کی آبادی کا حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الانبیاء اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جب سید ابوالاسحاق گاروئی لاہوری نے اپنے ہمیشہ زادہ صفی الدین کو خرقہ خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو جائیے اور جس جگہ اونٹ بیٹھ جائے اسی جگہ سکونت اختیار کیجئے۔ چنانچہ سید صفی الدین نے اسی طرح عمل کیا اور جب اونٹ سابقہ مقام اوچہ کی آبادی کے متصل پہنچا تو بیٹھ گیا۔ پس شیخ صفی الدین نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور ایک الگ آبادی کی بنیاد الی شیخ ابو الفتح بھی اپنے زمانے کے بزرگ و متبرک شخص تھے اور دعوت اسمائے الہی میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ حضرت سید محمد غوث کی وفات بقول صاحب شجرۃ الانوار و شریف الثرفا ۹۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطرہ تاریخ وفات :

چوں شد از جہاں در بہشت بریں	جناب محمد امام زمان
شود سالِ ترحیلِ آں شاو دیں	ز محمد دم عالم محمد عیاں
	۹۲۳ھ

(بقیہ حاشیہ منظر) عالم و فاضل اور شاہِ ربے جل تھے ان کے مرید و غلیف تھے۔ اصل وطن گارو دن تھا۔ وہاں سے تعلیم مکان کر کے لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلقِ کثیر مستفیض ہوئی۔ ۹۰۹ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور دہلی دروازہ کے اندر ہے۔ شاہ جہان کے عہد میں جب نواب وزیر خاں نے جہاں جات مسجد تعمیر کی تو مزار کو مسجد کے صحن کے اندر ایک دروازہ میں محفوظ کر دیا۔ اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

۶۲۔ حضرت شاہ فیروز قادری لاہوری قدس سرہ

نام فیروز شاہ تھا۔ آپ کے دادا شاہ عالم نے بغداد سے نقل مکان کر کے لاہور آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ صاحب علم و فضل تھے۔ سیادت و نجابت اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ اپنے دادا کے مرید و خلیفہ تھے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ تمام علم طلبہ و مریدین کی درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں گزاری۔ طلبہ کو فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک اربابِ معنی کو توجہ اور تلقین فرمانے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے روز نماز کے بعد عصر تک وعظ و نصائح میں صرف کرتے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک خلقِ کثیر علومِ ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کا سلسلہٴ بیعت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتهی ہوتا ہے۔ ۹۳۳ھ میں وفات پائی۔ ہزار کیلئے ڈنڈی گراں لاہور میں ہے۔

ڈنڈی گریزا خادی۔ صناعتوں کی یہ جماعت آپ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ یہ علامہ ڈنڈی گراں کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں خادی علیہ آباد تھا۔ ڈنڈی نژاد کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں اور خادی لکڑی کو چرنے پر چڑھا کر ہمارا کرنے والے کو کہتے ہیں۔
قطعہ تاریخ وفات :

چو از دنیا بہ فردوسِ بریں رفت	جناب شاہ حق آگاہ فیروز
چو از دلِ سالِ ترحیلش بچستم	عیان شد میر سید شاہ فیروز

۹۳۳ھ

۶۳۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث حسنی حلبی اچھی قدس سرہ

اپنے وقت کے امام شریعت، مقتدائے طریقت اور مارفِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ نیز علوم منقولات و معقولات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ہندوستان کے مشائخِ کبار سے تھے۔ بیکڑوں و مشرکین اور ناسق و ناجر

آپ کے دست مبارک پر مشرف بر اسلام ہوئے اور تائب ہو کر راہِ ہدایت پر آئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ سببِ خاص تھی۔ حضرت غوثیہ ہی سے عبدالقادر ثانی کا خطاب بعالم باطن پایا تھا۔ صاحب اخبار الاخبار کتھے ہیں: آپ عنفوانِ شباب میں بڑی پُر تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ سماع کی طرف بڑا لگاتار تھا۔ سفر میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ساز و سامان کے کئی اونٹ بمرہا جوتے تھے۔ مگر سجادہ نشین ہوتے ہی ان تمام تکلفات سے کلی اجتناب اختیار کر لیا۔ طالبانِ سماع کو زبردستی نہ کرتے تھے۔ اگر کسی موقع پر بطریق شاذ سماع سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی ذوق و شوق میں روح ابھی پرواز کر جائے گی۔

ایک روز بیابانِ اوچ میں شکار کر رہے تھے کہ ایک تیز مغیب و غریب آواز سے نالہ و فریاد کر رہا تھا، اس وقت ایک درویش اس طرف سے گزرا۔ کہنے لگا سبحان اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ فوجان بھی محبتِ حق میں اس تیر کی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ اس درویش کی یہ بات آپ کے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ اُسی وقت ترکِ ملائق کر کے دنیا و اہل دنیا سے فارغ ہو گئے اور یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ایک روز آپ کے پدر بزرگوار نے محل کے کچھ کھڑے آپ کے پاس بھیجے کہ انھیں خرقہ و پوتین کے ابوہ کے لیے استعمال کیجئے۔ فرمایا کہ محل کے ان لکڑوں سے شکاری کتوں کے لیے بُل بنا ئے جائیں۔ آپ کے والد ماجد نے جب یہ سنا تو اپنے پاس بُلا کر اظہارِ ناراضی فرمایا۔ اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ عبدالقادرؒ بمرافزندہ ہے۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت میرے ذمے ہے۔ آپ کو اس کے ساتھ کوئی کام نہیں۔ دوسرے فرزندان کی تربیت کیجئے۔ روایت ہے جب والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو سلاطین و امرا کی صحبت کو کلی طور پر ترک کر دیا حالانکہ آپ کے دوسرے بھائی شہابی دربار سے وابستہ تھے۔ انھوں نے کبھی تعلقات منقطع نہیں کئے تھے۔ آپ کے اس استغناء پر سکند، لودھی سے کچھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس نے چاہا کہ ان کی بجائے سجادہ نشین ان کے کسی دوسرے بھائی کو کر دیا جائے۔ آپ کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اور ابھی یہ تجویز محل میں نہیں آئی تھی کہ آپ نے تمام فرامینِ جاگیر و متعلق بہ خانقاہ تھے باؤنشاہ کو دہلی بھیج دیئے اور لکھ بھیجا کہ ہم کو نہ بادشاہی جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ سجادہ نشینی کی۔ آپ جس کو چاہیں سجادہ نشین بنادیں۔

بادشاہ نے بہ نظر مصالحت کئی مرتبہ آپ کو تشریف لانے کی دعوت دی مگر آپ نہیں گئے۔ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بھیجا :

ہر بیچ باب از بس باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ بر سرِ مای رود مبارک باد
کیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدہ است
ہر جہہ بائے ہبشتی کجا شود دل شاد
اس کے بعد تمام اخراجات توکل اور خزانہ غیبی سے چلتے رہے۔

روایت ہے : ایک دفعہ نماز صبح ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئے، وضو کیا اور اہل خانہ کو آواز دی بیدار ہو جاؤ اور اگر سعادت کو نین حاصل کرو لیکن اہل نانہ کے پہنچتے پہنچتے یہ دولت ختم ہو گئی۔ جب بعض افرادِ خانہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابھی ابھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ بیداری اپنے جمالِ کمال سے مشرف فرمایا ہے۔ میں نے پایا ہاتھیں بھی یہ دولت دیدار نصیب ہو مگر افسوس تم لوگوں نے آتے آتے دیر کر دی اور اس متاعِ بے بہا سے محروم رہ گئے۔
روایت ہے : ایک خوش آوازِ قوال حاضر خدمت ہوا کہ قوالی کرے۔ فرمایا : مجھے اس چیز کی حاجت نہیں ہے۔ میں تمہارا تزکیہِ قلب اور تصفیہِ باطن چاہتا ہوں۔ اٹھو، توبہ کرو۔ اپنا ساز توڑ دو۔
سرمنڈ واؤ اور درویش بن جاؤ مگر قوال کو یہ نعمت حاصل کرنے کی توفیق نہ ہوئی، محروم رہا۔ ایک اور شخص جو اس وقت حاضر خدمت تھا، آپ کی اس نصیحت سے بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت مجلسِ تائب ہو کر اٹھا، سرمنڈ وایا، مال و دولت کو راہِ خدا میں لٹا دیا اور حاضر ہو کر حضور کے روبرو بیٹھ گیا۔ ابھی غنڈی ہی دیر گزری تھی کہ گریہ زاری کرنی شروع کر دی۔ پوچھا کیا ہوا۔ عرض کیا : حضرت دیکھتا ہوں کہ گجرات میں میرا بھائی وفات پا گیا ہے اور اس کا جنازہ گورستان لے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ ہی کی ذات کے فیض سے یہ کشف اسے عطا فرمایا تھا۔

روایت ہے : ایک دفعہ ملتان میں وہاں سید بیضہ پوٹ پڑی۔ آپ جہاں وضو فرمایا کرتے وہاں سبز و آگ آیا تھا۔ لوگ وہ سبز و طاعون دے کو کھلاتے۔ اسے حکم ایزدی ثنا ہو جاتی۔ جب وہ سبز و ختم ہو گیا تو لوگوں نے اس جگہ کی مٹی بیماروں کو دینی شروع کی۔ حق تعالیٰ نے اس مٹی میں بھی

وہ خاصیت پہنچی کہ اس سے ہر مرض واسے کو شفا ہو جاتی۔

روایت ہے، ایک مرتبہ ملتان اور اوپہ میں لوگوں کو درپٹلو کا مرض لاحق ہو گیا۔ اطباء اس مرض کے علاج سے عاجز آ گئے۔ ایک رات آپ نے ایک مہینہ ثاب الدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس نے سے کٹڑی کا ایک ٹکڑا عطا کر کے فرمایا کہ کٹڑی کے اس ٹکڑے کو میرے فرزند عبد القادر کو دے، اور کہو کہ ہر مرض پر کٹڑی کا یہ ٹکڑا رکھ کر دس بار سورۃ اخلاص پڑھ کر دم کر دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر مرض سے شفا دے گا۔

آپ کی ولادت ۸۶۲ھ میں اور وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار اوپہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔

شیخ ذی جاد سید معصوم	عبد قادر ولی لاثانی
سال تولدیں ولی مرقوم	طرف مشکل کشاے عالم شد
برنجواں باوہلم دین معصوم	میر معصوم گو بہر جہاں

۶۴۔ حضرت سید محمود حضوری قدس سرہ

سید محمود نام۔ حضوری لقب۔ باپ کا نام خواجہ شمس الدین المشہور شمس العارفین تھا۔ سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ تک منقطع ہوتا ہے۔ غور کے رہنے والے تھے۔ سید محمود اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے پہلے اوپہ اور وہاں سے لاہور

لے آئے۔ گرامی موسیٰ بن جعفر اسحاقی رضی اللہ عنہ ہے۔ کنیت ابو الحسن اور ابو ابراہیم۔ لقب کاظم۔ اثنائاً عشرہ کے ساتویں امام ہیں۔ ولادت۔ صفر ۱۲۰ھ بمقام ابویں ہوئی جو کہ مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ کی والدہ معینہ بربریہ ام ورنہیں۔ تعلیم و تربیت اپنے چچا بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ ۳۰ برس کی عمر میں بکالت اسیری ۹۰-۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے ایک بیٹے بن خالد کے ذریعے طب میں زہر دلا دی تھی۔

نہ غور۔ بغیر اول اور والد مجمل علم کے ایک طاقے کا نام ہے۔

اگر حملہ حاجی سرائے میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے زمانے کے مارت کامل اور استاد گرامی تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذ فیض کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوتا وہ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے خواب میں نعمت حاصل کرتا اسی لئے آپ حضوری کے نقب سے مشہور زمانہ ہوئے۔ دوسری روایت یہ کہ آپ کامرید جلدی ہی اوجِ طریقت پر پہنچ کر درجہٴ حضوری حاصل کر لیا۔ آپ کا سلسلہٴ ارادت حضرت غوث الاعظمؒ تک اس طرح منتقل ہوتا ہے۔ آپ مرید اپنے والد شمس الدین کے اور یہ مرید سید یعقوب کے اور یہ عبدالقادر کے اور یہ سید علی کے اور یہ سید سحری کے اور یہ سید احمد کے اور یہ سید ناصر کے وہ یہ مرید ابوالفرح کے اور یہ سید عبدالوہاب بن سید شیخ عبدالقادر کے قدس اللہ اسیراحم۔

۹۴۷ھ میں سید نصیر الدین جلیوں وفات پائی۔

رفت از دنیا چو براونِ جہاں سید محمود پیر با کمال
صاحبِ مشتاق تارِ بخش بگو نیز شمس التائین اہلِ جبال
مزار موضع گڑھی شاہولاہور کے مغرب کی طرف شرک میاں میر پر واقع ہے۔

۶۵۔ سید عبدالقادر گیلانی قدس سرہ

سید جمال الدین باپ کا نام تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد و مرید تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل مرتبِ خلاق اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ اسل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے لاہور سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلہٴ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر گیلانی غوث الاعظمؒ تک منتقل ہوتا ہے۔ ۹۴۷ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

لایا حملہ سید بر۔ بدونِ دور کے قدیم محلوں سے تھا۔ اور ایک زب مالیک کے عہد میں خیر زاد کے نام سے مشہور ہوا۔ سکھوں کے عہد میں یہی مقام گرامی شاہ بن گیا جو آج کل اسی نام سے مشہور ہے۔

عبد قادر سید نورانی است قطب دہلیاں سالک ربانی است
غیر اسلام آمدہ تحصیل او بار دیگر عبد قادر ثنائی است

۶۶۔ سید عبد الرزاق گیلانی اوچی قدس سرہ

سید عبد قادر ثنائی اوچی کے فرزند ارشد ہیں۔ مالی ہمت اور صاحب فضل و کمال تھے۔ والد ماجد کی وفات کے وقت ناگور میں تھے۔ ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا، مجھے پدر بزرگوار نے بلایا ہے اور میں نے ان کی آواز بگوشِ ظاہری سنی ہے۔ اسی وقت اوچ کو روانہ ہو گئے۔ گو میں وفات کے وقت نوہ پہنچ سکے، چند روز کے بعد پہنچے، اور والد ماجد کے حکم کے مطابق لباسِ خرقہ و اجازتِ خلافت و نعمتِ سجادہ نشینی سے مشرف ہوئے۔ بقول صاحب اخبار الاخیار ۹۴۲ ھ میں وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

سید رزاق شام والا جاد رفت چوں در جہاں ز دور زماں
میر حق آفتاب گو سالش باز مخدوم قطب عالم خواں

۶۷۔ میر سید مبارک حقانی گیلانی اوچی قدس سرہ

مشائخ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، ترکِ غلاف اور تجرید و تقرید میں وحید العصر تھے۔ جذب و استغراق طبعِ عالیہ پر بہت غالب تھا۔ حالتِ جذب و سکریں دور دراز غیر آباد مقامات میں چلے جاتے اور مراقبہ و عبادت میں مشغول رہتے۔ جلالت و سمیتِ کایہ عالم تھا کہ کوئی شخص پاس نہ آجاسکتا تھا۔ شیخ معروف چشتی جو حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ صرف انھوں نے ہی سائزِ خدمت رہ کر اخذِ فیض کیا ہے اور نعمتِ خلافت پائی ہے۔ آپ نے انھیں بشارت دی تھی کہ تمھاری وفات سے ایک یا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف چشتی نو شاہی سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

۹۵۶ء میں وفات پائی۔ پہلے لاہور مدفون ہوئے۔ پھر نیش کو اوج لے جا کر والد ماجد روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔

مبارک شد چو فردوس معلیٰ ہاں سید مبارک پیر یکتا
ز فیض اللہ بسرور رعلتش یافت دگر فضل الہی گشت گویا

۹۵۶ء ۹۵۶ء

۶۸۔ حضرت سید محمد غوث بالا پیر قدس سرہ

سید محمد غوث نام، بالا پیر لقب، سید زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی گیلانی اوجی کے فرزند رشید تھے۔ آپ کے والد ماجد رام ناگور میں قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ اس لئے اپنے جدِ امجد کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ انہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ مشائخ قادریہ میں صاحب ارشاد بزرگ ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ جدِ امجد کی وفات کے بعد اپنے چچا زاد بھائی سید حامد گنج بخش سے سجادہ نشینی و دستار بندی کے امور میں ناراض ہو کر اوج سے نقل مکان کر کے پنجاب کے ایک معروف قصبہ سنگھوہ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر د۔ شوال ۹۵۹ھ میں بعدِ اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری وفات پائی۔ ساداتِ گیلانی سنگھوہ آپ کی اولاد سے ہیں۔

شد چو در خلد بریں منزل گزین اں محمد غوث پیر دستگیر
داں وصالش میر مہدی مستقیم نیز صادق شاہ بالا پیر پیر

۹۵۹ء ۹۵۹ء

۶۹۔ حضرت سید بہاء الدین گیلانی مشہور بہاول شیر قلندر

بہاء الدین نام، بہاول شیر لقب، والد کا نام سید محمود بن سید علاء الدین تھا۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہ تک منسوب ہوتا ہے۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور چچا بھی نقل مکان کر کے ہندوستان آکر شہر بدایون میں

سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار سے پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد بھی نے جو اپنے وقت کی زائدہ و مابودہ خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ علم و فضل، زہد و تقدس، عبادت و مجاہدہ اور خوارق و کرامت میں مشائخ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ جذب و سکرا و ذوق و شوق کا طبیعت پر بے حد غلبہ تھا۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی تھی۔ کہا جاتا ہے مشائخ قادریہ میں سے آج تک کسی نے اتنی بڑی عمر نہیں پائی۔ روایت ہے ایک سو برس کی عمر میں آپ کو ڈاڑھی نکلی تھی۔ تین مرتبہ بار بار سال کی خلوت میں بیٹھے تھے۔ ایک دفعہ حالت استغراق و جذب و سکریں اتنا طویل عرصہ ایک فار میں بیٹھے کہ جس پتھر کے ساتھ پشت تکیہ گاؤ تھی جب وہاں سے اٹھے تو پشت کا کچھ پڑا اس پتھر کے ساتھ لگا رہ گیا۔ روایت ہے: ایک دفعہ آپ خلوت سے اٹھ کر اس مقام پر آ بیٹھے جہاں اب قصبہ حجرہ آباد ہے۔ اُس وقت یہاں دریا بہتا تھا۔ دریا کے کنارے پر آپ نے حجرہ و صومعہ تعمیر کیا اور سکونت پذیر ہو گئے۔ زمینداران قوم و محل جن کی ملکیت میں وہ زمین تھی آپ کو وہاں سے اٹھ جانے کے لئے کہا۔ حضرت نے وہاں سے کچھ دُور جا کر قیام کر لیا۔ وہاں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اس دفعہ آپ جلال میں آ گئے اور دریا کو حکم دیا کہ یہاں سے ہٹ جائے اور ہمارے رہنے کے لئے جگہ خالی کر دے۔ دریا فی الفور وہاں سے دُور تک ہٹ گیا اور ایک بلند جگہ دریا سے نکل آیا جس پر آپ نے قیام فرمایا۔ آپ کا یہ تصرف دیکھ کر وہاں کے تمام زمیندار حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ روایت ہے ایک دفعہ آپ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کی ملاقات کے لئے آئے۔ مگر شیخ داؤد آپ کے رعب و ہیبت سے اتنے مرعوب ہوئے کہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ آپ نے کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد فرمایا: مرغی اندوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ باہر نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آپ ہی کے ارشاد کا اثر تھا کہ شیخ داؤد بڑے کثیر اولاد ہوئے۔ جس بیٹ میں آپ شیخ داؤد سے ملنے آئے تھے وہ یہ تھی کہ شیرچہ سوار تھے اور ہاتھ میں کوڑے کی بجائے سانپ تھا۔ ۱۸۔ سوال ۹۷۳۔ ہمیں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ وفات پائی۔ مزار حجرہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ بعض روایات کے مطابق دو صدیاں اس سے کچھ کم و بیش سال کی عمر پائی۔

چو بہاد الدین زد دنیا رخت لبست رفت در فردوس چوں سرو سی
 شیر عرفان نبی گو رختش !! نیز پر دل شیر سلطان اولی
 ۹۰۳ء ۹۰۳ء

۱۔ حضرت مخدوم جی قادری قدس سرہ

صاحب اخبار الاخبار رقمطراز ہیں، آپ سلسلہ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرنے میں۔
 زہد و تقدس، عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ مالی ہمتی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا و
 اہل نیلے کوئی کام نہ تھا۔ متوکل اور متغنی المزاج تھے۔ شہر بدر جو دیار دکن ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔
 شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں بڑے پائے اور کمزوری کی وجہ سے اٹھنے اور بیٹھنے کی
 بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود جواں ہمتی کا یہ عالم تھا کہ آدھی رات کو نوافل کے لیے اٹھتے،
 نماز تہجد ادا کرنے کے بعد فجر تک اینٹ پست ہیں قرآن شریف ختم کرتے۔ ۹۰۸ء میں وفات پائی۔

شد چو مخدوم از جہان بیونا گشت در فردوس والا جائے گیر
 رختش مخدوم قطب العالم است ہم بخوان ہادی مخدوم البکیر
 ۹۰۸ء ۹۰۸ء

۱۔ حضرت سید عبداللہ ربانی قدس سرہ

سید محمد فاضل گیلانی حلوی اچھے کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی ہی کے
 سایہ عاطفت میں پائی تھی۔ علم منقول و معقول اور احوال و فروع کے جامع تھے۔ اس جلالت علمی کے
 ساتھ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز
 اپنے عہد کے مشائخ میں ممتاز و ذوی الاحترام تھے۔ تمام عمر بابت خلق میں مصروف رہے۔ ایک
 خلق کثیر نے آپ کے کمالات صوری و معنوی سے اخذ فیض کیا۔ ۹۰۸ء میں بہ عہد اکبر وفات پائی۔
 مزار اوج میں ہے۔
 قطعہ تاریخ وفات:

ز دنیا رفت در حسدِ معلیٰ! چو شیخِ پاک عبد اللہ معنوم
وصالِ پاک او از دلِ عیاں شد امامِ دین عبد اللہ محدوم

۲۰۲۔ حضرت سید اسماعیل گیلانی قدس سرہ

سید عبد اللہ ربانی ایلانی اوچی کے فرزند ارجمند تھے۔ بڑے عابد و زاہد۔ مستغنی المزاج اور جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کو لاہور، ہلایا اور یہاں رہنے کی درخواست کی اور ایک ہزار بیگمہ زمین ضلع فیروز پور میں برائے وجہ کفایت عطا کی۔ مگر آپ کے کمال فقر و استغنائے اسے قبول نہ کیا۔ البتہ لاہور میں محلہ کھچی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۹۷۸ھ میں بعید اکبر وفات پائی۔ مرتد حضرت موج دریا بخاری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت چوں از جہاں بجنسدِ بریں پیرِ روشن ضمیر اسماعیل
گشت تاریخِ رحلتش روشن پیرِ نور مبد اسماعیل

۲۰۳۔ حضرت سید حامد گنج بخش قدس سرہ

سید حامد نام، گنج بخش لقب۔ سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر ثمانی گیلانی اوچی کے فرزند ارشد تھے۔ اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت میں وجیل العصر تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ شاہانِ وقت بھی آپ کی عقیدت مندی کو باعثِ فخر و مباہات جانتے تھے۔ تمام عمر ہدایت خلق میں گزاری۔ اپنی زندگی ہی میں خلافت و سجادہ نشینی اپنے فرزند جمال الدین ابوالحسن موسیٰ کو تفویض کر دی تھی۔ آپ کے خلفاء میں سے شیخ سید شیر علی شاہ ملتان اور شیخ دائود کرمانی زیادہ

مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔ ۹۷۰ھ میں بعد ابروفات پانی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ غلط ہے۔

شیخ حامد گنج بخش دو جہاں شد بکب خلد زین فانی سرا
شیخ محبوبی است سالِ وصلِ او نیز حامد شاہ سید مقتدا

۴۔ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی قادری قدس سرہ

داؤد نام، سید فتح اللہ بن سید مبارک باپ کا نام تھا۔ سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظمؑ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد عرب سے آکر ہندوستان میں پہلے بیعت پور (پٹی) میں پھر قصبہ چونی وال (چویناں) سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ اسی مقام پر اپنے والد کی وفات کے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ سن رشد کو پہنچے تو حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے شاگرد مولانا اسماعیل لاہوریؒ کی خدمت میں آکر علومِ ظاہری کی تکمیل کی پھر حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی اوچیؒ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوئے اور سلسلہٴ قادریہ کی تکمیل کے بعد خرقہ و خلافت سے متنازع ہوئے اپنے ننانے کے صاحبِ حال و قال اور جامع شریعت و طریقت بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مقامات پر فائز تھے۔ تمام رات کبھی قیام، کبھی سجد، کبھی رکوع اور کبھی قعدہ میں گزر جاتی تھی۔ کثرتِ ریاضت و مجاہدہ سے آپ کو نسبتِ خاص حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ غوث الاعظم سے پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ حضرت غوثیہ کی روح سے آپ کو ایسی کا زبردستی حاصل تھا۔

صاحبِ اخبار الاخبار کہتے ہیں کہ آپ مجلس میں اس طرح مضطرب و بے چین بیٹھے کہ جیسے کسی نے کوئی چیز گم کر دی ہو یا کسی کو اپنے محبوب کے آنے کا انتظار ہو۔ پھر ذوق و شوق کی حالت طاری ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے شروع کرتے۔ اس مقام پر آپ کا کلام بڑا دقیق و بلند ہوتا۔ فرماتے، عراق کی جانب سے جو ہوا آرہی ہے اس میں خوشبوئے محبوب ہے اور میرا دل اس کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ نیز اخبار الاخبار میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت شیخ قطب عالم فرماتے ہیں کہ حبِ شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لے حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ مراد میں جی سے صاحبِ اخبار الاخبار بیعت تھے اور خلافت پائی۔

آپ کے طریق و عظ و نصیحت سے میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید شیخ داؤد طریقہ مہدویہ رکھتے ہیں۔
ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: مہدویہ طریقہ ضلالت و
گمراہی کا ہے۔ بطریق متعارف اور بسند صحیح سید عالم علی اللہ علیہ وسلم تک ثابت نہیں ہے۔ اسی زمانہ

لے اس طریقہ کے بانی سید محمد مدنی جو چوری تھے۔ ۸۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجذوب
وایمال کے مہر تھے۔ حالت استقرار و جذب و سکون انا مدنی کا نعرہ لگایا۔ جب ہوش میں آئے تو پرہیزگاری۔ مسکین
مستحقین اور جہلے نے انہیں مدنی موعود ہی بنادیا اور ایک نیاز فریاد ہو گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے الچہ اپنے آپ کو
مدنی کہا ہے مگر اس سے مدنی موعود مراد نہیں تھا بلکہ ہادی و رہنما اور مصلح مراد تھا۔ انہوں نے اصلاحی تحریک بھی شروع
کی کیونکہ اس وقت ہندوستان میں سنت بدامنی اور طوائف اللہ کی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی حکومت احکام شرع کے اجرا و تنبیہ
کی ذمہ داری نہ لیتی تھی۔ علمائے حق کم اور علمائے دنیا اور جاہل صوفیاء زیادہ تھے۔ آپ نے ایسے تربیت کا عقد
بلند کیا۔ ان کے شاگرد مخالف بھی معتقد ہیں کہ علوم دینیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور عبادت و تقویٰ میں بھی واجب تھے۔
اصلاحی سلسلے میں ارباب اقتدار سے کوئی بھی لی جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو گجرات چلے گئے لیکن ملانے یہاں بھی
مخالفت کی۔ یہاں سے مجاز کا رخ کیا وہاں سے ایران پہنچے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا اس نے بھی وہاں سے
نکل جانے کا حکم دیا۔ دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا ابھی راستے ہی میں تھے کہ فرخ کے مقام پر ۹۱۱ھ میں وفات پا گئے۔
ان کے معتقدین شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ ملائی نے طریقہ مہدویت کو فروغ دینا چاہا اور مخدوم۔۔۔ نے دبا چاہا۔ سلیم شاہ
نے مخدوم الملک کے کہنے پر شیخ ملائی کو دربار میں بلایا اور ملکہ کو جمع کیا جس میں سید رفیع الدین محدث اور میاں ابوالفتح تیساری
بھی شریک ہوئے۔ مہدویت پر بڑا مباشرہ ہوا۔ بادشاہ نے معاملہ کو دانا چاہا مگر شیخ ملائی اس ادا سے باز نہ آئے۔ اس
پاداش میں کوڑوں سے بٹوائے گئے۔ یہاں تھے تیسرے کوڑے ہی میں رُوح پرواز کر گئی۔ وحش کو باقی کے پاؤں کے ساتھ
باندھ کر فوج میں تشریف لے گئی اور حکم دیا گیا کہ دفن نہ کی جائے۔ ان کے بعد شیخ عبداللہ نیازی کی بادی آئی۔ دربار میں بلائے گئے۔ شیخ
نہایت آزادی و بیباکی سے آئے۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک سے پوچھا ملائی کامرشد سی ہے۔
انہوں نے کہا، ہاں۔ انہیں بھی کوڑوں سے بٹوایا گیا۔ سخت جان تھے بچ گئے۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی۔
اُس فتنے کے دیگر ملّا و مشائخ نے بھی سید محمد چنوری کے دعوئے مہدویت کے رد و قبول میں بہت کچھ لکھا۔ مگر یہ تحریک
کسی نہ کسی صورت میں مٹتی رہی۔ مولانا شیخ جمال الدین معروف پر شیخ ہلول جو اصحاب سلوک و طریقت سے تھے اور
شیخ داؤد چونی وال غیر گرامی کے طبقہ ارادت میں داخل تھے اور علوم متد اور ابن سید رفیع الدین محدث شیرازی کے شاگرد
۱۔ باقی اگلے صفحہ پر

جب مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اپنے زمانہ اقتدار میں بعض مسائل کے اختلاف کی بنا پر بعض اکابر علماء و صلحاء کے درپے آزار تھے۔ آپ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور سلیم شاہ کا فرمان بھیجا کہ طلب کرایا۔ چنانچہ آپ دو خادموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گوالیار سے باہر ملاقات ہوئی مخدوم الملک شیخ کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئے اور عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ دوران گفتگو شیخ نے مخدوم الملک سے اپنی طلبی کا سبب پوچھا۔ مخدوم الملک نے جواب دیا: ہم نے سنا ہے کہ وقتِ ذکر آپ کے مرید یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: یہ اشتباہِ سناغ ہے وہ یا دود یا دود کہتے ہوں گے۔ مخدوم الملک یہ جواب سن کر خاموش رہا۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بمقام شیر گڑھ زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

حضرت داؤد شیخِ باکمال شہچرازد دنیا بخت یافت جا
کن رقم فیاضِ کامل رحلتش! باز فرما "اہل عرفان مقتدا"

۵۔ حضرت شیخ بہلول ریائی قدس سرہ

سلسلہ قادریہ کے مشائخ عظام اور اولیائے ذوی الاحترام سے ہیں۔ حضرت شاہ لطیف تری قادری سہروردی قدس سرہ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ صاحبِ علم و فضل و زہد و تقویٰ تھے (بقیہ صفحہ) سید محمد مدنی جرنپوری کے دعوائے مہدویت کے قائل نہ تھے مگر ان کی ولایت کے فروغ معترف تھے۔ بعض علماء نے ان کے دعوائے مہدویت کے رد و تہلیل میں بین طریقہ اختیار کیا اور ان کے احوال و مقامات کو جذب و سکر قرار دے کر نامشروع لکھنے کو مطالبہ جوں کاتوں رہا۔ شیخ مبارک ناگوری بھی آزاد خیال اور آزاد مشرب ہونے کے باعث طریقہ مہدویت کے موید تھے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسند مہدویت موقوف علیہ ایمانِ اسلام نہیں ہے تعینِ مہدی میں سخت اختلاف واقع ہوا ہے۔ اموی و عباسی خانہ جنگی سے لے کر آج تک یہ فنیہ و سیاسی و جہالتی انقلاب کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ اپنے حصولِ مقاصد کے لیے کئی فرقوں نے تعینِ ذاتِ مہدی کے لیے حدیثیں بھی وضع کیں۔ لہٰذا بزرگانِ پنجاب میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ صاحبِ فضل و کمال اور عوارقِ کرامات تھے۔ بڑے مابد و زاہد و گوشہ نشین تھے۔ انحرافاتِ استغراق و جذب و سکر میں راہ کرتے تھے۔ نعمتِ بطنی حضرت جمال اللہ حیات المیر (باقی صفحہ ۲۰۵)

ایسے معامین میں قمار تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد عراق و عجم کی سیاحت کو نکلے۔ پہلے
 نجف اشرف پہنچے۔ دو سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر اقلکات کیا۔ وہاں
 سے کربلا آئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر تین ماہ حاضری دیتے رہے وہاں سے
 مکہ معظمہ آئے۔ مناسک حج ادا کیے۔ یہاں سے مدینہ منورہ آئے۔ روزنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر مشہد مقدس آئے۔ حضرت علی رضا امام ہشتم اثنا عشری
 کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں سے بشارت پائی کہ ایک مرد حق فلاں پہاڑ کی غار میں بیٹھا جو اسے
 جو سلسلہ قادریہ ہی سے منسلک ہے اس کے پاس جاؤ اور اپنا حصہ لوجہ اگرچہ وہ مرد مغدوب بن
 مگر یہ روشن ضمیر ہے۔ چنانچہ یہ اشارہ نبی پاتے ہی آپ وہاں پہنچے دیکھا کہ غار میں ایک مرد
 سال مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی غار میں نہیں۔ اس کے چند خادم باہر بیٹھے
 ہوئے ہیں۔ شیخ نے اس بزرگ کا حال اُن سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ ہر روز ایک مرتبہ مراقبہ
 سے سر اٹھاتا ہے اور حاضرین پر نظر ڈالتا ہے لیکن ایک روز اس کی نظر میں تاثیر جلالی ہوتی ہے اور
 دوسرے روز تاثیر جمالی۔ آج نظر جلالی کا دن ہے۔ اس نظر کی کوئی شخص تاب نہیں لاسکتا۔ چنانچہ
 آپ نے اس روز توقف کیا۔ دوسرے روز علی الصبح غار میں پہنچے اور مغدوب کی نظر فیض اثر سے
 فیوض و برکات حاصل کئے۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ روزنہ پاک چنیوٹ کے ملازمین بنے۔

رفت روحش بادِ چرخ بریں کرد رحمت چو از زمین بسلول
 بست شیخِ جلیل تارِ بخشش ہم بخوان "خیر اہل دیں بسلول"

۹۸۳ھ ۹۸۲ھ

(بقیہ ماشیہ ص ۲۱) فرزندِ نجم سید عبد الرزاق خلف حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم سے پائی تھی۔
 حضرت جمال اللہ کو حیات المیزندہ پر پہنچنے کی وجہ بت کر حضرت غوث کو یہ پتہ چلے کہ وہاں پہنچے۔ ان کے لئے
 عہد وید کی دمانگ تھی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ وہ آج تک زندہ ہیں اور دیا رتہ قد کی کسی جانب سکونت
 رکھتے ہیں۔ اکثر اولیاء کرام نے آپ سے اخذ فیض کیا ہے۔ حضرت شہاد علیف بری نے ان کے علاوہ شیخ
 نصیر الدین قریشی متاقی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اسی لئے بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں اور شیخ بہلول درہانی کو
 شائع سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

۷۶۔ حضرت شیخ ابوالحاق قادری لاہوری قدس سرہ

حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر کڑھی کے بزرگ ترین مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ جامع علوم
نلابری و باطنی تھے۔ ۷۰ سال و آٹھ ماہ درجہ مبارک تھے۔ حضرت شاد ابوالمعالی جو شیخ داؤد
کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے اُن سے بڑی الفت و محبت تھی۔ دونوں حضرات
ایک ہی جگہ پر عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں بیٹھا کرتے تھے۔ جب شیخ داؤد نے شاد ابوالمعالی
کو لاہور جا کر قیام کرنے کا حکم دیا تو آپ بھی اپنے مشد سے اجازت لے کر لاہور آ گئے اور محلہ
مغل پیر میں سکونت اختیار کر لی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ اپنی خانقاہ میں علوم
فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے
بہرہ وافر حاصل کیا۔ آپ کے بزرگ قوم مغل غوری سے ہیں۔ ۹۰۵ھ میں بعد اربعہ وفات پانی اور اپنی
قیام گاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تین صاحبزادوں محمد حسین، مک حین اور یاسین کے مزارات بھی
آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک گنبد کے اندر ہیں۔

شیخ ابوالحاق پیر رہنما ! شد چو از دنیا ئے دوں اندر جاں
رحلتش گفتم فقیر معرفت ہم ابوالحاق تاج عارفان

۷۷۔ حضرت سید میراں گیلانی اوچی قدس سرہ

حضرت سید مبارک خٹائی گیلانی اوچی کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد
ہی کے سایہ ماطفت میں پائی تھی۔ اُنہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ مابہد و زابد، متقی و صاحبِ شاد
تھے۔ اوچ سے نقل مکان کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولِ مام عطا فرمایا تھا
تمام عمر درس و تلمین میں گزاری۔ ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔ مرقہ کورستان میانی میں ہے۔

بجنت رفت زیں دنیا سے فانی ! چوں آں مقبل مبارک میر میراں
دعائش مخزن الاسرار فرما بخوان 'مقبل مبارک میر میراں'

۸۔ حضرت شیخ معروف چشتی قادری قدس سرہ

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر کی اولاد اجماد سے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے نیز حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی سے بھی اجتہاد فیض کیا تھا اور خرقہ خلافت پایا تھا۔

روایت ہے: جب آپ حضرت سید مبارک حقانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو وہ اس انتہائی استغراق اور جذب و سکر میں مصرائے لکھی میں مراتب و مجاہدہ میں مشغول تھے۔ اس حالت میں کسی کو ان کے سامنے جانے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ جب شیخ چشتی وہاں پہنچے تو خدام نے انہیں حضرت کے سامنے جانے سے روکا۔ مگر انہوں نے فرمایا: ہرجہ بادا باد۔ جو کچھ بھی ہو میں ان کے سامنے فروز جاؤں گا۔ چنانچہ جرات و ہمت مراد کر کے ان کے سامنے پہنچے۔ آپ اس وقت گومراقبہ میں مستغرق تھے مگر نور باطن سے آگاہ ہو کر سر اٹھایا اور متبسم ہو کر شیخ معروف کی طرف دیکھا۔ نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ تین دن تک بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو طلقہ ارادت میں داخل ہو کر سلسلہ قادریہ کے عطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور کچھ عرصہ حاضر خدمت رہ کر کمالات ظاہری و باطنی میں مقامات بلند حاصل کئے۔ رخصت کے وقت حضرت حقانی نے فرمایا: تم سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف طریقہ نوابیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ۹۰۷ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا گشت سوئے حسلہ راہی چہ شیخ دین والا شاہ معروف
وصال او بہ سرور گشت پیدا ز اقدس شاہ مالی جاہ معروف

۹۔ حضرت سید محمد نور قادری قدس سرہ

سید ہادول شیر گیلانی جروٹی کے فرزند ارشد تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی ہی سے پائی تھی۔ تمام بھائیوں میں علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ ان کے خیر

شاہ کمال بخاری بھی جن کا مزار قصبہ چوئیاں میں ہے اور پر جہانیاں کے خطاب سے مشہور زمانہ ہیں۔ اپنے مد کے کامل و اکمل بزرگ گزرے ہیں۔ جب آپ کے پدر بزرگوار نے جلت فرمائی تو اتفاق سے آپ اس وقت تجرہ میں نہیں تھے۔ آپ کی غیر حاضری ہی میں انھیں دفن کر دیا گیا۔ جب آپ سفر سے واپس آئے تو دیدار پدر کے لئے نہایت مضطرب و متحیر تھے۔ آپ نے چاہا کہ قبر کھول کر والد بزرگوار کا دیدار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے دیگر معتقدین و لواحقین پر یہ تدبیر لگا دی کہ کوئی قبر شریف ہکے پاس نہ آنے پائے۔ قریحہ لگا کر اسے کھولا گیا۔ ایک معمار کسی طرح چھپ کر خیمہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تاکہ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہو سکے۔ خود حضرت سید محمد نورؒ نے لحد کھولی اور والد ماجد کے دیدار سے فیض یاب ہوئے۔ مگر وہ چھپا ہوا معمار تاب دید نہ رکھتا تھا، اسی وقت اندھا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سید محمد نورؒ نے آپ کی قبر پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا۔ جہاں اور معمار تعمیر گنبد کے لئے آئے وہاں یہ اندھا معمار بھی حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اگر میں مینا بوجاؤں تو حضرت کا مقبرہ خود بناؤں۔ فرمایا: اچھا یونی سہی۔ دن بھر جب تو کام کرتا رہے گا، مینا رہے گا۔ جب کام سے فارغ ہو گا تو اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مقبرہ بنا رہا اسی طرح ہوتا رہا۔ ۹۸۰ھ میں وفات پائی۔

گشت در جنت چو روش مثلِ ماہ نورِ دین نور محمد شاہ نور
سالِ وصلش شفقت حقِ گو نیز سالکِ اکبر محمد شاہ نیز
۹۸۰ھ ۹۸۰ھ

۸۰۔ حضرت شاہ قمیص الدین گیلانی سادھوری قدس سرہ

والد کا نام سید ابی الحیات بن سید تاج الدین محمود تھا۔ سلسلہ نسب حضرت سید عبدالرزاق علف حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی نور الثلث قدس سرہ تک منہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد بعد اسے نقل مکان کر کے ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ بنگال میں رہے۔ پھر قصبہ سادھورہ خضر آباد جو انبارہ کے علاقہ میں ہے وہاں آکر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور صوفی باصفا تھے۔ آپ کی ذات سے سلسلہ قادریہ کو ہندوستان میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

آپ نے سادہ و سادہ شیخ نصر اللہ کی دختر سے نکاح کیا جن کے بطن سے سید قیس الدین پیدا ہوئے۔ شیخ نصر اللہ بھی اپنے زمانے کے صلحا میں سے عالم و فاضل شخص تھے۔ سید قیس الدین نے اپنے والد ماجد ہی کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور کمالات صوری و معنوی میں یکاثر آفاق ہوئے۔ آپ کی ذات اپنے زمانے میں مقدمات سے تھی۔ ایک خلق کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں سے سید عبد الرزاق المشہور شیخ بطلال بامع شریعت و طریقت و حقیقت گزرے ہیں۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

پیر قیس از جہان دنیا رفت گشت چوں گنج در زبیں مستور
سال و صدائش امام فضل آمد نیز شیخ امام کرد و ظهور
۹۹۲ھ ۹۹۲ھ

۸۱۔ حضرت شیخ سید اسماعیل گیلانی قدس سرہ

باپ کا نام سید ابدال بن سید نصر تھا۔ سید عبد الرزاق فرزند حضرت سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم تک سلسلہ نسب منتهی ہوتا ہے۔ عالم و فاضل اور صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ قلعہ رتھور میں سکونت رکھتے تھے۔ صاحب اجازہ الاخبار کہتے ہیں: سب سے پہلے سید اسماعیل کے بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے۔ ان سے پہلے حضرت غوثیہ کی اولاد میں سے کسی نے ہندوستان کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔ اگر کیا بھی تھا تو قیام نہیں کیا تھا۔ آپ کی ذات بابرکات سے ایک خلق کثیر نے علم و ہدایت سے حصہ وافر حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ محمد حسن شیخ امان پانی پتی، شیخ عبد الرزاق ساکن جھنجھانہ آپ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ یہ تینوں حضرات مجمع البحرین تھے اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے مشاہیر اویا سے تھے۔ ان بزرگوں کا ذکر سلسلہ چشتیہ میں آئے گا۔ ۹۹۳ھ میں وفات پائی۔ مزار قلعہ رتھور میں ہے۔

شد چو اسماعیل از دار البقا مکن خود یافت در دار السلام
رطش آمد عیاں مقام وقت نیز اسماعیل مخدوم امام
۹۹۳ھ ۹۹۳ھ

۸۲۔ حضرت سیدالہ بخش گیلانی لاہوری قدس سرہ

بقول صاحب اخبار الاخبار سید محمد بن سید زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی اویسی کے فرزند تھے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اپنے زمانے کے مقتدا عالم تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ ۹۹۴ھ میں دیارِ بنگال میں وفات پائی۔

الہ بخش آں ولی دین احمد ز دنیا شد چو در خلدِ معلیٰ
بجسم از خود سالِ وصالش ز فیاضِ زمانہ گشت پیدا
۹۹۴ھ

۸۳۔ حضرت شیخ خضر سیستانی قدس سرہ

سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے ہیں۔ سیستان وطن تھا۔ اپنے زمانے کے صاحب کمال دیکھائے روزگار بزرگ گزرے ہیں۔ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور فقر و استغنا میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفرید کا یہ عالم تھا کہ تمام مہاجر آبادی سے دور ایک ویرانہ میں یا دالہی میں بسر کر دی۔ فوتِ لایوت جھگل کے درختوں اور پتوں سے حاصل کرتے۔ یا کبھی تنور میں اپنے لئے ایک آدھ روٹی پکالیتے تھے۔ لباس صرف ایک تہ بند اور چادر تھا جس سے سر اور جسم ڈھاپ لیتے تھے۔ جو تنور بنا رکھا تھا اسے بوقتِ نزوت جھگل کے ایندھن سے گرم کر لیتے تھے۔ شہر و آبادی کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ جھگل کے پیلور و وحش آپ کے ہم نفس و ہمدستان تھے۔ تنور کے سامنے ایک پتھر رکھا ہوا تھا اس پر بیٹھ کر عبادتِ الہی کیا کرتے تھے۔ اس پتھر پر گرمی آفتاب کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ موسمِ سرما میں بھی یہی تنور گرم کر لیتے تھے اور اس میں بیٹھ کر یا دالہی کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سیستان آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ دیکھا کہ شیخ گرم دھوپ میں پتھر پر بیٹھے ہوئے یا دحق میں مصروف ہیں۔ نزدیک جا کر اپنا سایہ شیخ پر ڈالا۔ شیخ نے مراقبہ سے

سرٹھایا اور پوچھا: کون ہے اور اس دیرانے میں کس لئے آیا ہے۔ کہا حاکم سیستان ہوں اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے خدمت کا موقع دیکھئے تاکہ اس سے سعادت و این حاصل کروں۔ فرمایا: کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس نے پھر عجز و انکسار سے درخواست کی۔ فرمایا: بہتر پہلی خدمت یہ ہے کہ اپنے سایہ کو میرے سر سے دو کر دو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ۔ جس شخص کے سر پر سایہ الہی ہو اس کو دوسرے کے سایہ کی حاجت نہیں ہے۔ وہ دور جا کر کھڑا ہو گیا اور کہا: حضرت جس وقت یادِ حق میں مشغول ہوں میرے لئے دُعا فرمائیے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ وہ دن میرے نصیب نہ کرے کہ یادِ حق کے وقت غیرِ حق کا خیال میرے دل میں گزرے۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار سیستان میں ہے۔

شیخِ خضر آں رہنائے راہِ حق مقتدائے دین ولی متقی
ہادی دین شیخ شد از دل میاں سن و سالِ اتقائش لے انخی
۹۹۴ھ

۸۴۔ حضرت سید شاہ نور حضور می قدس سرہ

سید محمود حضوری موسوی فری کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد مطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور اجازتِ ارشاد ملی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور مازنِ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ والد ماجد کے فیضانِ نظر سے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ ہر آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوتا وہ بہت جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبہٴ حضوری حاصل کر لیتا۔ ۹۹۷ھ میں وفات پائی۔

گشت روشن چوں بجلدِ جاوداں سید و سردارِ سردر شاہ نور
سالِ وصلش از خود شد جلوہ گر ہادی احسن منور شاہ نور
۹۹۷ھ

مزار سید محمود حضوری کے گنبد کے اندر ہے۔

۸۵۔ حضرت سید موسیٰ پاک شہیدِ قدس سرہ

سید حامد بخش گیلانی اوچی کے فرزندِ رشید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ پدرِ بزرگوار سے سلوک و معرفت میں مقاماتِ بلند اور مدارجِ ارفعہ حاصل کر کے جمالِ الدین ابوالحسن کا خطاب پایا تھا۔ عبادت و ریاضت اور ارشاد و ہدایت میں گمانہ روزگار تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے اویسی تھے۔ نیز خالصتِ بیداری میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے بھی مشرف ہوئے تھے اور بطریقِ کشف قبور حضرت شیخ سید عبدالقادر ثانی گیلانی اوچی سے اخذِ فیض کیا اور سمیت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالحی محدث دہلوی صاحب اخبار الانبیاء آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔ کتاب کے آخر میں اپنی بیعت کے حالات مفصل و مشروح درج کئے ہیں۔ آپ کی تمام عمر رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین میں گزری۔ ۱۰۰۱ھ میں قومِ لنگاہ کی ایک خانہ جنگی میں اتنا قاتل گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ مزارِ مقام میں زیارت گاہ خلق ہے۔

چو موسیٰ از جہاں رختِ سفر بست عیاں شد رحلتِ آلِ شام و حق ہیں
ز قلوبِ الاصفا موسیٰ ثانی دگر موسیٰ ثانی نیرِ دین

۸۶۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہ

عبدالوہاب نام، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا۔ اصل وطن مالوہ تھا۔ ان کے والد ہندوستان کے اکابرِ صوفیاء و علما سے تھے۔ حوادثِ زمانہ نے ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ برہان پور آگئے، یہیں فوت ہوئے۔ شیخ عبدالوہاب کو چھوٹی عمر ہی میں سلوک و معرفت اور سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بیسٹ سال کی عمر میں وطن سے نکلے۔ گجرات، دکن، سرانڈیپ سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں حضرت شیخ علی متقی محبتی قادری شاذلی کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوئے۔ خدمتِ مرشد میں رہ کر علومِ ظاہری و باطنی سے بہرہٴ وافر حاصل کیا۔ اپنے خلوص و عقیدت کے باعث اعلیٰ علیہ السلام، متقی لقب تھا، والد کا نام حسام الدین تھا۔ اصل وطن جوہر تھا مگر ولادت (باقی اگلے صفحہ پر)

مرشد سے بے اندازہ فیوض و برکات اکتساب کئے۔ اپنے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کی وجہ سے عین ذات مرشد ہو گئے تھے۔ صاحب اخبار الاخبار کہتے ہیں: شیخ عبدالوہاب ۱۱ سال مرشد کی زندگی میں اور ۱۰ سال مرشد کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں رہے۔ اس چالیس سال کے دوران میں ایک سال بھی حج فرت نہیں ہوا۔ وہاں تمام عمر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور رہنمائی و مجاہدہ میں گزاری۔ مرشد کی وفات کے بعد اپنے خویش واقارب سے ملنے کے لئے ہجرات آئے مگر اسی سال واپس چلے گئے کہ حج سے محروم نہ رہ جائیں۔ پچاس سال کی عمر میں نکاح کیا۔ اس سے پہلے جو فتوح و غنائم میں آتی تھی وہ سب کی سب تقسیم کر دی باقی تھی۔ اب اس سال اپنے اہل و عیال کا حصہ بھی کمانے لگے۔ صاحب اخبار الاخبار رقمطراز ہیں: شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول کر ایک صحرائے لقی و دق میں پہنچ گئے۔ آبادی تو کجارجی آب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا۔ والد لداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی طعام آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہو گئی۔ ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کش مکش میں رات کاٹی۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت مرد پیر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم درخت سے نیچے اترے اس نے ہمیں اپنی بغل سے گرم گرم دوٹیاں نکال کر دیں۔ ہم نے کھا لیں۔ اس چشمے سے پانی پیا۔ اس مرد پیر نے کہا: یہاں قریب ہی ایک اقبیہ حاشیہ ص ۱۸۱ بران پور میں ہوئی تھی پہلے سلسلہ چشتیہ میں شاہ واجن سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ حسام الدین متقی لمٹانی چشتی سہروردی سے علوم غریبی و باطنی سے استفادہ کیا حرمین الشریفین آئے۔ یہاں شیخ ابوالحسن بکری سے مہارت تلمیذ طریقہ شفاء لیا جو حضرت شیخ ابودین مغربی المتوفی ۹۵۰ تک منتقل ہوا ہے حاصل کی اور حضرت شیخ محمد بن محمد بن محمد سہادی سے سلسلہ قادریہ کا خزانہ حاصل کیا۔ یہ سلسلہ میں سکونت اختیار کر کے تادم زیست درس و تدریس اور ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے جمیع الجوامع، جامع صغیر، محمود حکم کبیر، تلمیذ طریق زیادہ مشہور ہیں۔ ۵، ۶ و ۷ میں وفات پائی۔ علی بن عبد

آپ کی تاریخ وفات ہے۔ مزار محمدیہ میں ہے۔

کاؤں سے وہاں پہلے جاؤ۔ ہم اس کاؤں میں چلے گئے۔ کچھ مرد آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا۔ اس جگہ پر آیا۔ دیکھا کہ وہاں نہ چشمہ نہ دو مرد پیر۔ حیران رہ گیا۔ شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہوں گے۔ ہم پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

شیخ اپنے سفر کا ایک اور حال لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیارِ مالابار میں پہنچے۔ قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ وریشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی وریش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا اس شہر میں کوئی مرد وریش ہے۔ کہا: ہاں کیوں نہیں صاحب خوارق و کرامت وریش ہے۔ عوام بھی اس کے بڑے معتقد ہیں۔ مگر بطاعتِ مذہبِ نواہی کرتا ہے۔ خود شراب پیتا ہے دوسروں کو پلاتا ہے۔ اسی وجہ سے میں بھی اُسی سے خوش نہیں ہوں۔ دوسرے روز میں قاضی کی نشان دہی کے مطابق اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ ارد گرد لوگوں کا جھوم ہے۔ میں جب اس کے نزدیک پہنچا تو مجھے مرجھا ہوا بڑا خوش ہوا۔ دو پیالے شراب کے آنے ایک اس نے خود پینا شروع کیا اور دوسرا مجھے پینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کیا۔ کہا یہ تو حرام مطلق ہے اسے نہیں پینا چاہئے۔ وہ اصرار کرتا رہا میں تھک کر قائم رہا۔ تھک کر کہنے لگا: اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کیا پیش آتا ہے۔ میں یہ سن کر بڑا مغموم ہوا اور اُس کی مجلس سے اُٹھ کر آگیا۔ اسی رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ بڑا پُر لطف و پُر نظارہ اور عجیب و غریب باغ ہے۔ اگر اسے بہشت کا نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ چاہا کہ اندر جاؤں۔ دیکھا کہ دروازے پر وہی مرد شراب خوار کھڑا ہے۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب پیو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہوگی۔ میں اس انتہا میں بیدار ہو گیا لا حول و پُر حیا، پھر سو گیا، پھر وہی کیفیت دیکھی۔ اُٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی اور آپ کی مدد مانگی۔ پھر سو گیا۔ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ دستِ مبارک میں عصا ہے اور میں حضور کے دو برو مانر ہوں۔ اُسی وقت وہ مرد شراب خوار حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس کی طرف عصا پھینکا اور فرمایا: ہٹ جانا مبارک گئے۔ اسی وقت اس کی صورت مسخ ہو کر گتے کی ہو گئی۔ وہ وہاں سے بھاگا۔ پھر مجھ فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس وقت میں نے اسے یہاں

نکال دیا ہے۔ اب یہ شہر میں نہیں رہ سکا۔ میں بیدار ہو کر اس کی قیام گاہ پر گیا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وہ راتوں رات بھاگ گیا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔ مزار کلمہ معقلہ میں ہے۔

دو دنیا شد چو در حلد معنی! جناب شیخ اکمل عبد و باب
رہنا جو شیخ کامل گو ہاںش دگر برخاں ز افضل عبد و باب
۱۰۰۱ھ ۱۰۰۱ھ

۸۷۔ حضرت سید صوفی گیلانی قدس سرہ

باپ کا نام سید بدیع الدین بن سید اسماعیل ہے۔ کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ اور صاحب شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ تمام عمر لاہور میں ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی۔

شہ خلد صوفی صافی نسیم شریف ز اولاد پاک علی
شود سال ترحیل او جلوہ گر ز مخدوم صوفی سید ولی
۱۰۰۲ھ ۱۰۰۲ھ

۸۸۔ حضرت سید کامل شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

بعید اکبر بخارا سے لاہور آئے اور موضع بابوسابو میں سکونت اختیار کی۔ علوم ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ عبادت و مجاہدہ، زہد و ورع اور شجاعت و توکل میں راسخ القدم تھے۔ طریقہ قادریہ و مداریہ میں شیخ الہدایہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ لوگوں میں دیوان کامل مشہور تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔ مزار متصل موضع بابوسابو ہے۔ آپ کے مرید عبد الرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے خواب میں آکر منع فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میرا مزار کچا رہے۔

قطعہ تاریخ وفات؛

جناب شیخ ہلال صدر دیوان بعلم عشق کامل قطب عالم
نہا شد بہر سال اتمائش کہ شاہنشاہ کامل قطب عالم

۸۹۔ شیخ حسین لاہوری قدس سرہ

حضرت شیخ ہلال دریانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا دادا المجلس رائے ہندو تھا اور
فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ حسین کا باپ عثمان نامی دین دار آدمی تھا۔ ہاں فندگی
پیشہ تھا۔ شیخ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے ہوئے تو لاہور کے ایک
فاضل حافظ ابوبکر کے حلقہ درس میں شامل ہو کر قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ چھ سات پارے
حفظ بھی کر لئے تھے اور کچھ دینیات میں بھی استعداد ہم پہنچائی تھی کہ اسی اثنائیں شیخ ہلال
دارولاہور ہوئے۔ ایک روز شیخ ابوبکر کی مسجد میں تشریف لائے اور شیخ حسین کو دریا سے ایک
کوزہ پانی کالانے کے لئے کہا۔ اس وقت دریا نے ریلوی ٹکسالی دروازے کے باہر بہتا تھا۔
شیخ حسین دریا پر گئے اور کوزہ میں پانی بھر لائے۔ شیخ ہلال نے وضو کیا، نماز پڑھی اور
شیخ حسین کے حق میں دُعا کی کہ اے الہی اس لڑکے کو مارت اور اپنا ماشق بنا۔ شیخ حسین بھی
ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ انہی ایام میں ماہ رمضان شروع ہو گیا۔ شیخ ہلال نے
حسین کو نماز تیرہویں امام بنایا حسین نے مرشد کی توجہ سے تمام قرآن سنا دیا۔ صاحب حقیقۃ الفقہاء
نے اسے یوں نظم کیا ہے :

در زمانے کہ شیخ سوئے حسین آمد از بہر جستجوئے حسین
وقت خوش بود ساختے مسعود !! سال چنارہ و پنج و نہ صد بود
سال تاریخ دوست بے تاخیر حق شدہ ہادی حسین فقیر

شیخ ہلال نے چند سال ہی میں حسین کو درجہ کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن قصبہ چندلوٹ
(چنیوٹ) میں چلے گئے۔ اس کے بعد شیخ حسین نے چھبیس سال آبادی سے دُور ویرانے
میں شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارے مگر اہل کفر و کفر کی جویری وانا گنج بخش کے

مزار پر اگر اعتکاف میں بیٹھتے۔ اس دوران میں آپ کو حضرت مخدوم کی زیارت بھی ہوتی اور تمام مزار پر نور بوجاتا۔ اس طرح حسین حضرت کی توجہ سے کمال و اکمل ہو گئے اور نورِ باطن سے تمام اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ صاحب حقیقۃ الفقر لکھتے ہیں:

کہ بناگہ زمرتد پر نور کرد در دیدہ حسین ظہور
پیکر خوش بنور نورانی منظر نور پاکِ رحمانی
گشت از دیدنش چو مست حسین بے خود از جائے خویش جست حسین
از ادوات فنا در پائش !! سر خدمت نهاد در پائش

شیخ حسین چشتی بس کی عمر میں شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیرِ مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ پر پہنچے تو اسلہ سے اس کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے اس کے جو معنی تھے، بیان کیے۔ شیخ نے کہا: مجھے حالِ مطلوب ہے قال نہیں۔ یہ کہا اور کتابوں کو اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ دوسرے طلبہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اُن کے مطالبہ پر کتابیں نکال کر اُن کے حوالے کر دیں جو ہنوز حلقِ قیام اور رقص و سرود کرتے ہوئے مسجد سے باہر آ گئے اور طریقہ ملائیہ اختیار کر لیا۔ داراشکوہ نے بھی انہیں ملاقیوں کے گروہ کا

لہ اکابر شائعِ طریقت اس طریقہ کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں حضرت مخدوم سید علی جویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

اول ایک شخص سیدھی راہ چلتا ہے۔ نیک نیتی سے اپنا کام کرتا ہے۔ احکامِ خداوندی بجا دیتا ہے۔ دینی معاملات میں دین پروری کی رعایت کرتا ہے۔ اس پر لوگ اس کی ملامت کرتے ہیں مگر وہ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ایسے ہی مومنوں کی صفت قرآنِ کریم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ خاصانِ خدا علامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کا علم بڑا وسیع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحبِ عزت ہو۔ اُس کی طبیعت اس کی طرف مگ جانے لگے وہ اپنا دل اُس طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر سداوتِ مخلف سے ایسا طریق اختیار کرے کہ جس سے لوگ متغیر ہو کر اس سے الگ ہو جائیں اور اسے برا بھلا کہنے لگیں لیکن شریعت کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سرو اور لکھا ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد کوچہ بازار میں اسی طرح پھرتے۔ چار ابرو کا صفایا،
 ہاتھ میں شراب کا پیالہ، سرو اور نغمہ چنگ و رہاب تمام قیود شریعی سے آزاد جس طرف چاہتے،
 نکل جاتے۔ صاحب حقیقۃ الفقراء لکھتے ہیں: ایک روز اپنے دوستوں کی خواہش پر حسین
 (بقیہ صفحہ ۲۱۸)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کفر اور کفرابی دامن گیر ہو جائے۔ اس سبب سے وہ شریعت کی متابعت
 ترک کر کے کفریہ طاعتی طریقہ سے ہمیں نے اختیار کیا ہے۔ ہر حال میں اپنی رائے پر عمل کرے اور لوگ اسے
 کچھ نہ کہیں کسی نام سے اُسے چاریں، وہ پروا نہ کرے۔ اس قسم کی طاعت ریاکاری ہے اور تارکِ فرض و ائمہ اسلام
 سے خارج ہے۔

شیخ حسین طاعتی طریقہ اختیار کرنے کے بعد طاعتی شراب پیتے، کانا سنتے۔ طوائفیں ان کی مجلس میں آتیں اور
 رقص و سرود سے ان کی عقل کو گرماتیں۔ شیخ حسین خود بھی اپنے محبوب و منظور نظر مادھو کے ساتھ رقص کرتے تھے اور
 وارسی مونچھ منڈاتے تھے۔ ان کے حلقہ نشین بھی اسی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔ غارِ روزه کے ساتھ انہیں
 سروکار نہ تھا۔ جب تک کوئی شخص وارسی مونچھ کا صفایا نہ کرا دیتا اس وقت تک مرید نہ سمجھا جاتا۔ وہ اپنے مرید کو
 اپنے اترے شراب کا پیالہ دیتے۔ اگر وہ بی لیا تو مریدوں میں سمجھا جاتا نہیں تو مجلس سے باہر نکال دیا جاتا۔

ان ظاہری بیفتوں اور خلافِ شریعت باتوں کے باوجود صاحبِ کرامت ولی مجھے جانتے تھے۔ حالانکہ
 "استقامت فوق اکرامت" کے مسلہ اصول کے مطابق استقامت دین ہی ولی کی سب سے بڑی کرامت ہے۔
 ان خلافِ شریعت امور کے باوجود صاحبِ کرامت مجھے جانتے تھے۔ حالانکہ کرامات جزو ولایت نہیں ہیں۔ وارثوں کو
 نے حسنات العارفین میں ان کی بڑی تعریف کی اور ایک دو کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے نیز اپنی تصنیف شہادت میں
 ان کے متعلق لکھا ہے کہ شہزادہ سلیم نور اکبر کی اکثر بیگیاں شیخ کی عقیدت مند تھیں۔ سلیم نے خاص کر ایک
 درباری بہار شاں نامی کو مقرر کر رکھا تھا کہ وہ ان کا روزنامہ لکھتا رہے۔ یہ روزنامہ رسالہ بہاریہ کے نام سے
 مشہور ہے۔ شیخ حسین کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ بھی دو نکلیں ہیں۔ رسالہ بہاریہ اور حقیقۃ الفقراء،
 رسالہ بہاریہ اکبر کے مد میں لکھا گیا اس کا مصنف منشی بہار شاں ہے جسے جہانگیر نے شیخ حسین کے روزنامہ لکھنے پر
 مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب حقیقۃ الفقراء ہے۔ یہ کتاب شیخ مادھو کے ایک مرید پیر محمد نے شاہ جہاں کے
 (باقی اگلے صفحہ پر)

دربائے راوی کی طرف سیر کو نکل گئے اور موضع منڈیا نوالہ پہنچے۔ وہاں کے زمیندار سردار بہادر خاں نے شیخ کے دوستوں کو پکڑ کر ایک جگہ بند کر دیا اور حسین سے کہا: میں انہیں اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک آپ بارش کے لیے دُعا نہیں کریں گے۔ آپ نے بہادر خاں سے کہا:

(بقیہ ماضیہ ص ۲۱)

عہد میں نظم میں لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں آج کل نایاب ہیں۔ شاید کسی صاحب کے نجی کتب خانہ میں ہوں مگر ان کے اقتباسات جو تذکروں میں لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں محض تقلیدی اور اعتقادی رنگ کی ہیں۔ خزینۃ الاسعیاء میں بھی ان دونوں کتابوں کا ذکر اور اقتباس درج ہیں۔ شاید حضرت مفتی صاحب مغفور کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہوں۔ کتاب وسنت کا مقصود تزکیہ ظاہر و باطن ہے۔ ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا اہل کتاب وسنت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے مکمل باہر ہے۔ کہتے ہیں جب شیخ حسین کے مرشد حضرت شیخ بھلول کو حسین کی ان حرکات کا علم ہوا تو وہ لاہور تشریف لائے اور حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نمازی میں سارا قرآن ختم کرو۔ چنانچہ شیخ حسین نے نماز شروع کی اور جب: **الم نشرح لك صدقك** پر پہنچے تو بے اختیار نہیں پڑے اور نماز ختم کر دی۔ دارالاشکوہ اس کی یہ تائید کرتا ہے کہ شیخ حسین نے شاید اس سورہ پاک کا یہ مضمون سمجھا تھا کہ آیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا اور تجھ پر ہم اور انانیت کا بار نہیں ڈالا جو تیری پشت کو پست کرتا ہے اور کیا ہم نے تمہ کو ذکر سے مذکور تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے ہر فرقہ کے بعد بقاء ہے اور بیشک جس کو ہم نے فنا بخشی اسے بقاء سے کبھی ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا پس جب تو نے انانیت اور ہستی و مہم سے فراغت حاصل کر لی ہے تو ہماری ہستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جو ظاہر و باطن کا رب ہے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین پر کبھی اپنہ مرشد سے نہیں ملے۔ اس قسم کی رلیک تاویلات دارالاشکوہ کے مرشد جناب ملا شاد بن خانی اور ان کے واد پر حضرت میان میر نے بھی بعض قرآنی آیات کے متعلق کی ہیں مثلاً: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ** کی تفسیر کرتے ہوئے ملا شاد بن خانی نمازی سے منافی حاصل کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں: اے کسانیکہ لیان حقیقی آوردہ اید نزدیک نماز نشوید و حالت سکر وستی۔ مقید سکر حالت بلند تر است از نماز گزاراں۔ اگر مستی مجازی ست قریب نماز ممنوع است۔ نماز طوط نہ شود۔ دریں صورت عزت نماز ست و اگر سکر حقیقی ست باز ہم قریب نماز ممنوع است۔ دریں صورت عزت سکر است۔ فصل نماز نماز کو خواند (باقی اگلے صفحہ پر)

بہتر اگر تم میرے دوستوں کے لیے نانِ مرغن اور شیر و شکر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ مینہ برسا دے گا
کیوں کہ شیر کے دودھ ان میں آپ کے دوستوں نے ان چیزوں کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔
بہادر خاں نے یہ تمام چیزیں مہیا کر دیں۔ شیخ اور اس کے دوستوں نے کھانے کے بعد دعا کی اسی
(بقیہ ماضیہ ص ۲۱۸)

جناب ملا شاہ کے مرشد گرامی حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قُذِّرَ بِهِمْ وَعَلَى
سُغُیْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ خِشَاءً وَكَأَنَّهُمْ مُخَذَّابٌ عَظِيمٌ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ در حق
خاصاتِ ست ختم ست بر دلہائے ایشاں کہ در دل ایشاں غیر نیاید و چشم ایشاں غیر نہ بیند۔ و گوشِ ایشاں
غیر نشنود و مرا ایشاں لذت و ملاوت بسیار است ازاں کفر حساناتِ اعارفین ص ۳۲ بحوالہ مقدمہ ۳۰۳۔
اذا دارا مشکوہ۔ جناب ملا شاہ بدقشانی مرشد دارا مشکوہ کا ایک مشہور شعر ہے :

پنجہ در پنجہ حسدا وارم

من چہ پے واسے مصطفی وارم

اس پر ملائے کثیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہ جہان بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی و تذکرۃ اصلاء و المشائخ
ص ۳۲ ذہنی اور معتقدات کے لحاظ سے دارا مشکوہ اس قسم کے اعمال و افعال کا موجد تھا اسی لیے اپنی کتاب
حساناتِ اعارفین یا شیطیات میں ان اقوال کی تائید و حمایت کرتا ہے۔ خود حضرت میاں میر کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا
اسی کتاب میں لکھا ہے، اچھ ایشاں در کردہ اے نئے نواحی قصبہ باری عزت گزیدہ بودند من ایشاں را حضرت باری
تعالیٰ ہی گفتہ۔ حساناتِ اعارفین ص ۳۲ اسی رسالہ میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ توحید و
معرفت کے منازل اور مدارق طے کرتے ہوئے ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں ساکبِ شریعت و طریقت،
کفر و ایمان، خیر و شر ہے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے بے خودی کی حالت میں بعض کلمات
ایسے بھی نکل جاتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کلمات کو قابلِ مواخذہ قرار
نہیں دیا جاسکتا۔ اسی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے: ”وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات
بندِ حقائق نکل جاتے ہیں۔ جن کو سن کر پستِ فطرت، دہشت اور زبردِ خشک اپنی کوتاہ بینی سے تکبر کے
فتوے دیتے ہیں۔ اس تکبر سے بچنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔“ غرض اس سہد کے حالات و واقعات کا
(باقی اگلے صفحہ پر)

وقت بادل نمودار نما۔ مینہ برسا اور بارش سے زمینیں سیراب ہو گئیں۔ روایت ہے ایک شخص حاجی یعقوب نامی مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ہمیشہ شیخ حسین کو رؤفہ نبوی میں متکلف دیکھتا۔ اس طرح وہ ان کا شناسا ہو گیا۔ ایک دفعہ وہ ہندوستان آیا۔ لاہور بھی پہنچا۔ بازار میں دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور شیخ شراب کے نشہ میں چور رقص کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اطمینان کے لیے لوگوں سے نام و نشان پوچھا۔ پاس جا کر دریافت کیا۔ یہ کیا حال ہے۔ شیخ نے کہا، انکھیں بند کرو۔ اس نے انکھیں بند کرتے ہی اپنے آپ کو مدینہ منورہ میں اور حسین کو رؤفہ نبوی میں متکلف پایا۔

لقل ہے شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں ایک شخص حسین نامی ہے۔ جو دائرہ میں نہیں منڈواتا ہے۔ سُرخ لباس پہنتا ہے۔ کھلے بندوں خلاف شریعت امور کا ترک کرتا ہے۔ ایک حسین لڑکے کا دھوکہ اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈھول کی آواز پر رقص کرتا ہے۔ اس کے باوجود باطنی ولایت کا دعویدار بھی ہے۔ اکبر نے ملک علی کو توال شہر کو حکم بھیجا کہ حسین کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ کو توال کی تلاش کے باوجود حسین گرفتار نہ ہو سکے۔ ایک دن اتفاقاً حسین اور کو توال کا بازار میں آنا سامنا ہو گیا

(بقیہ صفحہ ۲۲۲)

اگر پوری طرح جائزہ لیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جہاں اکبری الحاد و زندقہ کے استیصال کے لیے اس کے جانشین جہانگیر سے مکرلی اور اسلام کو اس کی اصلی حالت پر قائم رکھا وہاں اُن غیر اسلامی نظریات و معتقدات کی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا جس کے سبب اس قوم کے بے قید و بے شرع جاہل صوفی ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے کتبائے جگہ جگہ اتباع کتاب و سنت کی تاکید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں جو چیز سنت کے خلاف ہے وہ بدعت ہے اور بدعت شیطان کی پسندیدہ ہے فرمایا، ہر بدعت سنت کو اٹھا دیتی ہے اس میں کسی بدعت کی کوئی تخصیص نہیں۔ لہذا ہر بدعت سیدہ ہے اور شریعت کا اور مدار اتباع شریعت پر ہے۔ معاملہ نجات اتباع رسول سے وابستہ ہے اور اتباع رسول کے بغیر ہر شے غیر مقبول ہے۔ حتیٰ کہ زندقہ و تقویٰ و توکل بھی آپ کے بعد آپ کے فرزندوں اور خلفائے آپ کی تعلیمات پر پوری پوری استقامت فرمائی۔

اس نے حسین کو گرفتار کر لیا۔ اُس وقت کو تو ال ایک رات بن کر عبد اللہ بھٹی نامی کو پھانسی دے کر فارغ ہوا تھا۔ کو تو ال حسین کو جو زنجیر ڈالتا تھا وہ خود بخود ٹوٹ جاتی تھی۔ کو تو ال نے کہا حسین تو اپنے شعبدہ سے جو جی چاہے کر میں تیرے پاؤں میں مینہ ٹھونک کر بادشاہ کے حضور پیش کر دوں گا۔ حسین نے کہا: میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے تیرے جسم میں مینیں ٹھونکی جائیں اور تو اسی صدمے سے مرے۔ اگر نے کو تو ال کو حکم بھیجا تھا کہ عبد اللہ بھٹی پھانسی پانے کے وقت جو کلمات زبان سے نکالے وہ بلا کم و کاست لکھ کر بھیجے جائیں۔ چنانچہ کو تو ال نے من و عن وہی الفاظ دوبارہ اکبری میں بھیج دیئے۔ اگر وہ الفاظ پڑھ کر سخت غضب ناک ہوا کہ کو تو ال شر کو اس طرح ہو ہو نہیں کھنا چاہیے تھا۔ اس نے یہ کلمات لکھ کر میری دل آزاری کی ہے۔ اس پاداش میں کو تو ال کو بھی عبد اللہ بھٹی کی طرح پھانسی دی جائے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین کو اکبر کے سامنے پیش کیا گیا۔ حسین اُسی طرح مست و مغرور جام و صراحی ہاتھ میں لٹے حاضر دربار ہوئے۔ اگر نے کہا تو سلسلہ قادریہ کا پیر و جو کر یہے نوشی و امر و پستی کیوں کرتا ہے۔ حسین نے اپنی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر اکبر کے سامنے پیش کیا اگر نے دیکھا تو وہ سرد پانی سے بھرا ہوا تھا۔ دوسرا پیالہ پیش کیا تو وہ شربت سے پُر تھا۔ اسی طرح تیسرا پیالہ دودھ سے۔ اگر نہایت متعجب ہوا۔ بادشاہ نے بغرض امتحان جیل میں بھجوا دیا کہ اگر صاحب کرامت ہے تو زنداں میں نہیں رو سکتا۔ چنانچہ اکبر جب شیخ حسین کو جیل بھجوا کر زمان خانہ میں گیا تو شیخ حسین کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا دیکھا۔ پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو حسین کو وہاں بھی موجود پایا۔ یہ دیکھ کر اگر نے شیخ کو راکر دیا۔

نقل ہے: جب اگر نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں برائے استدعا حاضر ہوا۔ شیخ نے کہا میں نے پانچ سو روپے کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ میں فروخت کر دیا۔ جاؤ مظفر و منصور ہو گے۔ اب کسی اور دلی سے مدد نہ مانگنا۔

چنانچہ عبدالرحیم ٹٹھہ جاتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا اور شیخ کبیر بالا پیر سجاد نشین بارگاہ کی خدمت میں ایک سو روپیہ بطور نذر گزارا۔ شیخ نے قبول نہ کیا فرمایا ملک ٹٹھہ تو پہلے ہی تجھے شیخ حسین دے چکے ہیں۔ اب تدارک لینے کی کیا حاجت ہے۔ صاحب مہاراج الاولایت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مخدوم الحاکم عبداللہ سلطان پوری

قاضی لاہور نے شیخ حسین کی شراب میں سرمست ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا، سخت سرزنش کی۔ شیخ نے مخدوم الملک کے گھوڑے کی باگ تمام کر کہا، اسے قاضی ارکان اسلام پانچ ہیں۔ اول کلمہ توحید اور اقرار رسالت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس میں ہم دونوں شریک ہیں میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور توجہ و زکوٰۃ کا۔ قنبر یہ صرف مجھ پر ہی نہیں تجھ پر بھی ہے۔ مخدوم الملک یرسٹن کر بسا اور چل دیا۔

صاحب حقیقتہ الفقراء بکھتے ہیں کہ شیخ حسین کے مرید فونہرار کے قریب تھے جو ان کے ذریعے سے کامل و اکمل ہوئے۔ بعض نے شیخ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار لکھی ہے۔ ان میں سولہ خلفاء زیادہ مشہور ہوئے ہیں، جن کے مختلف خطابات تھے۔ ان میں سے چار کا خطاب غریب ہے، چار کا دیوان، چار کا خاکی اور چار کا بلاول۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا شاد غریب: ان کا مزار موضع رتی ٹھٹھ وزیر آباد کے قریب ہے۔

دوسرا شاہ غریب: موضع منگو والی تحصیل وزیر آباد۔

تیسرا شاد غریب: مقام اچلا پور دکن

چوتھا شاد غریب: بزاروی۔ اس کا مزار آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان :-

پہلا دیوان مادھو

دوسرا دیوان گورکھ لاہور۔ اس کا مزار آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں ہے۔

تیسرا دیوان بخش مقام بیجا پور

چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مدفون ہے۔

چار خاکی :-

پہلا مولابخش خاکی

دوم خاکی شاد لاہور۔ ان کا مزار آپ کے مزار کے قرب و جوار میں ہے۔

سوم خاکی شاہ وزیر آباد

چہارم جید بخش خاکی۔ جن کا مزار دکن میں ہے۔

چار بلاول

اول شاہ رنگ بلاول

دوم بدو بلاول

سوم شاہ بلاول

ان تینوں کے مزار شیخ حسین کے مزار کے قرب و جوار میں ہیں۔

چارم شاہ بلاول دکن میں مدفون ہیں۔

شیخ حسین ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بعد اکبر وفات

پائی۔ شیخ حسین پنجابی پراکت کے شاہ بھی تھے۔ آپ کی کافیاں مشہور ہیں۔ ان کے ذکر وہ بالا

لے عزیز القدر جناب محمد اقبال مجددی نے شاہ حسین کی ایک نامعلوم تصنیف رسالہ "تہنیت" سے متعارف کرایا ہے۔

شاہ حسین لاہوری کا ایک غیر معروف رسالہ "تہنیت" کے زیر عنوان مع مقدمہ مجددی صاحب مجلہ معارف اہل علم گذر

اگست ۱۹۰۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجددی صاحب کے مقدمہ کی غلطیوں درج ذیل ہے، جو شاہ حسین کے بارے

میں ایک نیا انداز فکر دے گی:

"شاہ حسین کی زندگی کے قفقہ تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کئے ہیں۔ لیکن شاہ حسین نے

آخر عمر میں تمام غلات شرع حرکات ترک کر دی تھیں اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے لگے تھے۔ معارف الولاہ

میں ہے؛ وگرنہ وقت کے وفات اور نزدیک رسید ہوا مورخا مشرورہ رات ترک نمودہ و بہ نماز و روزہ مشغول گشت؛

گفتند ویر حکمت چیست؛ فرمود بنیضی می روم کہ اں را ورزیدہ و ساکنان اں موضع معرفت حاصل ز گردانیدہ؛

فی دائم تا حال من چہ خوب شد، در ہیں حال رحمت حق پیوست رحمة اللہ علیہ" (معارف الولاہیت خلیفہ نسو ذخیرہ

پروفیسر مزاج الدین آذریں خانہ دانش گاہ پنجاب، ورق ۵۱۹ ب) حقیقت الفقراء ج ۱، ۱۰۸ھ کی تصنیف ہے

کی روایت کے مطابق شاہ حسین کا انتقال جمادی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ مگر مفتاح العارفین (طلی) مولفہ عبدالفتاح

بن محمد نمان (تصنیف بعد ۱۰۰۹ھ) میں سال وفات ۱۰۱۳ھ لکھا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک

صرف کافیاں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور کافوں کے قدیم و جدید ایڈیشن تحریر سے خالی نہیں ہیں۔ خوش قسمتی سے شاہ

حسین کا رسالہ "تہنیت" (فارسی) دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ سات فصل پر مشتمل ہے۔ مسائل عمومی تصوف سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

خلفاء میں سے ماحول زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قوم کے برہمن تھے۔ شاہدہ میں رہتے تھے۔ حسین و حیل تھے۔ شیخ حسین کے منظور نظر تھے اور انہی کی رغبت سے مسلمان ہوئے تھے۔ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ۹۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ میں شاہ جہان کے عہد میں وفات پائی۔

قطع تاریخ ولادت و وفات :

طالب عشق و عاشق جانباز	ماوراء عالم حسین نور العین
گشت پیدا انیس دین شرمست	سال تولد او بہ زینت و زین
گفت سرور محقق شرمست	سال ترحیل آن شہ کوئین!

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۴)

متعلق ہیں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین فی الواقعہ ذی علم اور راسخ عقیدہ مسلمان تھے لوگوں نے ان کی طرف فرضی حکایات منسوب کر رکھی تھیں اور بڑے بڑے علماء ان حکایات کو سن چکے تھے۔ چنانچہ عبداللہ خلیلی قصوری نے انبار الاولیاء خلی (تصنیف ۱۰۰۰ھ) میں حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (متوفی ۱۰۴۰ھ) کا قول نقل کیا ہے :

”اگر مجھے علمائے ظاہر کے معنوں کا اندازہ نہ ہوتا تو میں فرد شاہ حسین لاہوری کے مزار پر جاتا اور استدعا کرتا۔“

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری کا شاہ حسین سے انبار اولیاء اور مزار پر حاضری و استدعا کی خواہش کا اظہار اس امر کا جتن ثبوت ہے کہ ان کی طرف منسوب حکایات محض پادروں میں۔ راقم الحروف کو رسالہ تنبیہ کا خطی نسخہ مولانا سید فریت احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہ العالی (ساکن ساہن پال ضلع گجرات) کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔ اصل سالوہ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف انکم گڑھ بابت اگست ۱۹۷۰ء۔

۹۰۔ حضرت شیخ حسین قادری حشمتی قدس سرہ

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی کے بلند مرتبہ پید تھے۔ صاحبِ انجاء والا خیار لکھتے ہیں: عجیب و غریب حالت و محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کشتی میں دریائے زردا سے گزر رہے تھے سنا کہ دریا کے ایک کنارے جنگل میں شیر رہتا ہے، کوئی شخص خوف کے مارے اُس طرف سے نہیں گزرتا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اس کنارے پر اترے۔ ایک چھری لی اور جنگل میں جا کر اُس شیر کو ہلاک کر دیا۔

نقل ہے: ایک شخص بلند جگر پر جس کے نیچے پانی تھا نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ وسواس کی وجہ سے نیت نماز کے الفاظ بار بار دہراتا تھا۔ حاتم بن مجلس پر یہ تکرار نہایت گراں گزری۔ آپ نے اٹھ کر غصے سے اس کے سینے پر ہاتھ مارا وہ پانی میں گر پڑا جو اس بلندی کے نیچے بہ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے دل میں کوئی وسواس پیدا نہ ہوا۔ بقول صاحبِ شجرہ حشمتی ۱۲۔ ۱۱ھ میں بعید اکبر۔ وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

حسین آں محسن و احسن حسن پیر !! ولی دو جہاں شیخ زمانہ !!
چو از دنیا بفرودس بریں رفت وصالش شد عیاں شیخ زمانہ
۱۰۱۳ھ

۹۱۔ حضرت شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری قدس سرہ

حضرت شیخ محمد المعروف برہماں میر قدس سرہ کے بزرگ ترین خلفائے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت میاں میر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ زہد و ورع، تقویٰ و عبادت میں مشہور زمانہ اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ شہزادہ داراشکوہ صاحبِ سکنۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ ایک روز ایک تاجر شخص اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو زبردستی کے ساتھ بغرض تجارت باہر روانہ کیا تھا۔ اب یہ واپس آکر

کہتا ہے کہ راستے میں دہزنوں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔ میں اس معاملے میں سخت حیران ہوں۔
توجہ فرمائیے آپ نے لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے باپ سے جھوٹ کیوں کہتا ہے۔ کیا
تو نے فلاں جگہ روپیہ دفن نہیں کیا۔ جا اور وہ روپیہ لا کر اپنے باپ کو دے۔ لڑکا آپ کا یہ حکم سنتے ہی
قدموں پر گر پڑا۔ معذرت خواہ ہوا اور روپیہ لا کر اپنے باپ کے حوالے کیا۔

نقل ہے، ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ایک بڑی خوبصورت
کیز بھتی۔ چند روز ہوئے وہ بھاگ گئی ہے۔ توجہ فرمائیے کہ لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا: تم آج ہی
فلاں جگہ پر جا بیٹھو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُدھر سے ایک بیل گاڑی گزرے گی اسے ٹھہرا کر کہنا اس میں
میری کیز ہے وہ باہر آجائے۔ چنانچہ اس شخص نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور اپنی
کیز کو پا لیا۔

بقول صاحبِ سِکینۃ الاولیاء ۱۰۱۴ھ میں بعدِ جہانگیر وفات پائی۔

چو از دنیا بفر دوس بریں رفت جنابِ نعمت اللہ شاہ ذی جاہ
وصالِ دوست عابدِ نعمتِ فقر دوبارا میرِ عالمِ نعمت اللہ
۱۰۱۶ھ

۹۲۔ حضرت شاہ بدگیلانی قدس سرہ

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولادِ امجاد سے تھے۔ بعدِ اکبر لاہور شریف لائے۔
کلماتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ لاہور و پنجاب کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت آپ کے
حلقہٴ ارادت میں داخل ہوئی۔ ۱۰۱۸ھ میں بہ زمانہٴ جہانگیر وفات پائی۔ مزار موضع ستانیاں علاقہ
پٹیاں میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں بدالدین از دنیا آئے فانی سفرور زید و شد روشن بخت
نغم کن فضل حق در سید ولی بدر اکرامت
۱۰۱۸ھ ۱۰۱۹ھ

۹۳۔ حضرت شاہ شمس الدین قادری قدس سرہ

شیخ ابواسحاق قادری لاہوری کے حلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ عارف کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ سماع اور کشف و کرامت سے محترز رہتے تھے۔ طالبان علم و ہدایت کی ایک کثیر جماعت نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ جہانگیر آپ کا بڑا گرویدہ و معتقد تھا اور آپ کے برہم کی تعمیل اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ شاہ جہاں ایام شہزادگی میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ نے اسے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم جہانگیر کے بعد بادشاہ ہو گے۔ ۱۰۶۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت شاہ بلاول قادری آپ کے بزرگ ترین خلیفہ تھے۔ مدفن لاہور میں ہے۔

جلوہ گردش چو بادچ مہفت چرخ روح شمس الدین ولی با صفا
سال ترحیلش عیاں شد از خود ہادی محبوب شمس الاتقیاء

۱۰۶۲ھ

۹۴۔ سید جیون المشہور سید عبدالقادر ثالث گیلانی قدس سرہ

ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والد ماجد سید محمد غوث بالا پیر شگرہ سے پائی تھی۔ اپنے زمانے کے شیخ بزرگ۔ زاہد و عابد اور عالم و فاضل تھے۔ اپنے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے باعث سید عبدالقادر ثالث مشہور تھے۔ پند ہر گوار کی وفات کے بعد دیار ہند کی سیرو سیاحت کے لئے نکلے۔ اور اس دوران میں ایک خلق کثیر نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ پھر لاہور آئے اور محلہ لنگر خاں بلوچ میں سکونت اختیار کی اور ایک محلہ بنام رسول پور آباد کیا۔ یہیں ۱۰۶۲ھ میں وفات پائی۔ مزار احاطہ روضہ شاہ چراغ گیلانی لاہوری میں ہے۔

عبدالقادر چو شد ز دار فنا یانت از حق بحسبہ والا جاہ
فیض اسلام گو تبار بخشش ہم بخوان عبدالقادر اہل خدا

۱۰۶۲ھ

۹۵۔ حضرت سید خیر الدین ابو المعالی قادری کرمانی قدس سرہ

سید خیر الدین نام، ابو المعالی خطاب، والد کا نام سید رحمت اللہ بن سید فتح اللہ تھا۔

حضرت شیخ داؤد حنفی وال شیر گڑھی کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ خدمت مرشد میں حاضر ہو کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور تیس سال سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ خرقہ خلافت سے سرفراز ہو کر مرشد کے حکم کے مطابق لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی یتیم کرتے چاہ و باغیچہ اور تالاب تعمیر کراتے۔ آپ کی یہ یادگار عمارتیں شاہ ابو المعالی کے جبوک کے نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک خلق کثیر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر علم و ہدایت سے بہرہ ور ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم کے ایسی تھے۔ آپ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ ہر شخص حلقہ ارادت میں داخل ہوتا تھا اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظم کے دیدار سے مشرف ہوتا تھا۔ محمد وارث شکوہ صاحب سفینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ سارے حق آگاہ حضرت ملا شاہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم اپنے استاد و نعمت اللہ کے مجراہ جو عالم باعمل تھے آپ کی زیارت کو گئے۔ ہم سب حاضر خدمت ہوئے۔ ایک شخص تبسح شاہ صاحب کے لئے لایا۔ آپ نے وہ قبول فرمائی اور اپنے سامنے رکھ دی۔ میرے دل میں گزرا اگر آپ کو کشفِ قلوب حاصل ہے تو یہ تبسح مجھے عنایت فرمادیں۔ جب میں رخصت کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ فرمایا: اپنے حسبِ مدعا یہ تبسح لے لو۔ اگر ہو سکے تو سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرنا۔ تمہیں اور لانے والے دونوں کو ثواب ہوگا۔

صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں۔ انوند نعمت اللہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث الاعظم سے ارادت و عقیدت رکھتا ہوں۔ یقیناً وہ بھی میری اس ارادت مندی سے آگاہ ہوں گے جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں مغرب میں ہوں اور میرا مرید ننگے سر مشرق میں ہو تو میں اس کی سرپوشی کروں گا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی کام کے لیے پریشان و عاجز ہوں، سر ٹھکا ہے۔ اسی وقت حضرت غوث الثقلین تشریف لائے

اور ایک سفید پٹری مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ پگڑی لے لو۔ ہم تیرے اس حال سے
خبردار تھے کہ تو ننگے سر کھڑا ہے۔ لہذا ہم نے چاہا کہ تیرا سر ڈھانپ دیں۔ صبح مجھے حضرت شاہ ابوالعالی
نے اپنے پاس بلایا اور سفید دستار مجھے عنایت کر کے فرمایا: یہ وہی دستار ہے جو رات کو
حضرت غوث الاعظم نے تجھے دی ہے۔

حضرت شاہ ابوالعالی کی ولادت بروز دوشنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۹۶۰ھ ہے۔ ۹ ربیع الاول
۱۰۲۴ھ کو بعد جہانگیر وفات پائی۔ روضہ لاہور بیرون موچی دروازہ زیارت گاؤ خلق ہے۔
دونوں عیدوں کے دن خلق کثیر آپ کے روضہ پر آتی ہے۔

آپ صاحب تصانیف تھے۔ تحفہ قادریہ حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں آپ کی
مشہور تصنیف ہے۔ علیہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیوان اشعار بھی آپ کی قابلِ قدر
تصانیف ہیں۔ اپنا مقبرہ اپنی زندگی ہی میں بنوانا شروع کیا تھا کہ ۱۰۲۴ھ میں داعی اجل کو لبیک
کہہ گئے۔ باقی حصہ آپ کے فرزند ابی بکر نے مکمل کیا۔

برالعالی خیر دین احمدی آنکھ شد پُر نور ز روئے زمین
خیر دین مولیٰ است تولیدش میاں رطقتش مندا منلیٰ خیر دین
۹۶۰ھ ۹۶۰ھ

۹۶۔ میاں نتھاقادری قدس سرہ

حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری کے خاص الخاص مرید تھے۔ تمام عمر مرشد گرامی ہی کی
خدمت میں بسر کی۔ حضرت شیخ کسی دوست و مرید کو رات کے وقت سوائے میاں نتھا کے اپنے
پاس نہ رکھتے تھے۔ میاں نتھا پر حالت استغراق و بے خودی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ دنیا و مافیہا کی
کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ روایت ہے ایک درویش جو پور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا۔ میاں نتھا
نے اس سے پوچھا: کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں جو پور سے آپ کی
ملاقات کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ کے نام و عرف اور حسب و نسب سے آگاہی حاصل کروں۔
میاں نتھا نے کہا: میرا نام نتھا ہے۔ قوم کا پراچہ کھدکش ہوں۔ حضرت میاں میر کا کترین خادم ہوا۔

میرا حال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالمِ جبروت و ملکوت و لاہوت کی کنجیاں مجھے عطا کر دی ہیں۔ جس وقت چاہتا ہوں عالمِ ملکوت و عالمِ جبروت و عالمِ لاہوت کا دروازہ کھول کر داخل ہو جاتا ہوں۔ شہزادہ محمد وارا شکوہ اپنی کتاب سیکینۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ نباتات و جمادات تک میاں نتحا سے ہم سخن ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز میاں نتحا ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ ایک درخت سے آواز آئی، اگر ظلمی کو چرخ دے کر اس پر میرے پتے ڈالے جائیں تو وہ چاندی ہو جائے گی۔ میاں نتحا نے یہ سن کر کوئی جواب دیا۔ آگے بڑھے تو دوسرے درخت سے آواز آئی، اگر تباہا کو چرخ دے کر میری تھوڑی سی کلڑی اس میں ڈالی جائے تو زرخاں بن جائے گا۔ میاں نتحا اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے اور آگے بڑھ گئے اور ایک گنبد میں سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے گا اور دیکھا تو گنبد سے آواز آئی، ذرا ٹھہریں۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں یہی گنبد ہوں جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو روکنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش آ رہی ہے۔ کہیل آپ کو تکلیف نہ ہو۔ ذرا تم لے جو جائیں۔ چنانچہ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بارش جو فی شروع ہو گئی۔ نقل ہے کہ ایک روز میاں نتحا نے رستے میں ایک مرے ہوئے چوہے کو دیکھا۔ جس کا گوشت پوست بھی کل سڑ چکا تھا۔ آپ کی نظر جو نہی اس پر پڑی تو کہا، ارے تو راتے میں اس حالت میں کیوں پڑا ہے۔ اپنے سوراخ میں کیوں نہیں جاتا۔ چوہا اسی وقت زندہ ہو کر اپنے سوراخ میں چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز میاں نتحا خدمتِ مرشد میں حاضر تھے۔ شیخ نے پوچھا، کیوں بھئی میاں نتحا آج کس طرف جا کر مشغول ذکرِ حق ہوئے۔ عرض کیا، حضرت پہلے تو موضعِ اچھوہ کے گرد و نواح لے مالِ فرشتگان و عالمِ معنی اسی کو مالِ غیب و مالِ ارواح بھی کہتے ہیں نیز حالتِ بے تصورِ قیہِ قہر۔ مقامِ عبارتِ فرشتگان ہے۔ مے غفلت و بزرگی۔ اسائے صفاتِ الہی، مرتبہ وحدت و حقیقتِ مبدی۔

عہدِ عالمِ ذات۔ اسی مقام پر سالک کو فنا فی اللہ کا تہ حاصل ہوتا ہے۔

تک۔ ۵۲۔ اہیں کمی گئی۔ اس میں وارا شکوہ نے اپنے پیرِ ملائکہ و بختانی کے مرشد حضرت میاں میر کے حالات و طوفاںات پر در تفصیل سے لکھے ہیں وارا شکوہ کو سری قابلِ قدر تالیف سیکینۃ الاولیاء ہے اس میں قریباً چار سو سے کچھ اوپر صوفیا و صلحا و ملّا کے حالات مدج ہیں۔

میں مشغول ذکر و فکر تھا مگر وہاں کے درخت تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ اُن کے ذکر سے میرے اشغال میں خلل پڑتا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر محلہ خلیفہ عبید کے ایک گوشے میں جا بیٹھا وہاں سکون کے ساتھ مشغول ذکر و فکر ہو گیا۔ حضرت شیخ میاں نتھاکاکی یہ بات سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا، سبحان اللہ اس لڑکے کا معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے اور کیسی کیسی بلند باتیں کرتا ہے۔

نقل ہے ایک روز میاں نتھا، ملا محمد سیانکوٹی اور حضرت شیخ میاں میر حجرے کے باہر سایہ دیوار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک بارش آگئی اور ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا، اب ناچار یہاں سے اٹھنا ہی پڑے گا۔ میاں نتھا نے عرض کیا، حضور فرمائیں تو ابھی اس باد و باران کو ٹٹا دوں۔ حضرت شیخ نے برم ہو کر فرمایا، اچھا تو اب اظہارِ کرامت اور خود فرشتی بھی کرتا ہے۔ یہیں یہاں سے اٹھ کر حجرے میں جانا ہی پڑے گا۔ سبلا حجرے میں بیٹھنے میں کون سا نقصان ہے کہ ہم کارِ الہی میں دخل دیں۔ فعلیٰ الحمد و محمود۔

باوجودیکہ میاں نتھا محض اُن پڑھتے تھے مگر مرشد کے فیضِ نظر سے علومِ ظاہر و باطنی اُن پر آشوب ہو گئے۔ ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کی خبر سُن کر حضرت شیخ نے باہم پُرم فرمایا، فیر خانہ کی دوق میاں نتھالے گئے اور آخری وقت اپنے خدام سے وصیت فرمائی کہ جساں میاں نتھا مدفون ہے مجھے اس کے قریب دفن کیا جائے۔

حضرت نتھا کہ ولی خداست عارف حق واقف علم الیقین
ز عاشق مستانہ بجز حلتش نیز ز محبوب بہشت بریں
۱۲۰۷ھ ۱۰۲۴ھ

۹۷۔ حاجی مصطفیٰ سرہندی قدس سرہ

حضرت شیخ محمد میاں میر بالا پیر کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ زاہد دما بد اور قانع حرص و آز تھے۔ آپ پر اکثر دہشتِ حالتِ جذب و سکر طاری رہتی تھی۔
نقل ہے، آپ ایک دفعہ امامِ جماعت ہوئے۔ حالتِ رکوع میں ایسے استغراق

میں گئے کہ دیر تک سر نہ اٹھایا۔ محققوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی اپنی ناز ادا کی۔ آپ اس حالت میں سات روز تک مستغرق رہے۔ ۱۴۔ ماہ صفر بروز چار شنبہ ۱۰۶۹ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

چوں مصطفیٰ بفضلِ ربّانی شد ز دنیا بجنّتِ اعلیٰ
مصطفیٰ متقی، اعمدِ پیر گو بہ ترجیلِ آں شہِ والا

۹۸۔ سید عبد الوہاب گیلانی قدس سرہ

ساداتِ عظام اور ادیبائے ذوالکرام سے تھے۔ تعلیم و تربیت حضرت سید عبدالقادر ثنائت گیلانی بن سید محمد غوث بالا پیر سے پائی تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علقہ ارادت میں داخل ہو کر آپ کی تلقین و ہدایت سے فیض یاب ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔

عبد وہاب چوں بفضلِ الحق رفتِ احسن بجنّتِ اعلیٰ
ملتش گو امامِ دیں فیاض افضل و سید و ولیٰ فرما

۹۹۔ حضرت شیخ عبد اللہ شہیدی قدس سرہ

ساداتِ گیلانی میں سے تھے۔ والد کا نام عمر بن سید حسن ہے۔ سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک ملتی ہوتا ہے۔ خرقہ خلافت دست بردست اپنے آباء اجداد سے پہنا ہے۔ پندرہ سال کے تھے کہ بہ اشارہ ربّانی ہندوستان تشریف لائے اور موضع تہلہ میں سکونت اختیار کی۔ دیارِ ہند کے اکثر مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ علوم ظاہر و باطن میں درجہ کمال حاصل تھا۔ مریدوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ہمیشہ با وضو اور مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات کا تصور ہوا۔ چنانچہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ چور اگر آپ کے گھر آجاتا یا دھواں اڑھا جاتا یا مہرہ پایا جاتا۔ بلکہ جس گاؤں میں آپ

تہلہ دہلی کے مناسقات میں ایک چھوٹا سا موضع ہے (سفینۃ الاولیاء) ایک دفع کے خلیفہ بہت صاحب کی وجہ سے آپ کو بھی لکھتے ہیں۔

رہتے تھے وہاں کوئی چور آنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو برس کی عمر میں ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں شیخ با اختصاص عبد اللہ
ہست و صلش "امام دیں فیاض" نیز "صدیق خاص عبد اللہ"

۱۰۰۔ ملا حامد قادری قدس سرہ

جامع علوم غامضہ و باطن اور واقف رموز طریقت و حقیقت تھے۔ قرآن خوانی میں اپنا نمائی نہ رکھتے تھے۔ شروع شروع میں حضرت شیخ محمد میاں میر کے فضل و کمال کے منکر تھے۔ پھر ان کی روحانی کشش سے حاضر خدمت ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت و ریاضت میں جہنم مشغول ہو گئے اور کمالات ولایت بڑی جلد حاصل کر لئے۔ تھوڑی ہی مدت میں عالم ملکوت کے اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ ۱۰۴۸ھ رمضان ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی۔ مرقد مرشد کے روضہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

جناب شیخ حامد پیر حق ہیں!! شر دیں پیشوائے اہل جنت
جو تاریخ و سال او بحسبتم عیاں شد مقتدائے اہل جنت

۱۰۱۔ حضرت شیخ محمد میر المعروف بمیاں میر بالا پیر قادری لاہوری قدس سرہ

شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف، والد کا نام قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر تھا۔ سلسلہ نسب حضرت عرفانوق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتهی ہوتا ہے۔ ۱۰۵۹ھ میں شہر سیوستان میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس ہی کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بارہ برس تک والد ماجد کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلہ قادریہ کی تلقین بھی محترم والدہ صاحبہ ہی سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور ہمیشہ اپنے وقت کی عرفا سے تھیں۔ والدہ ہی کی فیض صحبت سے عالم ملکوت کے کشف کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد

حضرت شیخ خضر سیوستانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد خرقہٴ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمودہٴ مرشد کے مطابق لاہور آکر اقامت پذیر ہو گئے۔ جس وقت آپ لاہور تشریف لائے عمر شریف پچیس برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبولِ خاص و عام کر دیا۔ آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقعہٴ اسرارِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں یتائے روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ، فقر و فنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ عابدِ شبِ زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی جس دم کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی سانس میں صبح کر دیتے تھے جب حالتِ استغراق زیادہ بڑھ جاتی تو ایک ایک ماد کے بعد افطار کرتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات صادر ہوئیں۔ حضرت نوٹ الاعظم کے ایسی تھے۔ آپ کا نام بے وضو نہ لیتے تھے۔ سلاطینِ زمانہ آپ سے ملاقات کرنا اور آستانہٴ عالیہ پر حاضر ہونا فخر و سعادت سمجھتے تھے۔

طے جہاں گزرنے اپنی توڑک میں اور ملا عبد الحمید لاہوری صاحبِ شاد جہان نامہ نے اکثر جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ جہاں گزرتوڑک میں ایک جگہ لکھا ہے: شیخ محمد میر لاہوری عت میاں میر سے ان کے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی لیکن اس زمانے میں اگر سے میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور نہیں جاسکتا تھا۔ لہذا اپنی حکومت کے چودھویں سال ان کو آگرو آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے منظور کر لیا۔ ملاقات کے بعد آپ کے اخلاق اور وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہوا لکھا ہے کہ روحانی پاکیزگی اور صفاتِ قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانے میں لامتناہی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ نقد و پرہیزگاری پر بطورِ نذرانہ پیش کر دوں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی اس خواہش نہ تھی اس لئے مجھے بھی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر میں نے ناز پڑھنے کے لئے سفید برتن کے چڑے کا مصلیٰ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انہوں نے قبول فرمایا اور تھوڑے دنوں بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ میں نے خدمت کی درخواست کی۔ فرمایا، بس خدمت یہی بہ مجھے پھر آنے کی تکلیف نہ دینا۔

(باقی کے صفحہ ۲۳۶)

شہزادہ محمد داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت میاں میر کے بھائی وطن سے تشریف لائے، کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بڑے پریشان خاطر ہوئے۔ بھائی کو حجرے میں بٹھایا اور باغ کو گئے۔ وضو کیا، دو گانہ نماز نفل ادا کی اور اللہ کے حضور دعا مانگی کہ اسے باری تعالیٰ تیرے سوا میرا کوئی یار نہ دے گا۔ نہیں ہے اور تُو یہ بھی جانتا ہے کہ میرے پاس کوئی شے نہیں ہے جس سے میں اپنے مہمان کی تواضع کر سکوں۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے گھر سے آکر کہا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے اور انتظار کر رہا ہے۔ جلدی تشریف لائیے۔ جب آپ گھر پہنچے تو نووارد نے خوانِ طعام پیش کیا اور کہا: جس سے یہ کھانا مانگا گیا ہے اسی نے یہ نقد بھی بھیجا ہے اور کہا ہے اگر کچھ اور درکار ہو تو کہتے تاکہ پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اُسی وقت دو گانہ شکر ادا کیا اور مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اربسہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور ایسی زبان میں گفتگو کی کہ جسے اور کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر تین بار آپ کے گرد طواف کر کے لوٹ گیا۔ حاضرین کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا: سانپ یہ

(بقیہ حاشیہ ۱۳۵)

۱۴ عبدالمجید شاہجہان نامہ میں لکھتے ہیں: ایک مرتبہ شاہجہان لاہور آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر و نیاز منظور نہیں کیا کرتے اس لیے ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بے شمار دعائیں لیں۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ میں نے صرف دو صوفی ایسے دیکھے ہیں جو علم الہیات کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر صاحب اور دوسرے محمد فضل اللہ بہاری۔ شاہجہان اپنے دور حکومت میں دو دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک دفعہ کثیر عاتے ہوئے اور دوسری دفعہ کثیر سے واپسی پر۔

داراشکوہ بھی اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں جہانگیر سے آپ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جہانگیر آپ کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ تحت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے منہ فرمایا۔

حضرت خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں التوفیٰ ۱۰۵۲ھ آپ کے معبر تھے۔ اکثر مسائل میں آپ کے ساتھ ملتا

کرتے بہتے تھے غلام کر سید و صحت جو در حضرت ایشاں وحدت وجودی مینی ہر دوست کے قائل نہیں تھے۔ جرنیشن اسکا

قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ اس مسلک میں آپ حضرت شیخ احمد عابد الف ثانی سرہندی التوفیٰ ۱۰۳۴ھ کے

مشرع تھے لیکن ہر از اوست کے قائل تھے۔ (حرم)

کتنا خاک میں نے عہد باندھا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو تین بار آپ کا طواف کروں گا۔ میں نے اجازت دے دی اور وہ طواف کر کے چلا گیا۔

ایک روز آپ میرزین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے ایک فاختہ نے ہڑے پڑ سوز لہجے میں کوکو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شکاری آیا اور اس نے اسے ایک ڈویلہ مارا جس کی جھٹ سے وہ گر کر مرنے لگا اور شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر بھینک دیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس فاختہ کو اٹھا لاؤ۔ وہ اٹھا لایا آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ اسی وقت زندہ ہو گئی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر اسی انداز میں کوکو کرنا شروع کیا۔ شکاری اس کی آواز سن کر لوٹا اور اسے پھر نشانہ بنانا چاہا۔ آپ نے شکاری کو روکا مگر وہ باز آیا۔ وہ اسے نشانہ بنانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ میں سمٹ درو پیدا ہوا اور زمین پر گر کر ترپنے لگا۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے بے درویر اسی بے دروی کا نتیجہ ہے جو تو نے فاختہ پر روار کھا۔ وہ اٹھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے درگزر فرمایا اور وہ شکاری حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا: میرا لکھا بیمار ہے اس کے لیے دوائے صحت فرمائیے۔ آپ نے گوزہ میں پانی دم کر کے دیا کہ اپنے بیٹے کو پلائے جس کے پینے سے وہ صحت یاب ہو گیا۔

اسی طرح ایک شخص کو لائے اور عرض کیا: حضور یہ گونگا ہے بات نہیں کرتا۔ تو حسب فرمائیے کہ یہ بولنے لگے۔

آپ نے لڑکے سے فرمایا: پڑھ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا اور بولنے لگ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے وہ رومال جس سے دھوکہ کے منہ پونچھتے تھے اپنے ایک خادم کو عطا فرمایا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ گھر میں جو کوئی بیمار ہو اس کے سر پر باندھ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا یاب ہو گا۔ خادم نے اس رومال کو بڑا نفع رساں پایا بلکہ اس سے آسیب زدہ بھی اچھا ہو جاتا تھا۔

ایک دن آپ باغ میں تشریف لے گئے اور سرد کے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ
 تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے ذکر پر مامور ہے۔ درخت نے جواب دیا: اسم "یا نافع" پر۔
 ایک روز آپ کی مجلس میں ایک مغل برہنہ سرد برہنہ پا آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بدن پر
 صوف ایک تہ بند تھا۔ اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا پچیس روپے نذر گزارنے جو آپ نے خلافت
 معمول قبول فرمائے اور یہ رقم اس مغل زادہ کو دے دی اور فرمایا کہ گھوڑا خرید لو اور فلاں شہزاد کے
 کے پاس چلے جاؤ ملازمت مل جائے گی۔ یہ دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بڑا برہم ہوا
 اور کہنے لگا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی شخص کو ساری کی ساری رقم دے دی جائے
 حالانکہ اس میں دوسرے درویشوں کا بھی حق تھا۔ چنانچہ وہ اسی قسم کی بیہودہ باتیں بکتا ہوا
 چلا گیا۔ آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس شخص کی کمر میں ایک سو بائیس روپے
 آٹھ آنے بندھے ہوئے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مستحق قرار دیتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے
 چاہا ہے کہ اس کا روپیہ تلف ہو جائے اور یہ اسی روپے کے غم میں مر جائے۔ چنانچہ وہ حریص
 و بدگلام شخص ایک غسل خانے میں نہانے کے لئے گیا۔ کمر سے تھیلی کو کھول کر رکھ دیا مگر جاتے ہوئے
 اٹھانا بھول گیا۔ وہ تھیلی کسی اور شخص کے ہاتھ میں آگئی جسے وہ اٹھا کر لے گیا۔ اس زبان دراز
 کو جب اپنی تھیلی یاد آئی تو روتا پڑتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تیری
 وہ تھیلی فلاں درویش کے پاس ہے اور وہ اس وقت کشتی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے
 جا کر لے لے۔ وہ اس درویش کے پاس پہنچا اس نے وہ تھیلی خود ہی اس کے حوالے کر دی مگر
 یہ اس صدمے سے بیمار ہو چکا تھا آخر مر گیا۔ اس کا مال دو خادم بانٹنے لگے۔ ایک تیسرا شخص
 انہیں دیکھ رہا تھا اس نے ان دونوں کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے دونوں ہلاک ہو گئے۔
 اور تیسرا قتلِ ناحق کی پاداش میں مارا گیا اور بخیل کا مال کسی کے کام نہ آیا۔

حضرت کا ایک خادم نور نامی بیان کرتا ہے کہ ایک رات حضرت جبرے کے اوپر
 تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ پانی کا کوزہ، پٹکھا اور نعلین وہاں رکھ دوں۔ میں پٹکھا اور
 نعلین تو وہاں رکھ آیا مگر پانی رکھنا بھول گیا۔ رات کے ایک حصے میں میں بیدار ہوا اور کوزہ
 آب رکھنا مجھے یاد آیا۔ میں جلدی سے اٹھا، کوزہ بھرا اور وہاں رکھنے کے لئے گیا مگر آپ کو

وہاں نہ پایا۔ بڑا حیران ہوا۔ دیا جلا کر بھی آپ کو تلاش کیا مگر حضرت نظر نہ آئے۔ نماز صبح کا وقت ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ میں پانی لے کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ رات کہاں تھے؟ آپ نے نہ بتایا۔ جب میں نے امر کیا تو فرمایا کہ نارجا میں تھا۔ وہاں جو عبادت میں لطف آتا ہے اور کہیں نہیں آتا۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو مکہ معظمہ جاتے ہیں اور اس جگہ کی زیارت نہیں کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے۔ وہیں آپ پر نزول وحی ہوا تھا۔

جب جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مرزا حسام الدین مرید خواجہ باقی باللہ کے خلاف بعض دشمنوں نے بادشاہ کے کان بھرے۔ جہانگیر نے دونوں کو کشمیر میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور رکھا کہ شیخ عبدالحق کا بیٹا شیخ نورالحق کابل چلا جائے۔ شیخ عبدالحق پریشان حال لاہور آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: خاطر جمع رکھئے آپ سب لوگ دہلی ہی میں رہیں گے۔ چنانچہ اسی اثنا میں جہانگیر کے فوت ہو جانے کی خبر کشمیر سے آگئی اور اس کی فحش لاہور لاکر دفن کر دی گئی اور یہ تینوں حضرات دہلی ہی میں رہے۔

امرا لاہور سے ایک نے اپنی حویلی میں کنواں کھدوایا مگر پانی کھاری نکلا۔ وہ اس پانی کا کوزہ بھر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی بیان کی۔ آپ نے سورہ الحمد پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اس میں سے خود ٹھوڑا سا پیا اور فرمایا: یہ پانی جا کر کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ اس عمل سے اس کنویں کا پانی شیریں اور سرد ہو گیا۔

عبد جہانگیر میں قلعہ کانگڑہ کا محاصرہ ہوا۔ جو افسر قلعے کی تسخیر پر مامور تھے اُن میں سے ایک افسر آپ کا مرید تھا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور التماس کی۔ آپ نے اُسی عریضہ کی پشت پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ اِن شاء اللہ قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ چار روز کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا۔

ایک شخص مستند فاضل نامی آپ کا مرید تھا اُس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ وہ بڑا غمگین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: غم نہ کھاتیری بیوی حاملہ ہے اللہ تجھے نعم ابدل عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام افضل رکھا اور فرمایا کہ تقدیر میں تو لڑکی تھی مگر میں نے تین مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی جو قبول ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص کی کنیز بہت سال لے کر جو ایک اور شخص کی امانت تھی (فرار ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا۔ فرمایا: رنجیدہ نہ ہو۔ کنیز تیرے گھر ہی میں ہے۔ چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو کنیز کو موجود پایا۔ پوچھا: کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔ بہت دور بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص نے بازو پکڑ کر مجھے یہاں لا بٹھایا۔ حیران ہوں اتنے دور دراز فاصلے سے چشم زدن میں میں یہاں کیسے پہنچ گئی۔

ایک عالم فاضل شخص ملا سنگی دوستا قی نامی آپ کے خادم سے تھا۔ کئی سال سے آپ کی خدمت میں رہ رہا تھا۔ ایک روز آپ نے اسے فرمایا: ملا سنگی تمہیں ایک بار اپنے وطن سے ضرور ہونا چاہئے مگر حاجی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ ملا وطن روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت دوستا قی میں داخل ہوئے۔ اپنے گھر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ گھر میں ممان آئے ہوئے ہیں۔ شمعیں جل رہی ہیں۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا: کیا بات ہے۔ اس نے جواب دیا: یہ ملا سنگی کا گھر ہے۔ وہ بائیس سال سے ہندوستان گیا ہوا ہے، چند مہینے ہوئے اس کی موت کی خبر آئی۔ اس کی بیوی نے عدت کی مدت گزار لی، ایک شخص نے اس سے نکاح کی خواہش کی ہے۔ یہ مجلس اسی تقریب کی ہے۔ یہ سن کر ملا سنگی کو خیال آیا کہ حضرت نے مجھے اسی لیے وطن آنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی اثنا میں ملا سنگی کے رشتہ داروں کو ملا کے آنے کی اطلاع مل گئی وہ بڑے غوش ہوئے اور تمام مجلس درجم برجم ہو گئی پس ملا کچھ مدت اپنے اہل و عیال میں رہے اور ان کے نان و نفقہ کا انتظام کر کے پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: کیوں ملا اگر گھری بھر دیر ہو جاتی تو بڑی قباحت واقع ہوتی۔ ملا نے مرشد کی قدم بوسی کر کے عرض کیا: اللہ کے فضل اور آپ کی توجہ سے فتنہ ٹل گیا۔

ایک روز آپ اپنے مرید و خلیفہ ملا شاہ بدخانی کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ملا شاہ کو کشفِ قبور حاصل تھا۔ عرض کیا: آپ سنتے ہیں کہ اس قبر سے کیا آواز آتی ہے۔ فرمایا کیا آواز آتی ہے۔ عرض کیا: صاحبِ قبر کون کتاب ہے کہ میں جوانی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اپنی بد اعمالیوں کے باعث مذابِ قبر میں گرفتار ہوں۔ تعجب ہے آپ حضرات میری قبر سے گزریں اور میرے مذاب میں تخفیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا صاحبِ قبر

پوچھتہ تھا رازِ مذاب کس طرح رفع ہو سکتا ہے۔ ملا شاہ نے مراقبہ سے معلوم کر کے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچایا جائے تو یہ عذاب اٹھ سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے سب سے کلمہ پڑھنے کو فرمایا اور خود بھی پڑھنا شروع کیا۔ جب پورا ہو گیا اور اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچا دیا گیا تو ملا شاہ نے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کے دم قدم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عذابِ قبر سے نجات دے دی ہے۔

۱۔ ربيع الاول بروز شنبہ ۱۰۴۵ھ میں بعدِ شاہ جہان وفات پائی۔ اس وقت لاہور کا حاکم نواب وزیر خاں تھا۔ اٹھاسی سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال سے زیادہ لاہور میں اقامت پذیر رہے۔ مزار لاہور میں زیارت کا وِضعتی ہے۔ حضرت کے چار بھائی میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد تھے۔ دو بہنیں بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون تھیں جو اپنے عہد کی عارفہ کاملہ تھیں۔ حضرت شیخ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی کیونکہ آپ نے تمام عمر تجرد میں بسر کی تھی اس لئے آپ کی وفات کے بعد آپ کی ہمیشہ جمال خاتون کے فرزند محمد شریف المتوفی ۱۰۵۴ھ سجادہ نشین ہوئے۔
قطعہ تاریخ ولادت و وفات :

میر دنیا دیں میاں میر است	واقفِ راز و محرم اسرار
ہندہ مقتدا میاں میر است	سالِ تولدِ آں مشہر ابرار
بادی صدق میر اثر شرفِ خداں	وصلِ آں شاہِ زبدۃ الابرار

۱۰۲۔ سید غلام غوث و شاہ حاکم قدس سرہم العزیز

یہ دونوں بزرگ سلسلہ مالکیہ قادریہ کے اولیائے کاملین سے گزرے ہیں۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ خوارق و کرامات میں درجہ بلند پر فائز تھے۔ سید غلام غوث مرشد اور شاہ حاکم مرید سب سے پہلے ان کے دادا سید ظہور الدین بخاری اوچ سے لاہور میں آکر موضع علی پور جو لاہور سے چار میل کے فاصلے پر دریا ٹٹے راوی کے کنارے پر واقع ہے اقامت پذیر ہوئے تھے۔ راجا گھاسی پسر علی راؤ محمد اکبری میں ایک امیر کبیر شخص تھا وہ ان کا مرید ہوا۔ سید محمد غوث اور

شاہِ حاکم عہدِ جاگیر و شاہِ جہانی میں بڑے پایہ کے مستجاب الدعوات بزرگ گزرے ہیں۔ خصوصاً حصولِ اولاد کے لیے اکثر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتی دعا ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ چنانچہ امراء شاہِ جہانی سے ایک شخص نظام الدین نامی حضرت شاہِ حاکم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عطائے فرزند کی دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جسے ایزد تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور اسے لڑکا عطا فرمایا۔

شاہِ حاکم نے ایک ہزار چالیس میں اور سید غلام غوث نے ایک ہزار پینتالیس میں وفات پائی۔ بے شمار لوگ ان بزرگوں کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزار علی پور میں زیارت گاہ و خلق ہیں اور تاحال ان کے مزار سے ظہورِ کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا تصرف ان حضرات کا یہ ہے کہ خانقاہ کے درختوں سے کوئی شخص کھڑی نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ نجفیت سنگھ کے عہد میں علی پور راجہ دھیان سنگھ وزیرِ سلطنت کی جاگیر میں داخل تھا۔ چنانچہ راجہ کے ملازمین میں سے ایک شخص نے مسواک کی ضرورت کے لئے کچھ کھڑی تراشی تو اسی وقت درخت سے خون ٹپکنا شروع ہو گیا اور کاٹنے والا مرضِ تپ میں مبتلا ہو گیا۔ دو روز بعد مزار پر حاضر ہو کر تائب ہوا اور حکلیت سے نجات پائی۔ چنانچہ سید قطب الدین اور دیگر معتبر حضرات کی زبانی یہ ہمیشہ سنا گیا ہے کہ وفات سے دو سو سال بعد دریا نے راوی سید محمد غوث کے مزار کے بہت قریب آگیا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مزاراتِ منہدم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ شہ شاہ اور ان کی اولاد و افرادِ خاندان نے ان بزرگوں کی لاشوں کو نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا۔ لاشیں تین حضرات کی نکالی گئیں۔ اول سید غلام غوث کی، دوم آپ کے فرزند سید صدر الدین کی، سوم ان کے فرزند سید عیسیٰ علی کی۔ جب یہ تینوں لاشیں دفن سے نکالی گئیں تو وہ بالکل تروتازہ تھیں اور مٹی نے ان پر کوئی تصرف نہیں کیا تھا۔

قطعہٴ تاریخِ وفات :

ولی پاک حق آگاہ ذیعباد
دوبارہ نیز ہادی شاہ ذیعباد

غلام غوث قطب مردِ عالم
وصالح شیخ حق آگاہ مہتمم
۱۰۴۰ھ

حضرت شاہ حاکم گیارخ وفات ۱۰۲۵ھ مکمل شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۳۔ حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہ

شاہ بلاول اسم گرامی، والد کا نام سید عثمان بن سید عیسیٰ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد بابوں بادشاہ کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان میں آئے اور موضع شیخوپورہ میں آباد ہو گئے۔ شاہ بلاول کی ولادت بھی یہیں ہوئی۔ لاہور میں علوم ظاہر و باطن کی تحصیل کی۔ سلسلہ قادریہ میں شاہ شمس الدین قادری لاہوری قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ متاخرین مشائخ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ اپنے عہد کے عالم و فاضل، متقی و متشرع، عالم الدہر اور قائم الہیل تھے۔ کتاب محبوب الواصلین جو خاص آپ کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے سات برس کا سن تھا کہ ان کا ایک ہم عمر لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ یہ سن کر اس کے سر ہانے لگے اور کہا اے یار بے وقت سونا اچھا نہیں ہے اُو چل کر کھیلے۔ لڑکے نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور انھ کو ساتھ چلا گیا۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے جب یہ سنا تو آپ کو شیخ فتح محمد لاہوری جو اپنے عہد کے جید علما سے تھے، کے حلقہ درس میں بیج دیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں علوم ظاہری میں بھی کمال حاصل کر لیا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ حضرت شاہ شمس الدین قادری لاہوری کشتی سے اترے۔ آپ نے فوراً شیخ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ذات کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میری صحبت میں رہو اور فیض باطن جو میرے پاس تمہاری انتہے اسے حاصل کرو۔ شیخ بلاول یہ سنتے ہی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمت مرشد میں حاضر ہو کر بے اندازہ ظاہری و باطنی کمالات اکتساب کر کے خرقہ خلافت پایا۔ مرجع خلافت تھے۔

خاص و عام آپ کی خدمت میں حاضر ہونا باعثِ فخر و افتخار سمجھتے تھے۔ استغنا اور فقر و غنا میں لا محذور تھے۔ لاہوری اپنی کتاب بادشاہ نامہ میں رقم طراز ہیں: شاہجہان بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۰ھ کو لاہور آیا اور صفان کو جہانگیر کے مزار کی زیارت کی وہاں دس ہزار روپے بڑا تین تقسیم کیا۔ محرت میاں میر کی خدمت میں بھی (باقی اگلے صفحہ)

متنازل وقت تھے۔

ایک روز آپ کے مرشد دریا کے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپ حاضر خدمت تھے کہ ایک جاٹ نے اگر درخت سے ٹکڑیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ آپ نے برچہ اے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے اس کی جانب ٹکاوہ غضب سے دیکھا وہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ حضرت شیخ شمس الدین نے بیدار ہو کر فرمایا: ہم فقیروں کے لئے ایسا جلال و غضب روا نہیں ہے اب مناسب یہی ہے کہ حضرت شاہ ابواسحاق کے ایک حجرے میں خلوت نشین ہو کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ شاہ بلاول کئی سال وہاں رہے اور یہ مدت تلاوت اور نماز و روزہ دوام میں گزار دی۔

صاحب محبوب الاولیٰین لکھتے ہیں کہ محلہ شیخ ابواسحاق میں آپ کے ہمسایہ کے ہاں لاکا پیدا ہوا اور رسم کے مطابق بچانڈ در مبارک باد لینے کے لیے آئے وہ بڑا تنگ دست اور مفلس تھا آپ اس کے حال سے واقف تھے۔ آپ ایک مٹی کا ٹونا لے کر حجرے سے باہر دنیہ حاشیہ ص ۲۳۳) حاضر ہوا کچھ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔ ۱۶۹۰ء کو شیخ بلاول کو وہ نذر در پیر نذر کیا جو انہوں نے کچھ تو رویشوں میں تقسیم کر دیا باقی خادم مطبخ کے واسطے کر دیا کہ رویشوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ وہ زاد پر پہنکار رویش تھے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت بلاول سے پوچھا حضرت میاں میر نے میر نذر قبول کیا اور آپ نے کر لیا۔ فرمایا حضرت میاں میر کی صفات کے حامل ہیں ان کی توجہ دنیا کی طرف نہیں ہے۔ ہمارے ہاں رویش اور مسافر آرام پاتے ہیں اور نگر خانہ موجود ہے جہاں سے ان کو کھانا ملتا ہے اس لیے ہیں رو پیر کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ واپسی پر بادشاہ و رہا حضرت میاں میر کے پاس گئے۔ عرض کیا آپ نے میری پیش کش قبول نہ فرمائی کہ حضرت شاہ بلاول نے قبول فرمائی۔ فرمایا وہ بزرگ ولی کامل و مالک مانتد ہیں۔ میں ان کے سامنے ایک معمولی تالاب ہوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید چیز پڑ جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا لیکن تالاب پلید ہوتا ہے۔ بادشاہ یہ سُن کر جب قلعہ میں گیا تو سجدہ شکر بجالایا اور کہا الحمد للہ میرے زمانے میں ایسے ایسے بزرگ بھی ہیں جن کا دُعاؤں الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

دارالشمسہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے: یہ فقیر بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرے پر ریاضت و مجاہدہ کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔

آئے اور اسے دیوار ہمسایہ پر مار کر توڑ ڈالا۔ تمام کڑے زرِ خالص بن گئے جنہیں نقال اٹھا کر لے گئے۔ اور ہمسایہ کو ان سے خلاصی ہوئی۔

آپ کی خانقاہ میں لشکرِ عام جاری تھا۔ دونوں وقت لوگوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ خود بھی بڑے خوش پوشاک تھے لشکرِ خانہ میں ہر قسم کا سامان موجود رہتا تھا۔ ایک رات ایک چور سامان چرانے کی غرض سے باورچی خانہ میں داخل ہوا مگر حکمِ الہی سے اندھا ہو گیا اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو آپ نے خادم باورچی خانہ کو بلایا اور کہا باورچی خانہ میں ایک اندھا بیٹھا ہوا ہے اسے بلا کر لٹکا کر نادودہ رات سے بھوکا ہے۔ واسطہ باورچی خانہ نے اسے بلا کر کھانا دینا چاہا۔ اس نے کہا مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ مجھے حضرت شاہِ بدول کے پاس لے چلو۔ چنانچہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرِ قدموں پر رکھ کر معافی مانگی۔ حلقہٴ ارادت میں داخل اور آپ کی دعا سے بننا ہو گیا۔ صاحبِ محبوب الواسلین نے آپ کی روزانہ تقسیم اوقات اس طرح تحریر کی ہے: صبح سے چاشت تک مصروفِ مراقبہ و عبادت رہتے۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم فرماتے۔ دوپہر کے بعد ایک گھنٹہ قیلولہ کرتے پھر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے۔ پھر حلقہٴ مریاں میں تشریف لاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس اثنا میں لوگ بیاروں کو شفا یاب کرانے کے لئے پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شیخ دعا پڑھ کر اس پر دم کرتے۔ اس طرح سینکڑوں بیمار شفا یاب ہو جاتے۔ اس کے بعد دو منشی حاضر ہوتے جو حاجت مندوں کے لیے بادشاہ اور امراء کی طرف آپ کی جانب سے سفارشی رقعے لکھتے ان پر صرف اللہ بس باقی ہوس ہی لکھا ہوتا۔ بادشاہ اور امیر آپ کی سفارش منظور کرتے اور حاجت مندوں کی غرض پوری ہو جاتی۔ نمازِ عصر کے بعد پھر مراقبہ اور ذکر و فکر شروع ہو جاتا۔ شام کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر کھانا تقسیم کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے تقسیمِ طعام کے بعد خود جوگی روٹی چولائی کے ساگ کے ساتھ تناول فرماتے وہ بھی چند نوالے۔ پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حجرہٴ خاص میں تشریف لے جاتے اور نمازِ تہجد تک تین قرآنِ فتم کرتے۔

ایک روز شیخ ابوطالب جو وہ مزاری منصب دار اور آپ کا مرید تھا۔ ساغرِ خدمت ہوا۔ عرض کیا کہ میرے دیہات کی جاگیر میں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیے آپ نے آسمان کی طرف

منہ کر کے دعا کی۔ فوراً ابر نمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا، جا اور ابوطالب کی جاگیر پر برس۔ بادل وہاں سے اڑا اور اس کی جاگیر پر جا کر برسا۔

دوشنبہ ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ کو بعد شاہ جہان شہر برس کی عمر میں وفات پائی۔
 دُنیا شد چو در خلدِ معلیٰ جنابِ شہِ بلاول شاہِ شاہان
 بگو مقبولِ حق سر مستِ تاریخِ دگر کاملِ مہ فضل است اے جاں
 نیز حقیقۃً الاولیاء میں اردو میں قطعہ تاریخ درج ہے۔

شاہِ بلاول شاہِ عالی جاہ تھے حضرتِ حق سے بلا اُن کو بہشت
 اُن کا کور معرفت ہے خاتمہ دوسری تاریخ ہے نیکو سرشت
 مزار گھوڑے شاہ اور باغِ راجہ دینا تھے کے نزدیک واقع ہے۔ پہلے آپ کا مقبرہ دریائے
 راوی کے قریب تھا۔ ۱۲۵۲ھ میں دریائے راوی مقبرے کے بالکل قریب بہنا شروع ہو گیا تو
 اس غدر سے کہ کہیں مزار کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ
 دفن کیا گیا۔

۱۰۴۔ سید عبدالقادر اکبر آبادی قادری قدس سرہ

اپنے زمانے میں مشائخِ قادریہ میں وجہِ بلند رکھتے تھے۔ سکونت اکبر آباد میں تھی۔ صاحب
 فضل و کمال تھے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت میں لاثانی، صائم الدہر اور عظمِ لیل
 تمام عمر درس و تدریس میں گزاری۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار اکبر آباد میں ہے۔

۱۰۵۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی ثم البخاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

اپنے زمانے کے جید علماء و صلحا سے تھے۔ حضرت شیخ نید جمال الدین ابوالحسن موسیٰ پاک
 شہید المتوفی ۱۰۰۱ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب مشقی

سے استفادہ کیا۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ تمام مرقنصیف و تالیف، درس و تدریس اور رفعِ لذوق و الحاد میں بسر کی۔ جہانگیر کے زمانے میں مقبولِ خاص و عام تھے۔ جہانگیر آپ کی ملاقات کے لیے آپ کے مکان پر حاضر ہوا تھا اور آپ نے اپنی مشہور ترین تالیف اخبار الاخبار بادشاہ کی نذر گزرائی تھی۔ آپ نے عہدِ اکبری سے لے کر اپنے عہد تک کے دینی و سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لے کر بڑے غور و فکر کے بعد دینی نصابِ تعلیم میں قرآنِ حدیث کو مقدم قرار دیا اور ہر طالبِ علم کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص قرآنِ کریم کی تفسیر میں رائے کو دخل دے وہ کفر و الحاد کا مرتکب ہے۔ وہ علمِ علم نہیں جو تقویتِ دین و ملت کا باعث نہ ہو۔

آپ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ہم عصر تھے۔ ابتدا میں اُن کے بعض اقوال اور باطنی اور اکالات پر شرعی نقطہ نگاہ سے گرفت بھی کی تھی جس کی تفصیل کتابِ معارجِ الولاہیت میں مذکور ہے۔ بعد میں رفعِ التباس پر حضرت مجدد سے مراسمِ مستحکم ہو گئے تھے۔ شرح مشکوٰۃ عربی و فارسی، کتابِ صراطِ المستقیم، اخبار الاخبار، شرح فتوح الغیب، کتابِ جذبِ القلوب الی دیارِ المحبوب مدینہ منورہ اور مکتبہ معظمہ کے مفصل حالات میں، زاد المستقین، مرجع المعین، مدارج النبوت، تکمیل الایمان، شرح سیف السعادت اور دیگر کئی ایک رسائلِ علم تصوف میں آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

۱۵۔ اہمیں بعد شاہجان وفات پانی۔ مزار دہلی میں ہے۔

ز دنیا وصل با حق یافت آخر چو عبدالحق ولیِ پاک معصوم
وصالش یافتم با طرزِ رنگیں!! ز عبدالحق امامِ دینِ مخدوم
۱۰۱۰ھ

۱۰۶۔ پیر مسکین شاہ امری قدس سرہ

میر عنایت الدننام، پیر مسکین شاہ امری خطاب، حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر کے مرید و خلیفہ اور کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ زراعت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک سال بخش نہ ہوئی۔ آپ کی زمین بالکل بارانی تھی۔ اس قحط سالی میں سب کے کھیت خشک رہے مگر آپ کی زمین سے فصل پک کر خوب نفع حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے آپ مسکین امری مشہور ہو گئے کہ آپ کی کھیتی امرالنہ سے بخش کے بغیر پک گئی۔ ۱۰۵۲ھ میں بوسیدہ شاہ جہان وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

حضرت مسکین مشہور دو سرا
مہر کہ رویش دید رشک ماہ گفت
بہر سال وصل آں عالی جناب
دل ولی درویش مسکین شاہ گفت
۱۰۵۲ھ

۱۰۴۔ سید محمد مقیم محکم الدین قدس سرفقادی حجر وی

والد ماجد کا نام شاد ابو المعالی بن سید محمد نور بن سید بہاء الدین المشہور بہاول شیر تھا۔ خورد سالی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا مگر تعلیم و تربیت پوری طرح ہوئی تھی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد اکتسابِ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر روز اپنے جدِ امجد کے مزار پر جا کر مراقبہ اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ایک رات اپنے جدِ بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں: اے فرزند تیرا حصہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ سید جمال اللہ حیات المیر زندہ پیر کے پاس ہے۔ لاہور جاؤ وہاں اُن سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ اس ارشاد کے بموجب لاہور آئے۔ ایک روز گورستانِ میانی میں مزارِ شیخ محمد طاہر کے قریب آپ کو موجو پایا۔ خدمت میں حاضر ہو کر حلقہٴ ارادت میں داخل ہوئے اور کمالاتِ ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔

نقل ہے ایک روز آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: فلاں غائب کی کئی بیویاں ہیں۔ ہر رات اپنی ہر ایک بیوی کے پاس بھی جاتا ہے اور اپنے حجرے میں بھی مشغولِ عبادت نظر آتا ہے۔ ایک درویش نے سُن کر دل میں اس سے انکار کیا۔ آپ کو اُس کا یہ انکار نورِ باطن سے معلوم ہو گیا۔ فرمایا: ادبِ یاد کی کرامت کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس درخت کی طرف نگاہ کر۔ دلی تشفی پاؤ گے۔

درویش نے جب درخت کی طرف نگاہ کی دیکھا کہ شاہ محمد مقیم درخت کی ہر شاخ پر موجود ہیں۔
 نقل ہے موضع حجرہ کے ایک زمیندار نے اپنی زمین میں گاجریں کاشت کیں۔ ایک
 رات آپ اس طرف سے گزرے اور اپنے خدام سے فرمایا کہ تمام گاجریں نکال دو۔ خدام نے
 حکم کی تعمیل کی لیکن اس کے دل میں بڑا تعجب تھا کہ تیغ نے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کام
 کرنے کو کہا ہے۔ صبح کو کھیت کا مالک حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے گاجریں کاشت کی تھیں اور
 ارادہ تھا کہ تیار ہونے پر حضور کے غلاموں کے لئے نذر کروں گا مگر ایک شخص اگر تمام گاجریں
 نکال کر لے گیا ہے۔ آپ نے تبسم ہو کر فرمایا، حق تعالیٰ داراں رسید۔

نقل ہے آپ کے برادر حقیقی کی بیوی حاملہ تھی۔ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آیا
 تو موصوفہ کو شدت سے دردِ ذہ کا آغاز ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں کھڑے ہوئے کہ دعا کیجئے
 درد کی تکلیف دور ہو۔ فرمایا، اِنْ شَاءَ اللہ درد دور ہو جائے گا اور نہ رہے گا۔ آپ کی زبان سے
 یہ بات نکلتی ہی حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محلِ غائب ہو گیا اور جب تک زندہ رہیں، حاملہ نہ ہوئیں۔
 د. د. اح میں وفات پائی ہزار موضع حجرو میں زیارت گاہ خلق ہے۔

چون محمد مصقیم محکم دیں !! شد ز دار الفنا مقیم بہشت
 رطتش دوستدار فقر آمد !! نیز جان جہناں مقیم بہشت

۱۰۸۔ شیخ مادھولاہوری قدس سرہ

آپ شیخ حسین لاہوری کے خلفاء ارجمند اور محبوبانِ دل پسند میں شمار ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبِ عشق و محبت اور واقعہ و شوقِ تھے۔ آپ کے حالات کتاب حقیقۃ الفقراء میں یوں درج ہیں کہ ایک برہمن کے لڑکے تھے جو شاہدہ (نزد لاہور) میں رہتا تھا اور بڑے صاحبِ جمال اور خوش شکل تھے۔ ایک دن گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے کہ شاہ حسین کی نگاہ ان کے جمال و حسن پر جا پڑی اور ان کے عشقِ مہلذی نے شاہ حسین کا دل چھین لیا۔ چنانچہ شاہ حسین لاہور چھوڑ کر شاہدہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات دیوانہ وار مادھو کے مکان کا طواف کرتے اور دن کے وقت جہاں سے خبر آتی کہ مادھو فلاں جگہ ہے، اس پر دوپٹہ چلے جاتے۔ مادھو تو آپ کے اس عشقِ جہاں سوز سے بے تعلق تھا اور بڑی بے اعتنائی اور بے نیازی سے رہتا۔ البتہ رات کے وقت اپنے گھر والوں سے جو راز دارانہ باتیں کرتا، شیخ حسین علی الصبح بازار میں فاش کر دیتے۔ ان حالات نے حسین لاہوری کے عشق کو زمانہ بھر میں مشہور کر دیا اور لوگوں نے اس عشق کی کئی کہانیاں بنانا شروع کر دیں۔ "القلب یدمی الی القلب" کے پیشِ نظر شاہ حسین کی محبت کے اثرات مادھو لال کے دل پر وارد ہونے لگے اور کبھی کبھی شاہ حسین کو ملنے کے لئے آنے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بروقت شاہ حسین کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور جدائی پسند نہ کرتے تھے۔ مادھو لال کے والدین کو اس صورتِ حال سے بڑی کوفت ہوئی اور اپنے بچے کو شاہ حسین کے پاس جانے سے روکتے۔ لیکن ان پر اس بات کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ بالآخر والدین کو یہ تدبیر سوجھی کہ مادھو کو کہا، ہم دریائے گنگا پر غسل کرنے جا رہے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ مادھو شاہ حسین کے پاس اجازت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ والدین کو کہہ دو، تم گنگا کے غسل کے لئے چلے جاؤ، بوقتِ غسل میں وہاں موجود ہوں گا۔

مادھو بھی شاہ حسین کی اس کرامت کے مظاہرے کے لئے لاہور میں نہ گئے۔ جس دن اس کے والدین غسل کے لئے گنگا میں اترے تو ادھر مادھو شاہ حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر کھنے لگے، مجھے گنگا میں غسل کے لئے وہاں پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس دن شاہ حسین

مادحو کو لے کر شہر کے باہر تشریف لے گئے اور مادحو کہنے لگے: آنکھیں بند کر کے میرے قدم پر قدم رکھتے آؤ۔ جب مادحو نے یوں کیا تو آپ نے کہا: اب آنکھیں کھول لو۔ مادحو نے دیکھا تو وہ دیرانے گھگھائی اپنے والدین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں اور شاہ حسینؑ بھی کنارے پر موجود ہیں۔ مادحو والدین سے ملاقات کرنے کے بعد شاہ حسینؑ کے پاس آگئے اور جس طرح لاہور سے گئے تھے اسی طرح واپس آگئے۔ مادحو اسی دن حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ دو ماہ بعد بسنت اور ہولی کے توار آگئے۔ ہندو میٹھ و مشرت میں معروف ہو گئے۔ مادحو کی دل دہی کے لئے شاہ حسینؑ نے مجلس سماع و سرود منعقد کی اور عالم مستی میں ایک دوسرے پر بسنتی رنگ (گلّال) پھینکا گیا۔ چنانچہ تاحال یہ رسم جاری ہے کہ شاہ حسینؑ کے متعقدین بسنت کے دن آپ کے مزار پر جا کر گلّال (رنگ) پھینکتے ہیں۔

اس مجلس رقص و سماع میں آپ کے خلفاء میں سے شیخ ادحو کے علاوہ میاں شعبان، شعبان خانی، ابراہیم، میاں محمود، شیخ یعقوب، بہار خاں قوم منڈا، قاضی شاہ تاپا باجی، عبدالسلام، شہاب الدین، شیخ کالو، شیخ بیسن اور شیخ صالح بھی شریک تھے۔ یہ تمام حضرات اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں رقص و سرود میں شامل ہو گئے اور ایک دوسرے پر دھم پھینکنے لگے اور وجد و رقص میں جھومتے رہے۔ اسی مجلس میں حضرت مادحو شاہ حسینؑ سے بیعت ہوئے اور شیخ کی ٹکاو کیا اثر نے آپ کو کمالات فقر پر پہنچا دیا۔

جب شیخ مادحو پورے کمالات حاصل کر چکے تو شاہ حسینؑ نے فرمایا: اب تمہیں راجہ مان سنگھ کے فوجی رسالے میں بھرتی ہو کر دکن کی مہم پر چلے جانا چاہئے اور کچھ عرصہ ہم سے جدا رہنا چاہئے۔ چنانچہ مادحو آپ کے حکم پر راجہ مان سنگھ کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دکن کے حاکم نے اس فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ مان سنگھ کی فوج کے پاؤں اکھڑنے والے تھے تو مان سنگھ فوراً شیخ مادحو سے التبا کرنے لگا کہ فتح کے لئے دعا فرماتیں۔ مادحو نے اپنے مرشد شیخ حسینؑ سے استمداد کی۔ شاہ حسینؑ کو بھی اس صورت حال کا علم ہو گیا تو آپ بنفس نفیس لشکر گاہ میں پہنچے اور کہا: راجہ کو کہہ دو کہ حار ہو کر ایک بھر پور حملہ کر دے، ان شاء اللہ اب فتح ہوگی۔ راجہ مان سنگھ نے حملہ کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لشکر کثیر بصورتِ لشکاں آسمان سے

اتر رہا ہے اور دشمن سے نہرو آزما ہو رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو شکست ہو گئی اور شیخ حسین لاہوری مادھو لال کے ساتھ واپس لاہور آ گئے۔

جب شیخ حسین کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاہدرہ کے قریب ایک باغچہ بنایا اور فرمایا: میرے مرنے کے بعد مجھے اس باغ میں دفن دیا جائے لیکن یہ عارضی مدفن ہوگا۔ ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئیں گے اور میری نعش یہاں سے اٹھا کر بمقام بابو پورہ (بابان پورہ) دفن کریں گے۔ پھر بارہ سال تک راجہ مان سنگھ کی فوج میں رہیں گے اور اس کے بعد یہاں آ کر ہماری قبر کی مجاوری و سجادہ نشینی اختیار کریں گے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئے اور پھر بارہ سال تک فوج میں رہے۔ تیس سال بعد نوکری چھوڑ دی اور پھر ۳۵ سال تک حسین کے مزار کے سجادہ نشین رہے۔ شیخ مادھو لال ۹۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی۔ حقیقۃ الغرادر میں لکھا ہے کہ آپ ۱۲۲۔ ماہ ذی الحجہ ۹۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔

حسینؒ بندہ مادھو شیخ عالم
 کہ بودے مست از پائہ عشق
 عیاں گردید سال ارتحالش
 ز ہادی دہی مستانہ عشق آں

۱۰ ۵۶ ۱۰

۱-۹۔ حضرت خواجہ بہاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

حضرت میاں میر کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر قرآن کے حجت عالم ہونے کے علاوہ واقف اسرار ربانی بھی تھے۔ شہر حاجی پورہ میں مقیم تھے جو قصبہ گوداپور (بہار) میں واقع تھا۔ آپ چھوٹی عمر ہی میں علم حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے نکلے۔ کچھ مدت تک قصبہ گودا میں شیخ جمال اودیاء کے پاس رہے، ان سے فیض حاصل کر کے لاہور آئے اور ملا فضل لاہوری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ ملا اپنے ہونہار شاگرد سے اس قدر خوش تھے کہ انہیں اپنے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ ان ایام میں حضرت شیخ میاں میر کا باطنی فیض عام تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم باطنی کی تکمیل کی۔ وفات مرشد کے بعد مرجع خلافت تھے۔ آپ نے تمام عمر ہدایت خلق اور درس و تدریس میں گزاری۔ آپ کا مدرسہ دہلی دروازے کے اندر واقع تھا۔ جو بہت مشہور تھا۔ ذاب سعد اللہ ناں اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ کسب علوم کے لئے دور دور سے طلبہ اگر فیض یاب ہوتے تھے۔ فقر و استغنائیں درجہ بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہجہان ایک دفعہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ آپ یہ خبر سن کر وہاں سے چل دیئے۔ جب آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا، میں اپنا اطمینان قلب کھو نہ نہیں چاہتا تھا۔ ایک فقیر کو بادشاہوں کی ملاقات سے کیا سروکار۔ جلالت علمی کے ساتھ صاحب خوارق و کرامت بھی تھے۔ محمد داراشکوہ سیفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ایک رات آپ غازی خاں نامی شخص کے ہاں عرس کی تقریب میں شامل تھے اور حاضرین میں توحید کے متعلق گفتگو جو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر کے صحن میں آگ جل رہی تھی خواجہ بہاری اپنی جگہ سے اٹھ کر آگ میں جا بیٹھے۔ ایک گھڑی تک اس میں رہے اور فرمایا: توحید میں قیل و قال کی کیا ضرورت ہے۔ حال ملاحظہ کرو۔ یہ کہہ کر صبح و سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ سیفینۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ جن ایام میں خواجہ بہاری ماحمد فاضل لاہوری کے ہاں سکونت پذیر تھے تو ایک دن ملا صاحب کی بیوی خواجہ صاحب کے لئے آتش کا بھرا پیالہ لے کر حجرے کے دروازے پر پہنچیں، دیکھا کہ خواجہ نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اعضا و ہر اہر بکھرے پڑے ہیں۔ موصوف نے جو نبی یہ دیکھا تو فریاد کرنا شروع کر دی۔

اور شوہر کے پاس آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ ملا اسی وقت موقع پر پہنچے، دیکھا کہ خواجہ بہاری سر جھکاٹے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ واپس آکر اہلیہ سے کہا۔ اویا واللہ کے کئی احوال و مقامات ہوتے ہیں۔ جو تم نے دیکھا ہے اس پر انہماق و تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اور شخص اپنے بیٹے کو خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا۔ اس کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے۔ آپ نے فرمایا، کسی حکیم سے علاج نہ کرو، اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ ہر روز ایک داغ پر انگلی رکھتے اور وہ مٹ جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی انگشت مبارک کے اثر سے تمام داغ دور ہو گئے اور لڑکا درست ہو گیا۔ دارالشفہ رقم ۱۰۵۱۔ اح میں مرزا آصف بیگ والی ایران نے قندھار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ بہاری سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی کیا مجال کہ ہماری مملکت پر دست درازی کر سکے۔ ان شاء اللہ مارا جائے گا۔ چنانچہ ایک مہینے کے بعد خبر آئی کہ مرزا مذکور کو اس کے دشمنوں نے ذہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔

دارالشفہ لکھتا ہے، ایک روز آپ شالامار باغ کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ فرمایا، وہ مجھے طلب نہیں کرتے۔ اگر وہ طلب کریں تو مجھے مرشد کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ ۱۰۶۰ اح میں وفات پائی۔ قطعہ تاریخ وفات :

بہاری چون بخت رخت بر بست ز دنیا جست یکسر بر کناری
بسالی رطش سرور رقم کرد کہ سلطان الولی خواجہ بہاری

۱۱۰۔ حضرت شاہ سلیمان قادری قدس سرہ

آپ حضرت شاہ معروف حشیتی قادریؒ (مخشابانی) کے کالمین خلیفوں اور اکابر سجادہ نشینوں سے تھے۔ جذب، عشق و محبت، سکر، حالت اور خوارق و کرامات میں بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ چار سال کی عمر میں حضرت شاہ معروف حشیتیؒ کی نظر مبارک میں منظور ہوئے اور آپ پر سکرا و جذب کی حالت غالب ہو گئی۔ آپ کے والد صاحب میاں منگو موضع جھڑال میں سکونت لے لیاں منگو کا اصلی نام شیخ عبد اللہ تھا جو ایک قلمی شیخ و نسب مکتوبہ ۱۲۲۱ اح میں لکھا ہوا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسم بہار ۱۲۱۸ انقلاب قلمی۔ تصنیف شرافت (شاہی) (باقی اگلے صفحہ پر)

رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت شاہ معروفؒ اس گاؤں میں تشریف لائے اور سیاں منگو کے گھر میں رات رہے۔ تلم رات وہ اُن کی خدمت میں حاضر رہے۔ اُس وقت شاہ سلیمان ابھی غور و مال تھے اپنے گھر کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ جب شاہ معروفؒ کی نظر شاہ سلیمان کے جالِ باکمال پر پڑی تو نہایت شفقت سے آپ کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور سیاں منگو کو فرمایا کہ یہ لاکا ہماری امانت ہے اور یہ ایسا کامل مرد ہوگا کہ جہاں اس کے فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ جب شاہ معروفؒ رخصت ہو کر چلے گئے، سیاں منگو اس والا گوبر لڑکے کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ سلیمان کو بچپن میں ہی اکثر اوقات حالتِ وجد طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جب جوان ہوئے تو شاہ معروفؒ کی خدمت میں پہنچ کر تکمیل پائی اور کمالِ وقت سے ہو گئے اور خرقہ خلافتِ نادیہ حاصل کیا۔ شاہ سلیمان سماع سنتے اور وجد و تواجد کرتے تھے۔ آپ کے دو خلیفے کامل و اکمل تھے ایک مولانا کریم الدین، دوسرے حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہ العزیز۔

کتاب تذکرہ نوشاہی میں جو حافظ محمد جیات بن شیخ جمال الدین حافظ برخوردار بن حاجی نوشہ گنج بخش کی تصنیف سے ہے۔ لکھا ہے کہ جن آیام میں شاہ سلیمان موضع منچر میں تشریف رکھتے تھے اور ایک موچی کے گھر ڈیرہ کیا تھا، ہر وقت اور ہر حال میں مراقبہ میں سر نیچے کئے رکھتے تھے۔ ایک کم بخت جولاہا اُس موچی کا ہمایہ تھا، وہ اپنی بد باطنی کی وجہ سے شاہ سلیمان کی نقل کیا کرتا۔ نقل کرنے کے وقت اسی طرح اپنی گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتا اور تسخیر کیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ راستے میں جا رہے تھے اتفاقاً وہ جولاہا آگے سے آتا ملا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیروں کی حالت کی نقل بنانا اور تسخیر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ایسی حرکت سے باز آ جا ورنہ سزا پائے گا۔ جولاہے نے گستاخانہ جواب دیا کہ میں نے تمہارے جیسے کئی مکار فقیر دیکھے سمجھے ہیں، جا اپنا کام کر۔ شاہ سلیمانؒ نے فرمایا کہ جس طرح میری غیبت میں تو میری (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵)

مذہبہ ببدال اس وقت ضلع سرگودھا کی ایک تحصیل ہے۔ خزانہ الامنیاء کے کاتب نے اسی کو بھیلوال لکھا ہے

لے موضع منچر ضلع گجرات میں ایک گاؤں ہے، اور وزیر آباد سے لائل پور جہانے والی سڑک پر ریلوے ٹیشن ہے۔

حالت کی نقل کرتا ہے۔ ایسا ہی میرے سامنے کرتا کہ میں بھی دیکھوں۔ وہ جولا با بیوقوفی کی وجہ سے زیادہ گستاخ ہو گیا۔ اسی طرح دوزانو میٹھ کر گردن ڈیڑھی کر کے مراقبہ میں سر ڈال دیا۔ اسی وقت اس کی گردن ڈیڑھی ہو گئی اور پھر تا مگر سیدھی نہ ہو سکی۔ ہر چند اُس نے عذرت و معذرت کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

نقل ہے کہ موضع چک ساہن پال کے سردار چودھری مہماں کے چار بیٹے تھے۔ چوتھا بیٹا ساہن پال نامی تھا، جب اُس نے شاہ سیماں کی خوارق و کرامات کا شہو سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت اپنے باپ سے چالیں روپے شاہ سیماں کے نذرانہ کے لئے طلب کئے۔ چونکہ چودھری مہماں شیخ سیماں چدھر کے مریدوں سے تھا، اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تو ایسے شخص کے پاس جانا چاہتا ہے جو ٹوچی قوم سے ہے، اس کو چالیس روپے نذرانہ دینا کیا معنی، اس کے لئے چار روپے بھی کافی ہیں۔ ہاں اگر شیخ سیماں چدھر کے پاس جائے تو اس قدر نذرانہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ آخر ساہن پال نے اپنے باپ کی بات نہ سنی اور اپنے گھر سے چالیس روپے لے کر موضع بھلوال میں حضرت شاہ سیماں کی خدمت میں مشرف ہوا اور چالیس روپے نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے چار روپیہ اُس میں سے قبول کر لئے اور فرمایا: لے چودھری مہماں، قوم جٹ تارے والا غیر دلا میں ولد پھر ناکا بیٹا تھا اور موضع چک ساہن پال کے بانی چودھری ساہن پال کا بیٹا تھا۔ (حدیث الانساب تلمی تصنیف شرافت نوشاہی)

۳۔ شاہ سیماں قریشی النسب تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت شیخ بہادر الدین زکریا ملتانی کے ہم عصری خاندان سے ملتا ہے اور اسد بن عبدالعزیز بن قسطنطین قریشی پر نسب نامہ غری سے متصل ہو جاتا ہے۔ یہ پورا نسب نامہ شریف التواریخ کی پہلی جلد موسوم بہ تاریخ الافظاب تلمی۔ تصنیف سید شرافت نوشاہی میں مذکور ہے۔ نیز شاہ سیماں کا مہماں کے قول سے جہالت میں آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سوچنے نہ کیونکہ اولیاء اللہ جو ربانی جماعت ہے، سب بات کہنے سے ناراض نہیں ہوتے۔

بالفرض اگر آپ نے یہ کسب کیا ہو تو بھی نسب میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کے اقاب میں سے ایک لقب خاصۃً الشعل (جو تکی کا ٹٹنے والا) بھی تھا اس سے آپ کے نسب و شرف میں کچھ فرق نہیں پڑا بلکہ کمال تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

کہ تیرے والد کی اجازت اسی قدر تھی اس لئے میں نے چار روپے لے لئے ہیں اور میں نے خدا تعالیٰ سے التبا کی ہے کہ مہماں کا سر موچوں کی جڑا کوٹنے والی منگلی سے کوٹا جائے گا۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ اس کے بعد چند روز گزرے تھے کہ چودھری مہماں نے اپنی بیوی کو جو ساہن پال کی والدہ تھی کسی وجہ سے غصے ہو کر کہا کہ کل میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور مہماں کی یہ عادت تھی کہ جربات منہ سے کہتا وہ پوری کرتا۔ اس سے باز نہیں آتا تھا۔ اُس کی عورت کو اپنی جان جانے کا فکر پڑ گیا۔ اپنے ہمسایہ ایک موچی کو یہ سب داستان سنائی اور اپنے قتل ہو جانے کا فکر اُس کے سامنے بیان کیا اور اس سے کچھ مدد طلب کی۔ موچی نے اس کو تسلی دی اور کہا: کچھ فکر نہ کرو کہ میں آج رات کو ہی اُس کو موزی کا کام تمام کر دوں گا۔ چنانچہ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا اُس موچی نے چودھری کا جب کہ وہ سو رہا تھا اپنی منگلی (چرم کوب) کی ایک ضرب سے ہی سر کوٹ کر کام تمام کر دیا۔

حضرت شاہ سلیمان کی وفات اقوالِ صمیم کے مطابق ۱۰۶۵ھ میں ہے۔

سلیمان مقتدائے بہرِ دو عالم	شہرِ دیں پیشوائے اہلِ دوداں
وصالش مارف دیں مستقیم است	دگر شد شیخ دیں کامل نمایاں
دگر بہرِ وصال آن شہنشاہ	سلیمان پیرِ شاہنشاہ برِ خواں

۱۱۱۔ حضرت سید جان محمد حضورِ مقدس

جان محمد اسم گرامی، حضورِ خطاب، والد ماجد کا نام شاہ نور بن سید محمود حضورِ تھا، جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ آبائی سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق اور سلسلہ بیعت

لے شاہ سلیمان قادری کا صیغہ سالِ وفات ۱۰۱۲ھ ہے جو غلط غیب سے ظاہر ہوتا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسم بہ تاریخ انقلاب قلمی تصنیف سید شرافت نوشاہی)

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک متھی جوتا ہے۔ تربیت و تکمیل اپنے پدر بزرگوار اور
 جدِ امجد کے زیر سایہ پائی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے
 بعد سجدہ نشین ہوئے۔ اپنے وقت کے عارفِ کامل اور مقتدائے شریعت و طریقت تھے۔ تمام
 عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزار دی۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے ظاہری و باطنی علوم سے
 اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے حلقہٴ ارادت میں جو داخل ہو جاتا تھا وہ جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر حضوری
 ہو جاتا تھا اس لئے حضوری مشہور ہوئے۔ ۶۵- ۱۰۶۴ھ میں بہ مہرِ شاہجہان وفات پائی۔
 سید محمد لطیف مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ لاہور صفحہ ۱۷۱ میں آپ کی تاریخِ وفات ۱۱۲۰ھ اُس
 کتبہ سے نقل کر کے لکھی ہے جو آپ کے مزار کی مشرقی دیوار پر کندہ ہے۔ مولانا مفتی غلام سرور نے
 باقوال صحیح خزینۃ الاصفیہ جلد اول صفحہ ۱۷۱، گنجِ تاریخ صفحہ ۳۲، حقیقۃ الاولیاء صفحہ ۲۱، رائے بہادر
 کنہیا لال نے تاریخ لاہور ص ۲۷۰ میں ۱۰۶۴ھ ہی لکھا ہے۔

جانِ ہر دو جان محمد جان ! کرد چوں از جہاں بحسبہ ظہور
 فیضِ دین ساکب است ترحیش باز چو وصلش از محب حضور
 ۱۰۶۴ھ ۱۰۶۴ھ

۱۱۲۔ حضرت محمد صالح اکبر آبادی قادری قدس سرہ

اکابرِ مشائخ قادریہ سے تھے شیخ الشیوخ لقب تھا۔ جامع علوم و ظاہر و باطن تھے۔
 سکرو جذب، عشق و محبت، قناعت و صبر اور توکل و استغنائیں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔
 ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اخذِ فیض کیا۔ بقول صاحبِ مخزنِ الاولیاء ۱۰۶۷ھ میں
 وفات پائی۔

مرشد الارشاد شیخ دو جہاں پیرِ حق آگاہ صالح متقی !!
 گشتِ سرور سالِ ترحیش جہاں بدہِ دین شاہ صالح متقی !!

۱۱۳۔ حضرت سید عبدالرزاق المعروف بہ شاہ چراغ قادری لاہوی قدس سرہ

عبدالرزاق نام، شاہ چراغ خطاب۔ والد ماجد کا نام سید عبدالوہاب بن سید محمد غوث اچھی گیلانی تھا۔ سیادت و نجابت و شہر میں پانی تھی۔ اپنے پر بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے جد امجد زندہ تھے۔ جس روز پیدا ہوئے آپ نے فرمایا، ہمارے گھر میں چراغ پیدا ہوا ہے جس کی نور سے ہمارا خاندان منور ہو جائے گا۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے اور وہاں کے اکابر مشائخ سے فوائد کثیر اور فیوض وافر حاصل کئے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے ہر چند چاہا کہ اپنی ایک لڑکی کی شادی آپ کے فرزند سید مصطفیٰ سے کرے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ ۲۲۔ ذیقعدہ ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی اور اپنے والد و دادا کے مرقد کے پاس مدفون ہوئے۔ شاہ جہان بادشاہ نے مزار بنوایا مگر تاریخی لحاظ سے یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کا روضہ عالمگیر کے عہد میں یا عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوا ہوگا کیونکہ ۱۰۹۸ھ (۱۶۵۷ء) میں خود شاہ جہان آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور اسی نظر بندی میں فوت ہوا۔

شاہ دنیا شاہ عقہی شاہ چراغ
گشت روشن سالِ رحلت زول
رفت چوں اوز جہاں اندر جہاں
سید حق آفتاب عارفان

۱۱۴۔ حضرت شیخ شاہ محمد المعروف بہ ملا شاہ بدخشی قادری قدس سرہ

نام شاہ محمد، کنیت اخوند، لقب لسان اللہ تھا۔ والد کا نام ملا عبدی۔ جائے ولادت موضع ارکسان، ضلع روستاق۔ ملاو بدخشاں۔ اوائل عربی میں طلب حق کے لیے وطن سے نکلے۔ پہلے کھیر آئے۔ یہاں تین سال رہے پھر ہندوستان کا قصد کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ کو چلے گئے۔ راستہ میں حضرت میاں میر کے حالات سنے۔ اُن سے ملاقات کرنے کے لئے لاہور کا قصد کیا۔

مگر رضاء سفر نے نہ چھوڑا۔ مجبوراً اگرچہ پہنچے۔ جستجوئے مرشد میں اور اُدھر پھرے مگر مایوس ہو کر لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات سے متاثر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تجرید و تفرید، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت و تقویٰ میں حضرت میاں میر کے تمام مریدوں اور خلفاء میں ممتاز تھے۔ فقر و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی غلام یا خدمت گار اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ کبھی چو لھا گرم نہیں کیا، کبھی چراغ نہیں جلایا جس دم میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ساری ساری رات صرف ایک سانس لیتے تھے۔ سات سال تک ایک ہی سانس میں رات گزار دی۔ اس حبس دم میں ذکر خفی کرتے رہتے تھے۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے مدت تک مکمل نا آشنائے خواب رہی۔ کبھی غسلِ ضروری کی حاجت نہیں پڑی۔ خود فرماتے ہیں، احتلام یا مباشرت سے غسل واجب ہوتا ہے اور میرے یہاں نہ نیند نہ بیوی۔

اس زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علومِ ظاہری میں بھی کامل و اکمل تھے۔ شعر و سخن سے شوق تھا۔ اشعار کا ایک مکمل دیوان یا دگا رچھوڑا ہے۔ دارا شکوہ نے کینہۃ الاولیاء میں آپ کی اکثر غزلیں اور رباعیاں درج کی ہیں۔ تمام کلام عارفانہ و عاشقانہ ہے۔ اکثر و بیشتر مضامین موحدانہ ہیں۔ نظریہ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے۔ سلسلہ قادریہ میں تکمیل سلوک کے بعد مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کر کے حسبِ ایمائے

لہ ان کے بعض نظریات و اقوال کے سبب علمائے کشمیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہ جہاں بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی۔ خاص اس شعر پر بہت اظہارِ ناراضی کیا،

پنہ در پنہ حسدا دارم

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

آپ کے برہم حضرت میاں میر بھی نظریہ ہر ادست کے قائل تھے اور سلسلہ وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت خواجہ خاندن محمود معروف بہ حضرت ایشاں کے ساتھ مراسلات رہتے تھے کیونکہ حضرت ایشاں جو شخص وحدت و جدو کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ (مترجم)

شیخ کشمیر جا رہے تھے۔ آپ کے فضل و کمال نے بہت جلد عوام و خواص کو اپنی طرف متوجہ کر دیا۔
 سلسلہ رشد و ہدایت بڑا وسیع ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ سے والہاء عقیدت ممتی۔ خلفاء راشدین
 رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح برسرِ منبر کرتے تھے۔ یہ امر شیعی حضرات پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ اکثر
 شیعہ بحث و تکرار کے لئے آتے مگر اللہ تعالیٰ نے حقائق و معارف بیان کرنے کا ایسا ملکہ عطا
 فرمایا تھا کہ جو رافضی بحث و مناظرہ کے لئے آتا وہ تائب ہو کر جاتا اور سرورِ کائنات صلی اللہ
 علیہ وسلم صحابہ کبار اور حضرت غوثِ اعظم کی زیارت بچشمِ ظاہر کرتا۔ اسی طرح سیکڑوں ملحد اور
 رافضی تائب ہو کر حلقہ اہل سنت میں داخل ہوئے۔

دارالاشکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہے کہ ایک دن مجھے روایتِ حق کے مسئلہ میں تردد ہوا
 اور یہ بات حضرت ملا شاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے رعب و ادب کے باعث
 گزارش نہ کر سکا۔ مجلس سے اگر بھی دل میں شبہ موجود تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
 کی رُوحِ پُر فتوح کی طرف توجہ دی۔ اسی وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر چار خلفاء راشدین
 رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواحِ پاک جلوہ گر ہوئیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جس طرح
 چاہے اور اس کی قدرت کا تقاضا ہوا اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اس جواب سے میری
 مشکل حل ہو گئی۔ دوسرے روز جب میں حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تبسم ہو کر فرمایا:
 تجھے مسئلہ کامل مل گیا ہے اور جنہوں نے تجھے جواب دیا ہے انہوں نے مجھے بھی اطلاع دی ہے۔

۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔ مزارِ مرشد کے روضہ کے باہر ہے۔ مہٹری آف لاہور میں سید
 محمد لطیف جج آپ کا سالِ وفات ۱۰۷۱ھ لکھتے ہیں۔ لیکن مخبرِ انوارِ اصلین، تحقیقاتِ حقیقی اور صاحبِ
 خزینۃ الاصغیا ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۹ء ہی لکھتے ہیں۔ حضرت ملا شاہ کی تاریخِ وفات ۱۰۷۱ھ درست نہیں
 ہو سکتی جب اس کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ ان کے مزار کو ان کے مرید دارالاشکوہ نے قیمتی پتھروں
 سے بنوایا تھا مگر دارالاشکوہ اور عالمگیر کے حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ شاہ جہان ۱۰۶۸ھ میں
 تاج و تخت سے عہدہ ہوا اور دارالاشکوہ عالمگیر کے حکم سے ۱۰۷۰ھ میں قتل ہوا۔ شاہ جہان کی معزولی
 کے بعد دارالاشکوہ کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔ ان حالات
 میں وہ آپ کا مقبہ کس طرح تیار کر سکتا تھا۔ آپ کا مقبہ یقیناً دارالاشکوہ کے بعد تعمیر ہوا ہے اس لئے

آپ کا سال وفات ۱۰۶۸ھ یا ۱۰۶۹ھ بھی قریب قیاس ہے۔ (مترجم)
 شیخ ملا شاہ شیخ وہ جہاں شد چو از دنیا بخت یافت جا
 قطب شیخ الاولیاء تاریخ دوست نیز ملا شاہ مطلوب خدا
 ۱۰۶۹ھ ۱۰۶۹ھ

۱۱۵۔ شہزادہ محمد آرا شکوہ بن شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ قدس سرہ

حضرت ملا شاہ بدخانی کا نام و مرید و خلیفہ، ظاہری و باطنی اوصاف کا جامع، بادشاہ صوفی اور دولہا سیرت تھے۔ مسائل تصوف اور سلوک و عرفان سے بڑی دلچسپی تھی۔ حضرت شیخ محمد میاں میٹر کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر اخذ فیض کیا تھا۔ اپنے مرشد کی طرح نظریہ وعدۃ الوجود (ہر دوست کے زبردست حامی و مبلغ تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف و مصنف ہیں۔ نظم و نثر پر مہارت کامل رکھتے تھے اور اپنے خیالات کو بڑی خوبی و آزادی کے ساتھ بیان کرتے۔ ۱۰۰۰ھ میں عالمگیر کے حکم سے قتل ہوئے۔

سفینۃ الاولیاء، سکنۃ الاولیاء، رسالۃ حق نما، حسانت العارفین یا شطیحات، مجمع البحرین، سر اکبر، دیوان اکبر اعظم ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

شد ز دنیا بخت داور شاہ دارا ولی پاک سعید
 گفت تاریخ قتل او سرور شاہ اسلام بادشاہ شہید
 ۱۰۶۹ھ ۱۰۶۹ھ

۱۱۶۔ حضرت شاہ صفی اللہ المشہور بہ سیف الرحمن قدس سرہ

سید شاہ متیم محمد الدین صاحب حجرہ کے فرزند ارجمند تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطنی اور واقعہ رموز صوفی و معنوی تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا ویسا ہی ظہور میں آتا تھا اس لئے سیف الرحمن مشہور ہوئے۔ قتل ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے باغ کا فلاں خست

ٹھک ہو گیا ہے۔ فرمایا، نہیں، سرسبز ہے۔ وہ شخص فوراً بنظر امتحان وہاں پہنچا، دیکھا کہ وہ درخت واقعی سرسبز و شاداب ہے۔ نقل ہے آپ نے جب اپنے پدر بزرگوار کا مقبرہ تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو معمار کو بلا کر کہا کہ تعمیر مقبرہ کا تمام تخمینہ کاغذ پر لکھو و تا کہ تمام خرچ یک بار تمہیں پیشگی دے دیا جائے۔ معمار نے اسی وقت تخمینہ لگا کر اور کاغذ پر لکھ کر حاضر خدمت کیا جو چند ہزار روپے پر مشتمل تھا۔ آپ نے کاغذ کو دیکھ مصلے کا کنارہ اٹھایا اور کہا، اپنے تخمینے کے مطابق مطلوبہ رقم لے لو۔ معمار نے جب وہ رقم شمار کی تو عین اپنے حساب کے مطابق پائی۔ مقبرہ کی تعمیر شروع ہو گئی مگر چند روز کے بعد معمار پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا، حضرت وہ رقم اندازے کے مطابق پوری نہیں ہو گی، کچھ مزید ضرورت پڑے گی۔ فرمایا، تیرے کچھ بڑے کے مطابق مجھے غیب سے جو عطا ہوا تھا، تجھے دے دیا۔ اب دوبارہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے ان شاء اللہ اسی میں سب کچھ پورا ہو گا۔

۸۰۔ اح میں بعد المائیکر وفات پائی۔ مزار بمقام حجرہ واقع ہے۔

چوں صفی شد از جاں با صد صفا	رحلت آں شاہ مخدوم سعید
وان صفی اللہ ولی محتشم!	ہم صفی اللہ مخدوم سعید

۱۱۷۔ حضرت شیخ حاجی عبد الجلیل قدس سرہ

شیخ رنگ بلاول کے مرید و خلیفہ تھے۔ مشائخ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کا نقش جو انہیں اپنے مشائخ سے دست بہ دست ملا تھا۔ اُس کا روضہ لاہور میں بنوایا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے سات بار مشرف ہوئے تھے۔ ان کا ایک دوست غلام رسول نامی سوداگر تھا اس نے بھی ارادہ حج کیا اور آپ سے رخصت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت زدہ فرمایا، میں نِسّات حج کئے ہیں جو سب کے سب مقبول ہیں ان میں سے میں ایک کا ثواب تجھے بخشا ہوں۔ اُس نے عرض کیا، مجھے زیارتِ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سجدہ اشتیاق ہے۔ کہا، آج کی رات

یہیں تیمم کرو۔ پھر تمہارا اختیار ہے۔ چنانچہ اسی رات غلام رسول سوداگر نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اور اس کے بعد زیارتِ روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہوا ہوں۔ صبح اٹھ کر حاضرِ خدمت ہو کر ملتے ارادت میں داخل ہوا اور اسی روضے سے روضہ قدیم رسول تعمیر کرایا۔

۱۰۸۲ھ بعد ازنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

جیل آں جمالِ جمیلانِ دیں	چو جایانت در خلد بے قالِ ذیل
دمِ حلتش گفت "عرش آستان"	وگر بارہ "محبوب شیخ الجلیل"
۱۰۸۲ھ	۱۰۸۲ھ

۱۱۸۔ حضرت حاجی محمد ہاشم گیلانی قدس سرہ

جلیل القدر قادری مشائخ سے ہیں۔ والد کا نام سید صفی علی بن سید بدیع الدین تھا۔ سلسلہ نسب سید محمد ثوث علی اوچی گیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحبِ علم و فضل و کمال تھے۔ بارہ برس تک مکہ عرب و عجم و شام کی سیاحت کی تھی۔ اس دورانِ سیاحت میں طلبِ جاگرا اپنے جدِ بزرگوار شمس الدین علی کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور دیگر بہت مشائخ کی صحبت سے اخذِ فیض کیا۔ پھر لاہور آکر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ مرجعِ خلافت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ اقدس سے اکتسابِ فیض کیا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۱۰۸۷ھ میں بعد ازنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار صاحبِ تحقیقاتِ شہتی کی تحقیقی کے مطابق بیکہ اہل والا بیرون لوہاری دروازہ لاہور واقع ہے۔

شد چو در خلدِ معلیٰ از جہاں	سید ہاشم ولی مقتدا
سالِ ترحیلش بر سرور شد عیاں	ما تباب ہاشمی قلبِ صفا
	۱۰۸۷ھ

۱۱۹۔ حضرت سید سرور دین حضور قادی لاهوری قدس سرہ

علم و عرفان، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ میں مقام بلند و کراماتِ ارجمند رکھتے تھے۔ اپنے والد ماجد حضرت جان محمد حضور می قدس سرہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام عمر ارشاد و ہدایت میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوئی۔ آبا و اجداد کے فیضان کے مظہر تھے۔ آپ کے حلقہ ارادت میں جو بھی داخل ہوتا جلد ہی اونح طریقہ پر پہنچ کر مرتبہ حضوری پر فائز ہو جاتا تھا۔ ۱۲۔ سوال بروز جمعہ ۱۱۔

چوں از دنیا بفرودس ہمیں رفت جناب سرور میں شیخِ حق ہیں
یکے تاریخِ وصلش بحرِ فیض است وگرمِ دوا سرور سید الدین

۱۲۰۔ حضرت سید محمد امیر قادری گیلانی قدس سرہ صاحب حجرہ

سید بہاء الدین بہاول شیر کی اولاد اجماد سے تھے حضرت صفی الدین سیف الرحمن کی کوئی اولاد نہیں نہ تھی اور اس وقت تمام خاندان میں آپ ہی جو بزر قابل تھے اس لئے متفقہ طور پر سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ ذاتی فضل و کمال کے باعث اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں متاثر وقت تھے صاحب تذکرہ حضرات جو کہتے ہیں۔ شیخ اشرف لاہوری جو صاحب دعوت اسمائے الہی اور امرائے عالمگیری سے تھے انہوں نے رؤسائے قوم کھوکھریں سے ایک شخص کی حسین و جمیل دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر اس کا باپ اس امر پر راضی نہ ہوا کیونکہ وہ اپنی لڑکی کی شادی مشائخ سادات میں کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے سجادہ نشین حضرت گنج شکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا مگر وہ بھی آمادہ نہ ہوئے۔ اسی طرح دیگر اکابر نے بھی شیخ اشرف لاہوری کے اثر و رسوخ کے باعث انکار کر دیا۔ آخر وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کر لیا۔ شیخ اشرف نے جب یہ خبر سنی تو عالمگیری کے پاس شکایت کی

اور خود نکاح کا دعویٰ دیا ہوا۔ بادشاہ نے آپ کو دہلی طلب کیا۔ آپ دہلی پہنچ کر شہر کے باہر اپنے خیمہ میں ٹھہرے اور اپنے آنے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ آپ کا ایک ارادت مند بادشاہ کے خاص ملازمین سے تھا اس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی بادشاہ شیخ اشرف لاہوری کی پاسداری و لحاظ کی وجہ سے آپ کے متعلق کچھ اور ہی خیال رکھتا ہے اگر حکم ہو تو آج رات ہی بادشاہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: مگر نہیں، بادشاہ پاسانِ مطلق ہے اپنی حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کی بجائے کسی اور کو بادشاہ مقرر کر دے۔ اس اثنائیں مالگیر نے شیخ اشرف مدعی کو حکم دیا کہ وہ بھی شہر کے باہر جا کر جس جگہ سید محمد امیر مدعا علیہ نے خیمہ لگایا ہوا ہے۔ وہیں جا کر اپنا خیمہ لگائے اور مقدمے کے فیصلے تک وہیں رہے۔ وہ اس وقت تھرا شاہی میں مقیم تھا اس نے انتقالِ مقام کو اپنی دولت و شکست تصور کیا اور مقدمہ سے دست بردار ہو گیا۔ آپ مظفر و منصور واپس آئے۔ جن دنوں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے آپ کے علمی و روحانی فضل و کمال کا شہر و سن کا انگیر بھی ایک روز آپ کی ملاقات کے لیے خیمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے جب بادشاہ کے آنے کی اطلاع پائی تو اٹھ کر بیت الخلا میں چلے گئے اور وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ انتظار کیا پھر آپ کے فرزند سید نور الدین محسنہ کو دریافتِ حال کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے بیت الخلا کے دروازے پر آکر آواز دی تو نہ کچھ اشارہ ہوا اور نہ جواب آیا۔ آپ نے واپس آکر بادشاہ سے حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ وہ بغیر ملاقات کے واپس آگیا۔ پھر حضرت کی تلاش شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ قطب مینار پر تشریف فرما ہیں آپ نے صاحبزادہ کو قوالوں کی قوالی کرنے کا حکم دیا۔ جب قوالی کی آواز آپ کے کان میں پڑی، نیچے تشریف لے آئے۔

نقل ہے :- آپ بادشاہ کے حکم سے دہلی تشریف لاتے ہوئے ایک رات منزل گاہ میں آرام کر رہے تھے کچھ خدام اپنی اپنی جگہوں پر سو رہے تھے۔ ایک خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ کے پاؤں کی جانب ایک عجیب و غریب شکل کا انسان کھڑا ہے۔ خادم نے عرض کیا، حضرت! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تجھے اس سے کیا کام، جا تو بھی آرام کر، وہ جا کر اپنی جگہ پر لوٹ گیا مگر غوث کے مارے رات بھر اسے نیند نہ آئی۔ صبح کو پھر حضرت سے

دریافت کیا۔ فرمایا، وہ جنوں کا بادشاہ تھا اور کتنا تھا کہ اگر ارشاد ہوتا بھی سب کچھ درہم برہم کر دوں۔
مگر میں نے اُسے اجازت نہیں دی اور اپنے کام کو خدا کے حوالے رکھا۔

۱۱۰۲ھ میں بعد اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار حجہ میں عیادت کا وخلق ہے۔

شد بہ جنت چو میر بالا پیر!! طرف سالش زخامہ تحریر است
آفتاب حقیقت است و دگر "مجتبیٰ میر حق جہانگیر" است
۱۱۰۲ ۱۱۰۲ ۱۱۰۲

۱۲۱۔ حضرت شیخ حاجی محمد قادری المشہور بہ نوشاہ گنج بخش قدس سرہ

آپ حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ آپ مادر زاد ولی اللہ، صاحب جذب اور صمد و سکر اور محبت و عشق اور شوق و ذوق اور دہد و ریاضت تھے۔ ولایت کے بادشاہ اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ طریقہ نوشاہیہ قادریہ کے امام اور پیشوا تھے۔ فقہ میں مقامات بلند اور شان ارجند رکھتے تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حاجی علاء الدین بڑے عابد بزرگ تھے۔ ساٹھ جیکے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیونی موضع گھوگا نوالی میں سکونت رکھتی تھیں۔ جب آپ بی بی جیونی کے شکم میں تھے تو آپ کے والد ماجد کو بیت اللہ شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ رخصت کے وقت اپنی اہلیہ صاحبہ کو تاکید کی کہ جو فرزند تمہارے پیٹ میں ہے، یہ مقدسے زمانہ اور فردیگاہ ہونے والا ہے۔ جب یہ متولد ہو تو اس کی تربیت پرورش میں پوری پوری کوشش کرنا۔ ان کے بعد حضرت شاہ سلیمان اپنے مسکن (بھلول) سے پل کر بی بی صاحبہ کے پاس تشریف لائے اور بشارتیں دیں۔ پیدا ہونے کے بچے کی تربیت کے متعلق بہت تاکیدیں کیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو پھر حضرت شاہ سلیمان تشریف لائے، حضرت نوشاہ کو گوہر میں لیا اور بڑی مہربانیاں کیں اور اپنے خرقہ سے ایک ٹکڑا الگ کر کے آپ کو پہنا دیا اور دوا پس پلے گئے۔

جب حضرت نوشاہ نو ماہ کی عمر کو پہنچے، ایک دن مجھوٹے میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ آنا خیر کر رہی تھیں۔ اچانک ایک ہمسایہ عورت جو بی بی صاحبہ کی ارادت مندوں سے تھی،

آئی اور بھولا کے پاس جا کر آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اپنی گود میں لینا چاہا، دیکھا تو ایک سیاد سانپ سر سے پاؤں تک حضرت نوشاہ علیہ السلام سے لپٹا ہوا ہے، وہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور چلائی۔ جب بی بی جیونی صاحبہ نے اس کی چیخ سنی، بچتے کے پاس جا کر دیکھا تو کوئی سانپ نہیں تھا، حیران ہو گئیں۔ اسی اثنا میں گوشہ سے آواز آئی کہ یہ عورت ناپاک حالت میں چاہتی تھی کہ ہاتھ ہمارے جسم کو لگائے اس لئے اس کام سے اس کو باز رکھا، حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب حضرت نوشہ صاحبہ پانچ برس کے ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار سفر حج سے واپس تشریف لائے آپ کو ایک حافظ و قاری کے پاس قرآن پڑھنے کے لئے بٹھادیا۔ آپ نے چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک سال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی شیخ اسمعیل پیدا ہوئے۔ جب حضرت نوشاہ سترو سال کی عمر کو پہنچے تو دنیا کو ترک کر کے اور اپنے انارب کے میل ملاپ سے کنارہ کش ہو کر ساندل بار میں جاں بڑا جگن تھا پلے گئے۔

آپ کے والدین بڑی تلاش کے بعد وہاں پہنچے اور بڑی مشکل سے آپ کو اپنے پاس لائے اور موضع نوشہرو میں ایک بزرگ گھرانہ میں آپ کی شادی کر دی۔ آپ نے موضع نوشہرو میں رہائش اختیار کر لی۔ پھر سال تک سادی رات دیا کے کنارہ پر کھڑے ہو کر یادِ الہی میں گزارتے رہے اور سارا دن نوشہرو کی مسجد میں تلاوتِ قرآنِ کریم میں مشغول رہا کرتے۔

شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ جن دنوں آپ اپنے سسرال کے ہاں اقامت پذیر تھے۔ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا، ملا کریم الدین ساکن موضع جو کالی نے اپنے مرشد شاہ سلیمان قادریؒ سے جو موضع بھلاوال علاقہ بھیرو میں سکونت رکھتے ہیں ان سے فیضِ عظیم پایا ہے اور اس وقت وہ معمولِ حق ہے۔ اگر آپ بھی ان کی وساطت سے شاہ سلیمان قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوں تو نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ چنانچہ ملا کریم الدین کے پاس پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جو نبی انہیں دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان خوش آمدید بڑی انتظار کرائی۔ آؤ ہمارا گھر تمہارا ہی گھر ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے تیری لئے ساندل بار، نہیں بلکہ گوندل بار ہے جو گجرات کی تحصیل پھالیہ ضلع سرگودھا کا مروجہ ہے۔ ساندل بار ضلع شیخوپورہ دلائل پر ہے اور ان علاقوں میں حضرت نوشہ کا آنا ثابت نہیں۔

ہی امانت ہے۔ آپ اسی وقت حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر عرفان و معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ مکمل سلوک کے بعد مرشد نے خرقہ خلافت پہنایا اور نوشاہ گنج بخش کے خطاب سے نوازا۔ مرشد کو آپ کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں اور اپنے دونوں فرزندوں تاج محمد اور رحیم داد کو بھی تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت نوشاہ قوم گلگو سے تعلق رکھتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے آپ قوم گلگو سے نہ تھے بلکہ قوم کھوکھو (کھوکھر) سے تھے۔ اس قوم سے مشہور ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اپنی حکومت اور سرداری کے زمانے میں اس قوم کی ایک حسین و جمیل لڑکی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کے عشق میں ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ اُسی قوم کے طور طریقے اختیار کر لئے۔ آخر یہ عشق مجازی عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا اور آپ زمرہ اولیاء میں آ گئے۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک آپ کے بزرگوں میں پشت بہ پشت ولایت چلی آرہی ہے۔ چنانچہ آپ کے علم بزرگوار شیخ رحیم بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحبِ ولایت تھے۔ اور انہوں نے اپنے بھائی علاء الدین کو بشارت دی تھی کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھر ایسا فرزند پیدا ہو گا کہ اپنے عہد میں ظاہر و باطن کا بادشاہ ہو گا۔

نقل ہے ایک ساربان اپنی نابینا بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس امید پر کہ تاج محمد میں بلکہ تاج محمد ہے۔ (تذکرہ نوشاہی قلمی و اذکار نوشاہیہ)

لے نوشاہی خاندان کے پرانے شجروں اور خطی بیاضوں میں حضرت نوشاہ گنج بخش کو علوی النسب لکھا ہے اور آپ کی تمام اولاد اسی نسب کو مستند سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس کتابِ نسب نامہ ساداتِ خلی ورق ۷۰، ۷۱، نمبر کتاب ۱۲۰۹ ذخیرہ شیرانی کتاب خاندانِ گاد پنجاب لاہور اور تحفۃ الفقراء میں آپ کو حلی گیلانی سادات سے لکھا ہے۔ نیز یہ بھی مدنظر رہے کہ نسب سے نسب نہیں بدلتا، جیسا کہ حضرت مسید امیر کلال نے بزبانِ کلام کیا تو ان کی سیادت میں فرق نہیں آیا۔ تذکرہ نوشاہیہ میں جو کھوکھر لکھا ہے اس سے مراد وہ کھوکھر ہے جو سید عون قطب شاہ ملوی بغدادی کے بیٹے سید زمان علی الملقب بہ کھوکھر کی اولاد سے ہیں۔ اس مسئلہ میں سید شرافت نوشاہی نے دو کتابیں انوار السیادت اور سیادتِ ملویہ لکھی ہیں اور سید ابوالکمال برق صاحب نے لامع البرکات فی تحقیق السادات لکھی ہے۔ محققین ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

سے شیخ رحیم اللہ غلط لکھا گیا ہے ان کا صحیح نام رحیم الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہیہ قلمی)

کہ شاید آپ کی دعا و برکت سے یہ بینا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ساربان کی بیوی کو اپنے سامنے بٹا کر کہا: آنکھیں کھول اور میری طرف دیکھو۔ وہ اسی وقت بینا ہو گئی۔

حافظ معمری جو حضرت نوشاہ کے مرید و خلیفہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حافز خدمت تمباہیرے دل میں خیال گزرا کہ روزِ شہر تمام قویں اپنے اپنے فرقوں میں بٹ جائیں گی اور ہر گروہ کو علم دیئے جائیں گے اور ہر فرقہ اپنے سردار کے علم کے نیچے ہوگا آیا یہ مسئلہ دست ہے یا نہیں۔ میں جب اُس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہے، لوگوں کا بڑا ہجوم ہے بے شمار علم نظر آرہے ہیں۔ اُن میں ایک علم سب سے بلند دیکھا۔ آواز آئی یہ علم غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ جب میں نے نوشاہ مایہ جاہ کا علم تلاش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نوشاہ اُس علم کے نیچے اپنے یاروں کے ساتھ ایک بلند تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: حافظ معمری آجاؤ تمہاری جگہ بھی اسی علم کے نیچے ہے۔ جب صبح کو میں حافز خدمت ہوا، ابھی خاموش ہی تھا کہ آپ نے منہمسم ہو کر فرمایا، حافظ معمری مسئلہ یومِ الشہر اور علموں (جھنڈوں) کا نصب ہونا جس طرح تم نے دیکھا اُسی طرح ظہور میں آئے گا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہی بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص جیون نامی حجام آپ کے مریدوں سے تھا۔ موضعِ باہو کے میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے عرض کیا: اگر حضرت میری کھیتی پر تشریف لائیں تو میرے لئے باعثِ عزت و برکت ہوگا۔ آپ نے اس کی التجا منظور فرمائی اور اسی وقت جل پڑے چونکہ موضعِ باہو کے موضعِ نوشہرہ سے قریباً دو کس کے فاصلے پر تھا اور نمازِ عصر کا وقت تھا۔ خدام نے چاہا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر چلیں یا رانِ طریقت یہ سن کر خاموش ہو گئے مگر سب کے دل میں یہ غرض تھا کہ وہاں پہنچنے تک نماز قضا ہو جائے گی مگر جب آپ وہاں پہنچے تو سورج ابھی تک اُسی جگہ قائم تھا۔ دیر تک وہاں آرام کیا اور نماز ادا کرنے کا خیال تک نہ تھا، سورج بھی اس سے آگے نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد جیون حجام کی زمین پر جا کر نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حاضرینِ مجلس سے فرمایا، دست بردار خداوند تعالیٰ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں کہ اگر وہ چاند سورج کو یہ حکم دیں کہ ٹھہر جائیں تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔

شیخ تاج الدین حافظ معمری کے فرزند اور آپ کے نواسہ تھے ان کی زبانی صاحبِ

مذکرہ نوشتا ہی رقمطراز ہیں۔ ایک رات حضرت نوشاہ بستر پر لیٹے ہوئے فرما رہے تھے کہ یکایک ہاتھ اٹھا کر کئے لگے، نہ مارو، نہ مارو۔ آپ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو منع فرما رہے ہیں۔ صبح یارانِ طریقت نے حاضر ہو کر اس راز کو دریافت کیا، پتا چلا کہ فرمایا، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ فوراً اسی وقت شمشیر نامی شخص جو موضع پانڈوال کا چودھری تھا حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا، کیوں چودھری رات خیریت سے گزری عرض کیا، حضور کی توجہ سے جان بچ گئی۔ آج رات میں سو رہا تھا کہ دشمنوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ تجویز یہ سوچی کہ پہلے چالیس پچاس آدمی موضع پانڈوال پر حملہ کریں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے پیچھے اٹھا کر باہر نکال لائیں۔ کچھ آدمی گھات میں چھپ کر بیٹھ جائیں جب میں ان کے قریب پہنچوں تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں۔ پس جب انہوں نے گاؤں پر حملہ کیا میں اور میرے ساتھی مقابلے کے لئے نکلے۔ رات بڑی تاریک تھی، ہم ادھر ادھر بکھر گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ کس طرف ہو، دشمن جو کہیں گاہ میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے آواز دی، ادھر آ جاؤ۔ میں ان کی طرف چل پڑا۔ قریب پہنچا تو معلوم ہوا یہ میرے رفیق نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ وہ نیزوں اور تلواروں سے مجھ پر پل پڑے۔ اس وقت حضرت نوشاہ کا نام بے اختیار میری زبان پر آگیا۔ آپ سے استمداد چاہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ بذاتِ خود دواں تشریف فرما ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو دواں کچھ بھی نہیں تھا اور دشمن بھاگ چکے تھے۔

نقل ہے، ایک روز موضع ساہن پال کے زمیندار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کم زراعتی اور اہل دیہہ کی خستہ حالی بیان کی اور عرض کیا، ان حالات میں بھی دو ہزار روپیہ معاملہ کا سرکاری خزانہ میں جمع کرانا ہے۔ آپ نے فرمایا، اپنے گاؤں کا معاملہ کتنا داکر سکتے ہو، عرض کیا، اگر نو سو روپے مقرر ہو جائیں تو بہ سہولت ادا ہو سکے گا۔ فرمایا، ان شاء اللہ نو سو روپے ہی مقرر ہو جائیں گے۔ چند روز کے بعد صوبہ دار لاہور نے گاؤں کے چودھری کو بلایا اور نو سو روپیہ گاؤں کا سالانہ معاملہ مقرر کر دیا مگر چودھری نے اپنے ذاتی طمع کی وجہ سے گاؤں والوں پر ایک ہزار روپیہ ظاہر کیا۔ جب یہ خبر آپ کے کانوں تک پہنچی تو چودھری کو بلا کر فرمایا کہ موضع ساہن پال کا معاملہ نو سو روپیہ لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے تو ایک ہزار روپیہ کیوں ظاہر کرتا ہے۔ چودھری سخت

شرمندہ ہو کر معذرت خواہ ہوا۔

تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے: حضرت نوشہ عالیجاہ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر مسجد میں مسافر و مساکین جمع ہو جاتے تو ان کے لئے پہلے تو اپنے گھر سے طعام مہیا کرتے پھر تمام گاؤں والوں کے پاس جا کر اکٹھا کرتے۔ ایک روز مستی مستی نام راتھ کے گھر گئے اور طعام طلب کیا۔ وہ خود گھر میں موجود نہیں تھا اس کی بیوی بڑی کنجوس تھی۔ آٹے والا بن بن ران کے نیچے چپا کر کہا: آج گھر میں آٹا نہیں ہے۔ آپ خاموش واپس آ گئے مگر آٹے والا بن بن اسی وقت اس کی ران کے ساتھ چٹ گیا۔ بڑی کوشش کرنے کے باوجود جُدا نہ ہوا۔ اس عورت کا خاوند یہ حال دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی ماجزی و انکساری سے معذرت چاہی اور خلاصی کے لئے استدعا کی۔ فرمایا: خلاصی پانے گی۔ چنانچہ آٹا اسی وقت اس عورت کی ران سے جُدا ہو گیا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی کے قول کے مطابق حضرت نوشاہ عالیجاہؒ نے ۱۱۰۳ھ میں بہمد اور نگ زیب عالیگروانات پائی۔

حضرت نوشہ شاہ با کمال !!	زیرِ فرماں یافت چوں ملکِ جانا
حلقش گو "مادی حق گنج بخش"	نیز "مدی گنج بخش دو جہاں"
باز سال ارتحالِ آں جناب	"قطب زاہد گنج بخش" آمد عیاں
پیرِ فیاض و "محمد اعظم" ست	نیز سالِ ارتحالش بے گماں

ایضاً

ز دنیا شد چو درِ خللِ معنی	جنابِ شاہِ نوشاہِ دل آگاہ
تاریخِ وصالِ آں شہرِ دین	خرد گفتا ز بے نوشاہِ ذیجاہ

لے حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمہ اللہ اور دیگر نوشاہی بزرگوں کی تواریخ وفات مفتی غلام سرور مرحوم نے غلط لکھی ہیں۔ حضرت نوشہ قدس سرہ کی خالقاہ کے موجود اوقات سہ ماہ نشین سید شریف احمد شرافت نوشاہی جو جید عالم، بلند پایہ مصنف اور متقی بزرگ ہیں، نے اپنی جلد تصانیف میں خاندانی قلمی کتب کے حوالوں سے حضرت نوشہ کا سال وصال یہ لکھا ہے:

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۲۔ سید جعفر بن حاجی محمد ششم بن صوفی علی گیلانی قادری

اپنے عہد میں جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔
 ماہ جمادی الاخریٰ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار نگین اہلی والا
 (بقیہ حاشیہ ص ۲۱)

حضرت نوشاہ عالی جاہ کی وفات بروز سہ شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۶۵۴ء
 بہمد شاہ جہان بادشاہ حوی۔ آپ کا روضہ المہر مقام ساہن پل شریف (ضلع گجرات) گاؤں سے
 نصف میل شمال کی طرف مرجع خلافت ہے۔ امداد تاریخ "فیض قدسی" ہے۔ (ادکار نوشاہیہ
 مولفہ شرافت نوشاہی ص ۲۱)

شرافت صاحب نے عقائد اہل ازمیں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ مفتی صاحب سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔
 لکھتے ہیں،

"مفتی غلام سہرورد لاہوری (توفی ۱۲۰۰ھ) نے کتاب خزینۃ الاصفیاء جلد اول میں ج ۱۷۸۰ میں تصنیف
 کی ہے، نوٹ کیا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی اور اس پر حوالہ "تذکرہ نوشاہیہ" کا دیا ہے
 حالانکہ اس میں بتصریح ۱۶۶۳ھ لکھا ہے، جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) مفتی صاحب کو
 حوالہ سمجھنے میں غلطی ملک گئی ہے، جس کے وجوہات یہ ہیں،

حضرت مرزا احمد بیگ لاہوری نے "مقامات حاجی بادشاہ" الموسوم بہ رسالہ "الابحاز" حضرت
 زشر صاحب کے حالات و کرامات میں لکھا، جو بعد میں بنام "رسالہ احمد بیگ" مشہور ہو گیا۔ یہ رسالہ حضرت
 نوشاہ عالم کی وفات سے تینتالیس سال بعد کی تصنیف ہے اور خاندان نوشاہی کے تذکروں میں اس کو
 بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت سید مانظ محمد حیات ربانی کو ۱۱۴۶ھ میں رسالہ احمد بیگ کا ایک نامکمل نسخہ ملا، جس کے متعلق
 لکھتے ہیں: "اکثر عباراتش از بسیاری کسگی رختہ بود" یعنی بہت پرانا ہونے کی وجہ سے اس کی اکثر عبارتیں مٹ
 چکی تھیں، انہوں نے اس کی اصل عبارتوں کو بہ دستور رہنے دیا اور اپنی طرف سے مزید حالات اضافہ کر کے "تذکرہ
 نوشاہیہ" مرتب کیا۔
 (باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور میں ہے

حضرت جعفر شہ دنیا و دیں سید اکبر مقدس متقی
مولہ شہ افضل مکمل شد میاں و ملتش جعفر مقدس متقی
۱۰۴۱ھ ۱۰۴۱ھ

(بقیہ ماضیہ ص ۲۷۳)

اب ثابت ہوتا ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوری کو ”مذکرہ نوشاہیہ“ (علمی) کی عبارتوں میں اشتباہ و التباس واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ تحقیق نہیں کر سکے کہ اس میں ”رسالہ احمد بیگ“ کی کون سی عبارت ہے اور مذکرہ کی کون سی۔ چنانچہ ایک جگہ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں: ”ہنگام نوشتن رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چل و سر سال گزشتہ بود۔“ (یعنی رسالہ تصنیف کرنے کے دوران میں جب کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات کو تینالیس سال گزر چکے تھے) مفتی صاحب نے اس عبارت کو سید حافظ محمد حیات صاحب کی عبارت سمجھا اور چونکہ ”مذکرہ نوشاہیہ“ کے دیباچہ میں اس کا سال تصنیف ۱۱۴۶ھ تحریر تھا۔ اس سے تینالیس سال تفریق کر کے ۱۱۰۳ھ کو حضرت نوشاہی جادہ کا سن وفات قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ عبارت مرزا احمد بیگ کی تھی، جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات یعنی ۱۰۶۲ھ سے تینالیس سال بعد یہ رسالہ تصنیف ہوا، جس سے ۱۱۰۴ھ ضیق ہوتا تھا۔

مرزا احمد بیگ صاحب رسالہ لاریتہ حافظ محمد حیات صاحب ”مذکرہ کا طریقہ“ ہے کہ وہ حضرت نوشہ صاحب کا نام نامی اپنی اکثر عبارتوں میں بوجہ ادبہ کے ”حضرت شاہ صاحب“ یا ”حضرت شاہ جو“ لکھا کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کو یہ عبارت نظر پڑی کہ حضرت شاہ جو کی وفات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی تو انہوں نے شاہ جو سے حضرت شاہ سلیمان نوری کو مراد لیا، حضرت نوشہ صاحب کے پیروی و بقیت تھے اور ۱۰۶۲ھ اُن کا سال وفات درج کر دیا۔ غلطی اُس کے بھی کسی مادہ تاریخ کے اعداد و شمار کرنے میں غلطی ہو گئی تو اُن کی وفات ۱۰۶۵ھ کو دی۔ حالانکہ ”مذکرہ نوشاہیہ“ میں ان کی تاریخ درج ہی نہیں۔ ناانان کے دوسرے تذکروں ”مذکرہ الزکیہ“ وغیرہ میں اُن کی تاریخ وفات ۱۰۱۲ھ لکھی ہے، جو اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے:

شاہ سلیمان رفت در دار البقا
”غیب“ تاریخ سن ہجری بجا
۱۰۱۳ھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۳۔ سید عبدالحکیم گیلانی قدس سرہ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہ کی اولادِ اجماد سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے سید یعقوب بعد ابو الفتح مبارک شاہ ایران سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت (بقیہ ما شیہ ص ۴۷)

مفتی صاحب اگر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ”تذکرہ نوشاہیہ“ کے مصنف حضرت نوشہ صاحب کو ”حضرت شاہ جیو“ لکھا کرتے ہیں اور ان کے پیر احمد فرست شاہ سلیمان کو ”حضرت شاہ شاہاں“.....
 ”تذکرہ نوشاہیہ“ میں صرف حضرت نوشہ گنج بخش اور آپ کے دونوں بزرگان (شاہ عصمت اللہ و حافظ جمال اللہ) کی تاریخیں ہی درج ہیں۔ ان تینوں کے سوا کسی بزرگ کی تاریخ اس میں تحریر نہیں۔ مفتی صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کے فرزندوں اور خلیفوں کے حالات تو ”تذکرہ نوشاہیہ“ میں سے نقل کئے اور تاریخیں محض اپنے قیاس اور تخیل سے درج کر دیں اور ان کو مستند بنانے کے واسطے ”تذکرہ نوشاہیہ“ کا حوالہ دے دیا۔ حالانکہ مذکورہ میں ان تاریخوں کا نام تک نہیں۔ کمالا یعقل علی ادب اب العلم والتحقیق۔ مقولہ ہے ذلۃ العالم ذلۃ العالم۔ یعنی عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش کا موجب ہوتی ہے۔ یہی امر یہاں واقع ہوا۔ مفتی صاحب کے بعد جس مورخ نے کوئی کتاب لکھی، چونکہ نوشاہی خاندان کے مستند و معتبر تذکرے بوجہ قلمی اور نایاب ہونے کے اُس کی نظر سے گذرے اس نے خزینۃ الامنیہ کو ہی اپنا ماخذ اور چراغ راہ بنایا اور اسی کی مندرجہ تاریخوں کو اپنی کتاب میں بلا تحقیق درج کر دیا اور انہیں کے اقتدار پر ”تذکرہ نوشاہیہ“ کا حوالہ بھی بغیر ملاحظہ کئے کیے یا
 (ادکار نوشاہیہ از صفحہ ۳۵ تا ۳۹)

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہ اور ان کے سلسلہ مالیہ کے جملہ بزرگوں، خلیفوں اور اولاد و احفاد نیز آج تک کے نوشاہی فقرا کے حالات کے لئے ”شریعت التواریخ“ (۲۷ جلد) مرتبہ جناب شرافت صاحب، جو تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل اور بنو زنیہ مبلوط ہے، جو زنیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب شرافت صاحب نے سلسلہ نوشاہیہ کی ہر اقدار علمی خدمات سر انجام دی ہیں، ان کی تفصیل کے لئے کتاب ”اموال دائرہ سید شرافت نوشاہی“ مرتبہ محمد اقبال مجددی دیکھنی چاہئے۔

۱۔ خاندانِ ساداتِ خضر نانیہ سے تھا۔ خضر بن سیمان کی وفات کے بعد بادشاہ ہوا۔ تیرہ سال ایک مادیہ شاہی کی قید مبارک پور آباد کیا۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵

اختیار کر کے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ان کی اولاد میں سید انجم الدین نے اپنے علمی فضل و کمال کے باعث بڑی شہرت پائی۔ ۱۲۴۹ھ میں دہلی آئے۔ بابر کے دربار میں عہد و منزلت پائی۔ ان کے پڑتے سید نظام الدین دہلی سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے، ان کے فرزند ملا یازید اپنی فصیلت علمی کی وجہ سے مشہور زمانہ تھے۔ لاہور میں آپ کی ذات اہل علم کی توجہ کا مرکز تھی۔ اچھے اچھے فاضل آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور صاحبِ درس بن کر نکلے۔ آپ کے تین فرزند سید عبداللہ، سید الدواد اور سید عبدالحکیم تھے۔ سید عبدالحکیم بڑے پایہ کے عالم والد ماجد کے صحیح ہانشین، جامع علوم و فنون اور صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ حضرت عبداللہ قادری سے بیعت حاصل تھی۔ بڑے متحمل مزاج، مستغنی الطبع اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ اخلاقی حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا سرچشمہ تھی۔ شاہجہان نے دو تین مرتبہ دربار میں آپ کو بلایا۔ آپ ہر بار مال گئے، انہیں گئے۔ تمام عمر شاگردوں اور مریدوں کی تنذیب و تکمیل میں گزار دی۔ جو کوئی بھی آپ سے ملتا آپ کے علم و غلق سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکتا۔ پردہ پوشی آپ کا وصف خاص تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ موضع سوریہ میں اپنے ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس نے غلطی سے چادروں پر شکر کی بجائے نمک ڈال دیا اور وہ طعام آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا اور کھانے کی التجا کی۔ آپ نے جتنا چاہا، کھایا۔ باقی بطور تبرک دوسروں نے چکھا۔ اس وقت غلطی کا پتہ چلا مندرت خواہ ہوا۔ فرمایا: میں نے تو شکر کھاٹی ہے نمک کی توجہ خبر نہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں بہار جہانگیر پیدا ہوئے اور ۸۔ ۱۱ھ میں بہار اور گزب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ اولاد موضع اچھرہ میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

شہید عبدالحکیم آل مسدین فیض	کہ بود او مطلع نورِ سعادت
ز شمس اتقین، تولید او گیر	و مالش گزہ شہنشاہ ولایت
۱۰۳۱	۸۰۱

۲۴۱۔ سید محمد فاضل متوکل لاہوری قدس سرہ

عالم و فاضل، متوکل و متورع تھے۔ ریاضت و عبادت اور تجرید و تعزید میں شہرہ آفاق تھے۔

تمام زندگی دائم العوم اور قائم اقیل رہے۔ ان کے والد ماجد جب حج کے لیے جانے لگے تو انہیں نصیحت کی، اسے فرزند گھر سے باہر نہ لکنا۔ اپنے گھر ہی میں مصروفِ عبادت رہنا۔ چنانچہ اس نصیحت پر تمام عمر عمل کیا۔ ایسے خانہ نشین جوئے کہ مر کر ہی گھر سے نکلے۔ اور نگ زیب مالگیر کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر حاضرِ خدمت ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ نقد و عیس و جاگیر پیش کی مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔

۱۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل مدفون ہوئے۔ مالگیر نے مقبرہ و مسجد بنوائی تھی جسے مزنگ کے زمینداروں نے خشتِ فروشی کے لالچ میں انگریزوں کی عداوت کی ابتدا میں مسادہ کر کے اینٹیں بیچ دیں۔ اس سے قبل سکھوں نے روضہ کے قیمتی پتھر اکھاڑ کر اسے خستہ کر دیا ہوا تھا۔

چوں شد فاضل ولی اہل فضل	شد از دنیا ئے دوں اندر جان
قبلہ دیں فاضل آمد رملتش	نیز زیب اصفیا فاضل بخوان
۱۱۱۲ھ	۱۱۱۲ھ

۱۲۵۔ خواجہ محمد فیض قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر مریدوں اور خلیفوں میں سے تھے۔ اصل وطن کابل تھا۔ طلبِ خدا میں ہندوستان آکر حضرت نوشاہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ مالگیر کی حکومت کے ملازم بھی رہے۔ پھر کلی طور پر ترکِ ملائق اختیار کر لی۔ صاحبِ جذب و سکندر و عشق و محبت تھے۔ طبیعت میں بڑا سوز و گداز تھا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی فرماتے ہیں کہ خواجہ فیض صاحب کابل میں وحی کے لقب سے ملقب تھے۔ جس فاضل و فاجر پر سائنس و کیمیا و فلسفہ و طب و فرائض و عبادت و اخلاق کا علم ہو جاتا۔ کسی مردہ پر پڑتی تو زندہ ہو جاتا۔ نگاہِ غضب سے کسی طرف دیکھتے تو اس کی جان تن سے نکل جاتی، غرض آپ کے احوال و مقامات عجیب و غریب تھے۔

یہ مالگیر کا زمانہ نہ تھا، شاہان کا مد حکومت تھا۔

نقل ہے ایک مرتبہ چند کابلی دہقانوں نے بہ نظر امتحان ایک زندہ شخص کو چار پائی پر ڈال کر یہ ظاہر کیا وہ مردہ ہے اس کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت خواجہ محمد فضیل بھی شریک جنازہ ہو گئے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جب قبرستان پہنچے تو لوگوں نے آپ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا اُن کی سازش یہ تھی کہ جب خواجہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں اور تکبیر کہیں تو وہ شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اس طرح خواجہ کی کرامت کا حال کُل جائے گا۔ آپ نے ان لوگوں کے اصرار پر نماز جنازہ پڑھائی۔ قبول کر لی اور نماز جنازہ کی نیت باندھ کر نماز پڑھائی۔ لیکن وہ شخص نہ اٹھا، سب حیران ہوئے۔ چار پائی کے پاس جا کر دیکھا تو معلوم ہوا اس کی روح جسم معنوی سے پرواز کر چکی ہے۔ گریہ و زاری کے ساتھ معذرت خواہ ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا: اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے مردے ہی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔

نقل ہے کابل کے ایک شاہی باغ میں پہاڑ کی ایک چٹان آگری، وہ اس قدر زنی تھی کہ اٹھائے نہیں اٹھتی تھی۔ باغبان لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چٹان ہٹانے میں مدد مانگی۔ آپ باغ میں تشریف لائے اور چٹان کے قریب کھڑے ہو کر نعرہ **اَللّٰہُ اکْبَرُ** گایا جس سے چٹان اسی وقت پھٹ گئی اور اس کے ٹکڑے دور دور جا پڑے۔ زمین خالی ہو گئی۔ حاکم کابل نے جب آپ کا یہ تصرف دیکھا تو وہ باغ ہی آپ کی نذر کر دیا۔ آپ پرسکو استغراق کا غلبہ زیادہ تھا تھا اس وجہ سے حکم لا تقربوا الصلوة ظاہر اطوار پر آپ سے فرائض نماز ترک ہو جاتے تھے۔

علماء کابل نے آپ کے خلاف فتویٰ لکھا اور بلا کر کہا کہ آپ ترک نماز کے مرتکب ہوتے ہیں اس لئے ہم آپ پر شرعی حد جاری کریں گے۔ آپ نے فرمایا: بے وضو نماز جائز نہیں ہے اور میں معذور ہوں پانی میرے جسم پر رواں نہیں ہوتا اور وضو میں پانی جب تک اعضا پر رواں نہ ہو، وضو کامل نہیں ہوتا۔ علمائے پانی منگوایا اور آپ سے وضو کرنے کے لئے کہا۔ آپ ہاتھوں پر بٹنا پانی ڈالتے وہ خشک ہوتا چلا جاتا گویا آگ پر پڑ رہا ہے۔ علمائے جب یہ کیفیت مشاہدہ کی تو خاموش ہو کر چلے گئے۔ خواجہ فضیل کی وفات اقوال صیح کے مطابق ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۲ھ میں ہے اور مزار گوبرہ مار کابل میں ہے۔

خواجہ دیں فضیلِ واصلِ حق ! شدہ دنیا چور بہشت بریں !!

رحلتش ہست "عارفِ سرمست"
باز فرما مکرّم اخیار!
نیز فرما "فضیل واصل دین"!
سالی ترحیلش آن شرّ حق ہیں

۱۲۶۔ شیخ رحیم ادا قادری قدس سرہ

شاہ سلیمان قادری کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین تھے۔ حضرت نوشاہ گنج بخش سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا اور تربیت و تکمیل پائی۔ متوکل صاحبِ علم و فضل اور جامعِ اوصافِ کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ استغراقِ بکدِ کمال تھا۔ بڑے سادہ مزاج اور سادہ لباس تھے۔ صرف ایک تہبند ایک پادراور سفید کپڑی زیبِ تن ہوتی تھی، جن کی قیمت دو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اپنی محنت و کاشت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ اپنے پوتے محمد شفیع کو خربوزوں کے کھیت کی نگہبانی کے لئے حکم دیا۔ ایک روز یہ کھیت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی نے آکر خربوزہ لینا چاہا۔ انہوں نے منع کیا سپاہی نے صاحبزادہ کے منہ پر چھپرہ مارا اور خربوزہ لے کر چلتا بنا۔ صاحبزادہ نے آکر داد اسے شکایت کی۔ فرمایا: صبر کرو، وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ چنانچہ اسی رات اس سپاہی پر حالتِ دیوانگی طاری ہو گئی۔ دیوانوں کی طرح ہر شخص کے پاس جاتا اور کہتا، میرے سر پر جو تے لگاؤ۔ ساری رات اسی طرح گزری، صبح اس کے وارث اسے ساتھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معافی چاہی۔ آپ نے درگزر فرما کر اسے معاف کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنی اصل حالت پر آگیا۔ شیخ رحیم داد نے ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بجلوال میں حضرت شاہ سلیمان کے مزار کے متصل ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں متقی اعظم و علیم و رحیم

لے خواجہ فضیل کا صبح سن وفات ۱۰۶۹ھ ہے اور مزار یعنی صارا کابل میں ہے۔ دشریف التواریخ جلد سوم صفحہ اول موسم بہ تحائف الاطمار قلمی ص ۱۶۳

سال تاریخ رحلتِ آں شاہ ! گفت دلِ اشرف و کریم و رحیم

۱۲۷۔ سید عمر گیلانی قدس سرہ

سید محمد ہاشم گیلانی کے فرزند ارجمند اور مرید و خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے عہد کے شیخ الوقت، جید عالم اور مجتہد العصر تھے۔ سلوکِ نسبتِ قادریہ اور عقائدِ اہلسنت و دہلیہ پایہ رسائل آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مرقد لاہور تیکہ اہلی والا میں واقع ہے۔

عمر چوں ز دنیا شد اندر بہشت تاریخِ رحیل آں بادستار
عمر واصلِ شرعِ حق شد رقم عمر جاں نثار آمد اندر شمار

۱۲۸۔ سید حسن پشاورمی گیلانی قادری قدس سرہ

اپنے والد بزرگوار سید عبداللہ گیلانی کے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے جد امجد سید محمود بغداد سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آکر ٹھٹھہ (سندھ) میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد سید حسن پشاور آکر مقیم ہو گئے۔ آپ صاحبِ فضل و کمال بزرگ تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی زوجہ سید علی ہمدانی کی اولاد امجاد سے تھیں جو اپنی بزرگی و عظمت میں راہِ بعد ثانی تھیں۔ آپ نے بڑی سیر و سیاحت کی تھی اور اکابر مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کئے تھے۔ آبائی نسبت حضرت شیخ سید عبدالغفور جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند سید محمد غوث لاہوری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بقول صاحبِ رسالہ غوثیہ ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مرزا

لے شیخ رحیم داد کا صبح سال وفات ۱۰۹۱ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسم بہرِ خائف الاملا تلمی ص ۱۱۱)

پشاور میں زیارت گاہِ خلقی ہے۔

چوں حسنِ احسن یافت درِ خلدِ بریں
چوں جنابِ سید والا حسن !
خلقتش "شیخِ مطلوب" گو
نیز فرما "فاضلِ مولیٰ حسن" !

۱۲۹۔ حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری

اپنے مہم کے صوفی کمال، ہجید عالم اور صاحبِ فتویٰ بزرگ تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دورِ دور سے طالبانِ علم و ہدایت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضِ یاب ہوتے۔ زہد و عبادت اور دعوتِ اسمائے الہی میں بے نظیر تھے۔ مستجابِ الدعوات تھے۔ مولانا شیخ محمد فاضل لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلہٴ بیعت حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی تک

۱۔ حضرت سید حسن بن سید عبداللہ گیلانی بن سید محمود (رحمہم اللہ) کے حالات کے سلسلے میں غزنیۃ الصغیر کی چند غلیوں کی نشان دہی ضروری ہے۔ آپ کے جدِ امجد سید محمود بغداد شریف سے نقلِ مکانی کر کے ٹھکانہ نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے والد ماجد سید عبداللہ بغداد شریف سے ٹھکانہ میں آکر مقیم ہو گئے اور یہیں تقویاً ۱۰۶۰ھ میں داخل الی اللہ ہو کر موجود اب ابدی ہوئے۔ جناب سید عبداللہ نے ٹھکانہ ہی میں شادی کی تھی اور دو فرزند سید حسن و سید محمد فاضل تولد ہوئے۔

سید عبداللہ مدفون ٹھکانہ سید حسن مدفون پشاور اور شاہ محمد غوث مدفون لاہور کے صحیح اور مستند حالات کے لئے حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاور (جو حضرت حسن کی اولاد میں ہیں) کی تصانیف ذیلِ ملاحظہ ہوں: تذکرہ علماء و مشائخ سرمد جلد اول، تذکرہ سید شاہ عبداللہ ٹھکانوی اور تذکرہ مشائخ قادریہ حنفیہ۔

۲۔ مہمِ مالگیری میں لاہور کے جید علماء و فضلاء و فقہاء سے تھے۔ درس و تدریس کا بڑا وسیع سلسلہ تھا۔ تمام عمر اسی شغل میں گزاری۔ جامع شریعت و طریقت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے ظاہر و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے۔ ۳۔ مشائخ متاخرین میں علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز الوقت تھے۔ فیوض و کرامات میں درجہٴ بلند پر فائز تھے۔ اکثر درسی کتب پر حاشی لکھی ہیں۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ ۹۹۹ھ میں وفات پائی۔ مرقدِ امداد آباد میں ہے۔

منتہی ہوتا ہے شیخ محمد غوث گویاری کے مرید تھے۔ ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بائنتِ خلد گشتِ راضی چوں شاہِ رضا والی والا

دل گنت کہ آفتابِ خلد است تاریخِ وصالِ آن معشئی

۱۱۱۸ھ

۱۳۰۔ سید محمد صالح قادری نوشاہی قدس سرہ

آپ ساداتِ عظام اور شرفاء کرام میں سے تھے اور حضرت حاجی محمد نوشاہی گنج بخش کے یارانِ کبار اور جہانِ غم غوار اور خلفائے باوقار اور خدامِ نامدار میں سے تھے۔ مرشد کی ان پر بڑی نظرِ عنایت رہا کرتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مرنے دو شخص طلبِ خدا کے لئے میرے پاس پہنچی نیت سے آئے ہیں۔ ایک محمد صالح اور دوسرے محمد صادق چھینہ ان دونوں دستوں نے ہم سے کافی فیض حاصل کیا ہے۔ محمد صالح نے بقول صاحبِ تذکرہ نوشاہی "۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع چک سادہ میں ہے جو گجرات سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

لے بندو ستای کے اویانے فتاویٰ میں بیٹے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ حضرت شیخ حاجی حمید جو حضرت شاہِ فاذن کے مرید و خلیفہ تھے ان سے ظاہری و باطنی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ نیسند حضرت غوث الاعظم کے بھی ایسی مرید تھے۔ خلقِ کثیر آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھی۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ کتاب جوارِ رحمہ، بحرِ الحیات آپ کی مشہور تصنیف کہ کتب میں۔ ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار گویاری میں ان کے ساتھ پرورینسٹراکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی تابعت "شاہ محمد غوث گویاری" مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۶۳ء لائی مطبوعہ ہے۔

نشاطِ صلاحِ مریا میں شغلِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے ساکبِ رتبہٴ فانی اللہ اور بقا باللہ حاصل کرتا ہے۔ حضرت شیخ عبداللہ شادری اس سلسلہ کے امامِ طریقت ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہوردی کی اولاد سے تھے اور حضرت شیخ محمد صیفوری کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔ ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔

لے تذکرہ نوشاہی میں سید محمد صالح کا سالِ وفات درج نہیں، مفتی صاحب کو حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

شہزادین دنیا پر درِ غلو بریں شیخ صالح مقدس دوجہا
 طرہ سالی انتقالِ آں جناب گشت شیخ الاولیا صالح عیال

۱۱۱۸ھ

۱۳۱۔ شیخ صدر الدین قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے عالی شان مریدوں اور بلند مرتبہ والے خلیفوں سے تھے۔
 سلوک و معرفت میں حالاتِ عجیب اور مقاماتِ بلند رکھتے تھے۔ مرشد صاحب اکثر آپ کے حق
 میں فرمایا کرتے کہ اگر قیامت کے روز میرے اور صدر الدین کے درمیان دوزخ حائل ہو جائے
 یقین ملی ہے کہ صدر الدین دوزخ میں قدم رکھ کر اس راہ سے میرے پاس آئے گا۔ اس کی
 وجہ یہ تھی کہ صدر الدین اوائل عمر میں دنیا کے لہو و لعب میں بے حد مشغول تھے۔ جب آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام کمزوریات دنیا سے تائب ہو گئے اور ترکِ عیال اختیار کر کے
 تکمیلِ سلوک کی اور کمالِ فقر کو پہنچے اور مقبولانِ الہی کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

رفت از دنیا چو در غلو بریں ! شیخ صدر الدین ولی متقی
 رحلتش نگلیں بگو خورشیدِ خواں ہم فرید العصر صدر الدین ولی

۱۱۲۰ھ

۱۱۲۰ھ

(بقیہ ماضیہ ص ۲۷۱)
 ہمارے زمانے کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بانی نوری کتب خانہ لاہور و
 بانی نوری مسجد المتعالیہ پلوے اسٹیشن لاہور (متوفی ۱۳۸۸ھ) حضرت سید صالح محمد صاحب کی اولاد و امجا رہیں
 تھے اور سجادہ نشین۔ انہوں نے حضرت سید صالح محمد کے حالات پر ایک کتاب بنام "انوار الصالحین" لکھی ہے، جو
 ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ وہاں حضرت سید صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس وقت حضرت سید محمد حسین شاہ خلیف اکبر
 حضرت سید معصوم شاہ سجادہ نشین ہیں۔

لے حضرت صدر الدین کا میم سن ۱۰۸۱ھ ہے۔ ان کا مزار رکھ چٹھہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ (شریف التواریخ
 جلد سوم حصہ اول موسم بہار تہائف الاطمار قلم مولفہ سیدہ شرافت نوشاہی ص ۲۶۳)

۱۳۲۔ حضرت شاہ درگا ہی قادری لاہوری قدس سرہ

حضرت عبدالرزاق قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہی کے ساتھ لاہور آئے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق بڑے عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق سے سلسلہ قادریہ میں تکمیل کی۔ پھر حضرت شاہ عبداللطیف چشتی صابری کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ چشتیہ کی تکمیل کی اور غوثِ خلافت پایا۔ نقل ہے آپ کی خاتوا کے پاس ایک دہقان کا کنواں تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ میرے بیٹے کو پانی دانہ پھنسیوں کی بیماری ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے کنویں کے پانی سے منلا دے۔ اِنْ شَاءَ اللہ شفا ہو گی بلکہ میں نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ جس کے بچے کو یہ بیماری ہو اس کنویں کے پانی سے منلائے اسے صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ دہقان کے بچے کو شفا ہو گئی اور یہ فیض اب تک جاری ہے۔ ۱۱۲۲ھ میں شاہ عالم بہادر شاہ بن شاہ عالمگیر کے عہد میں فوت ہوئے۔ مزار شیخ سید اسماعیل کے مزار کے متصل ہالی روڈ پر واقع ہے۔

گشت روشن چو رفت از دنیا در جہاں پھر ماہ درگا ہی !
شیخ پیر است از تماشش نیز قلب سردار شاہ درگا ہی !
۱۱۲۲ھ ۱۱۲۲ھ

۱۳۳۔ شیخ تاج محمود قادری قدس سرہ

حضرت شاہ سلیمان قادری کے چھوٹے لڑکے تھے۔ وضع قلندرانہ و طبع رندانہ رکھتے تھے۔ ظاہر میں پریشان حال اور باطن میں صاحبِ جمعیت تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیلِ سلوک کی اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بزرگی کے مصلے پر عبادت میں مصروف رہے۔ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ پورا ہو جاتا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: ایک مرتبہ آپ موضع گنگا نوالی میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں سخت امساکِ باراں تھا۔ ان کا ایک مرید محمد حری نے اس معاملہ کا نام کیلیا نوالہ تھا گنگا نوالی نہیں تھا۔ (تذکرہ نوشاہی)۔ فرہین التواریخ جلد دوم موسم بہار طبعات

جیانا می تھا اس نے حاضر خدمت ہو کر دعائے بارانِ رحمت کی التجا کی۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، آپ حجرے سے باہر نکل کر صوب میں آ بیٹھے اور بارگاہِ الہی میں دعا مانگی۔ اُسی گھڑی بادل آیا اور بارش ہونی شروع ہو گئی۔ جب آپ کے کپڑے بیگنے لگے تو حاضرین نے درخواست کی کہ حجرے میں تفریق لے آئیے۔ جونہی آپ حجرے میں داخل ہوئے مینہ برسنا بند ہو گیا۔ لوگ غلین ہوئے۔ فرمایا: اگر پھر بارش مطلوب ہے تو میں باہر جا کر بیٹھا ہوں۔ چنانچہ آپ باہر آ بیٹھے بارش پھر برسنا شروع ہو گئی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ جب بارش خوب برس چکی تو آپ حجرے میں آ بیٹھے، بارش ختم گئی۔ نقل ہے ملا غازی اپنے مرشد کے بڑے فرزند شیخ رحیم داد سے زیادہ الفت و محبت رکھتے تھے۔

ایک دفعہ شاہ سلیمان کے دونوں فرزندوں یعنی شیخ رحیم داد اور شیخ تاج محمود میں زمین کی تقسیم میں اتفاقاً نزاع واقعہ ہو گئی۔ ملا غازی جو شیخ رحیم داد کے حمایتی تھے انہوں نے تاج محمود کو کچھ سخت سست کہا اور انہیں کلامی مارنے کے لئے اٹھائی۔ حاضرین مانع آئے۔ تاج محمود نے فرمایا: میں نے اللہ سے چاہا ہے کہ میں ہاتھ سے اُس نے مجھے کڑی مارنے کے لیے اٹھائی ہے اس کا وہی ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اور آٹھ ماہ بیمار رہ کر مر جائے۔ پس اتفاقاً ایک روز ملا غازی اپنے کھیت میں چنے کا نلہ کاٹ رہا تھا کہ غیب سے ایک شیر نے اُکڑا لیس کا ہاتھ مرد دیا۔ اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ملا غازی آٹھ ماہ اسی درد و کرب میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے چل بسا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی آپ کے صاحبزادے شیخ آفتاب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ تاج محمود موضع پانڈو کی میں بحالتِ سکرو استغراق کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ننھی دُلسن کی ڈولی اس طرف سے گزری۔ آپ چونکہ حسن پرست اور عشق دوست تھے اس ڈولی کے پاس جا کر دُلہنا سے کہا اس ڈولی کا پردہ اٹھا تاکہ میں اس صالح حقیقی کا جلوہ اس آئینہ قدرت میں دیکھوں۔ دُلہنا یہ سن کر بڑے خستے میں آیا اور بد کلامی سے مخاطب ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ ابھی ننھوڑی ہی راہ طے کی تھی کہ دُلہن خود بخود ڈولی سے دیرانہ وار نکل آئی اور زمین پر تڑپنے لوٹنے لگی اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس کا شوہر بے حد پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہاری دُلہن اپنی اصلی حالت پر آگئی ہے۔

۱۱۲۳ھ میں بعدِ شاہ عالم بن اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار معلوال میں ہے۔

کرد از دنیا چو درجبت سفر	تاج محمد آں ولی مقتدا
سال وصل اوست فیاض کبیر	باز شد پیدا ز شیخ الاسفیا ^۱
نیز سرور گفت سال رحلتش	عاقبت محمود تاج اولیا ^۲
	۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷

۱۳۴۔ شیخ عبد الحمید قادری نوشاہی قدس سرہ

اپنے وقت کے عالم و فاضل اور صوفی کامل تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخشؒ کی خدمت میں رہ کر تکمیل سلوک کی تھی۔ اپنے پیر صاحب کی وفات کے بعد تادم حیات ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

شیخ دیں عبد الحمید محترم	رفت از دنیا در جبت رسید
رحلتش فرما سنی محبتی !!	ہم بگو شیخ ولی عبد الحمید ^۲
۱۱۷۵ھ	۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰

۱۳۵۔ سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانی قدس سرہ

جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ عبادت و ریاضت اور شجاعت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ تادم زبیت موضع حجرہ میں مقیم رہے کہ ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ صاحب سراج الاولیاء فرماتے ہیں: حضرت نور محمدؒ کا بیان ہے کہ بچپن میں قرآن شریف کا آخری پارہ پڑھ رہا تھا کہ معانی قرآن مجید پر مشکف ہونے شروع ہو گئے۔ ایک روز میں انتہائے درود کے باہٹ رو رہا تھا۔ معلم نے مجھ سے لے شیخ تاج محمد کا صبح سال وفات ۱۰۸۳ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول۔ موصوم بہ

تحالف الاطمار علی منہ از شرافت نوشاہی)

۱۱۷۵ھ شیخ عبد الحمید کا صبح سال وفات ۱۰۸۶ھ ہے (تہایف الاطمار ص ۳۷۶)

رونے کا سبب پوچھا۔ والد ماجد میرے حال سے واقف تھے۔ فرمایا: اس سے رونے کا حال مت پوچھئے اور خاموش رہئے۔ ۷۳ برس کی عمر میں ۱۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع حجرہ میں ہے۔

نور محمد آں میر عالم چو از جہاں
شاہِ کریم متقی آمد و سالِ او
بر عشقِ حق رسید بقربِ جلیلِ حق
دیگر بگو کہ نور محمد حنیبلِ حق
۱۱۲۶ھ

۱۳۶۔ شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پاک اعتقاد مریدوں اور حق یاد خلیفوں میں سے تھے۔ بارگاہِ مرشد میں بے تکلفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ جس وقت حضرت حاجی نوشہ صاحب پر حالتِ جذب و استغراق طاری ہوتی تھی۔ آپ ہی حاضر خدمت ہو کر انہیں اپنی بذلہ سنجی سے خوش کیا کرتے تھے۔ خوارق و کرامات آپ سے ظہور میں آتے تھے۔ فقیروں اور عالموں سے بے شمار لوگ آپ کے معتقد تھے۔ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ فارسی، ہندی اور پنجابی میں کبیرت اشعار کہے ہیں۔ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

چوں از دنیا بفر دوس برینِ فت
عجب سالِ وصالش جلوہ گر شد
جنابِ شیخِ حق آگاہِ خوش حال
ز اہل دل ولی اللہ خوش حال
۱۱۲۷ھ

۱۳۷۔ حضرت شیخ حافظ برخوردار قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ کے فرزند عالیجاہ اور خلیفہ آگاہ تھے۔ صاحبِ زہد و ریاضت و ذوق و شوق اور وجد و سماعِ متقی اور مہمان نواز تھے۔ رات دن جذب اور استغراق اور خدا تعالیٰ لے شیخ خوشی محمد کا سالِ وفات صبح ۱۰۸۸ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم) حصہ اول موصوم بہ تہائف الامارہ قلمی ص ۱۵۲ از سید شرافت نوشاہی

لے شیخ حافظ برخوردار الخاں صاحبِ بحرِ العشق اپنے والد بزرگوار حضرت نوشہ گنج کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

کی طرف توجہ میں گزار دیتے تھے۔ خوارق اور کرامات بے شمار آپ سے ظہور میں آتی تھیں۔ ایک دن آپ کو اپنی زمین سیراب کرنے کیلئے چرخِ چوب کی ضرورت پڑ گئی جو آپ نے ایک زمیندار بھیر و نام سے ایک دن کے لئے مستعار مانگی۔ وہ با ذکر کے مال گیا کہ میرا کنواں خراب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا، خراب ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسی روز اس کی عمارت چاہ گر گئی۔

جبنی بارتعیر کی، قائم نہ رہی۔ نیز تذکرہ نوشتا ہی میں ہے کہ ایک روز حافظ صاحب پر حالتِ جنب و استغراق طاری تھی اپنے خسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ گھر کے سامنے ایک زمیندار کی لڑکی چرخِ کات رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گام بھی رہی تھی اس کے سرور نے آپ پر حالتِ وجد طاری کر دی۔ لڑکی کے خاموش ہونے پر فرمایا، اے لڑکی ایک بار پھر اسی طرح نغمہ سرائی کر۔ لڑکی شرم کے مارے چپ رہی اور اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا نچا کہ اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا، اس کی حالت نزاع تک پہنچ گئی۔ علاج معالجہ سے کچھ افادہ نہ ہوا۔ ہر طرف مایوس ہو کر اس کے والدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے دُور و لاؤ۔ جب لڑکی آپ کے سامنے حاضر ہوئی، فرمایا، اے لڑکی! پھر اسی طرح نغمہ گائے ان شاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے وہی نغمہ اُسی انداز میں گایا۔ آپ کی توجہ سے اُسی وقت صحت یاب ہو گئی۔ حافظ برخوردار نے احوالِ صبح کے مطابق ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی

شیخ برخوردار پیر کا مگارا! شد چو از دنیا بخت یافت جا
حافظ عالم بگو تاریخ او! نیز فرما دستدارِ مجتبے ۱۱۳۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸)

انتیل سال تک مسندِ خلافت پر رونق افروز رہ کر مخلوقِ خدا کو حقیقت و معرفت کی منازل پر پہنچایا۔ ان کے منسل حالات و سیرتِ نواہی نے کتاب "ارشاد الانبیاء" اور کتاب "مقامات برخوردار" المعروف خلیفہ اعظم میں لکھے ہیں اور ان کی سہادگی کے دلائل اثبات میں کتاب "سجادہ نشین" تصنیف کی ہے۔

۱۱۳۰ھ حافظ برخوردار کا صبح سال وفات ۱۱۳۰ھ ہے (ازکار نوشتا یہ منہ تصنیف شرافت)

۳۸۔ حضرت سید عبدالوہاب بن سید مراد الدین بن جان محمد حضور می قدس سرہ

اپنے عہد کے مشائخ و صوفیاء میں ممتاز الوقت تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور درس و تدریس میں مقام بلند رکھتے تھے۔ تا دمِ زیست لاہور میں ہدایتِ حسیں میں مصروف رہے۔ ایک غلطی بخیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اغفر فیض کیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات تک یہ فیضان جاری رہا کہ جو آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوتا وہ جلدی ہی اوجِ طریقت میں مرتبہٴ حضور می حاصل کر لیتا۔ بروز جمعہ ۲۱۔ ثوال ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ مقبرہ اپنے جدِ امجد جان محمد حضور می کے متصل ہے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید عبداللہ شاہ سجادہ نشین ہوئے۔

۱۔ پھر آپ کے فرزند سید نور شاہ ادران کے فرزند سید غلام محی الدین یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔ سید غلام محی الدین کے دو فرزند تھے، سید احمد شاہ اور سید حسین شاہ۔ اس وقت سید احمد شاہ کے پوتے سید بہادر شاہ بن سید سردار شاہ درگاہ کے متولی و سجادہ نشین ہیں۔ بڑے معروضیت ہو گئے ہیں۔ بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ خانہٴ فی روایات کے حامل ہیں۔ آپ کے چار فرزند اکبر شاہ، انور شاہ، احمد شجاع اور سردار شاہ ہیں۔ سید حسین شاہ کے دو فرزند تھے، سید دلاور شاہ اور سید عالم شاہ۔ سید دلاور شاہ المتوفی ۱۹۶۲ء متولی و سجادہ نشین درگاہ شریف راقم کے بڑے بہنوئی تھے۔ میری ہمشیرہ بزرگ مرحومہ غور شید بیگم بنت مفتی محمد چراغ الدین ہاشمی مرحوم حضرت مولانا مفتی غلام سرور اسدی ہاشمی کی نواسی آپ کے نکاح بہر تھیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ اور عزیزہ دل افزا زوجہ برکت علی شاہ مرحوم آپ کی اولاد سے ہیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ کے چار فرزند اسلم شاہ، نواز علی شاہ، عارف علی شاہ اور محسن شاہ اور تین روکیاں عزیزہ سرت زوجہ سید ملاح اللہ کامران عزیزہ کلثوم زوجہ ڈاکٹر حسین اور عزیزہ کوثر اولاد سے ہیں۔ عزیزم اسلم شاہ کا فرزند احسان علی شاہ اور نواز علی شاہ کا فرزند امجد علی شاہ ہے۔ ایزد تعالیٰ سلامت رکھے۔ سید عالم شاہ کے فرزند دم سید حسین شاہ بقیدِ حیات ہیں۔ دو فرزند سید اسد علی شاہ اور سید آصف علی شاہ اولاد سے ہیں۔ (مترجم)

۳۹- شیخ محمد تقی قادری نونشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نونشاہ گنج بخش کے باصفا مریدوں اور باونا معتقدوں سے تھے۔ اپنے مرشد صاحب کے عشق میں درجہ فنا فی الشیخ رکھتے تھے۔ آنا ز جوانی ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ مرشد ہی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی تھی اور مقبول درگاہ شیخ ہوئے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالت جذب و سکھاری رہا کرتی تھی۔ نقل ہے: ایک دفعہ بے خودی کا یہ عالم تھا کہ عید قربان کے دن پوچھا: آج کون سادہ ہے کہ لوگ اس قدر گوشت ذبح کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا: آج عید قربان کا دن ہے لوگ راہِ خدا میں قربانی دے رہے ہیں۔ آپ بھی اٹھئے اور قربانی دیجئے۔ کہا: میرے پاس تو اپنی جان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چھری لاکر اپنے حلق پر پھیرنی شروع کر دی۔ ابھی شہرِ رگ نہیں کٹی تھی کہ لوگوں نے اکبراً تہ پکڑ لیا اور اسی حالت میں مرشد کے پاس لے آئے۔ آپ انہیں دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور بڑی تحسین و آفرین کہی اور ان کے حلق میں دعا لے کر خیر کی اور زخم پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا انہیں صحت حاصل ہو گئی مگر غلبہ حال میں کمی نہ ہوئی اور کئی طور پر مجذوب ہو گئے اور بارہ سال تک دوا بہ کے جھل میں پھرتے رہے۔ اسی تجرید کی حالت میں زندگی گزاری۔ اپنے آپ کی کوئی خبر نہ تھی۔ دنیا سے اور دنیا داروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع نوشہرہ ضلع گجرات میں ہے۔

تقی رفت چون زینِ جہانِ فنا	پے سالِ ترحیل بے قال و قیل
شد از قلمِ شیخِ اکبر رقم	عیاں شدہ تقی متقی جلیلؑ
۱۱۳۳ھ	۱۱۳۳ھ

۱۔ شیخ محمد تقی کا صبح سن انتقال ۹۲۰ھ ہے (شریف التواریخ قلمی، جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ
تفاوت الاطهار قلمی ص ۴۶)

۴۰۔ خواجہ ہاشم دریادل قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے فرزند دوم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی علیہ السلام سے کمال کے باعث فقہاً و محدثین میں ممتاز، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور سخاوت و کرامت میں بے نظیر تھے۔
نقل ہے ایک روز ایک شخص مبارک نام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو پیش آیا۔ فرمایا: جو کرے گا عذر بھرے گا۔ اُسی روز اس کی پیٹھ میں ایک پھر ڈال کر آیا جس کی تکلیف سے وہ چند روز میں مر گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے۔ فرمایا: اسے حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار پر لے جاؤ اور اسے لکھو کہ وہاں بیٹھ کر سورۃ ملک پڑھے۔ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے آپ کے فرمودہ کے مطابق وہاں بیٹھ کر سورۃ ملک تلاوت کی۔ سورۃ شریف کے اختتام پر وہ صحت یاب ہو گیا۔
صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: آپ کے تین فرزند فضل اللہ، عصمت اللہ اور محمد سعید ان تینوں میں سے عصمت اللہ ان کے بعد بزرگی کے مسئلہ پر قائم ہوئے۔ ۱۱۳۵ھ میں بہ علیہ محمد شاہ وفات پائی۔

پیر ہاشم شاہ بحر معرفت	شد چو از دنیا بفرودس بریں
نیز حق آگاہ بحر معرفت	سال ترحیلش بگو دریائے فضل
۱۱۳۵ھ	۱۱۳۵ھ

لے صبح نام علمت اللہ ہے (تذکرہ نوشاہی، کنز الدت اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسم بہ طبعات
النوشاہیہ قیمر طبع)

لے حضرت ہاشم دریادل کا صبح سال وفات ۱۰۹۲ھ ہے (اخبار نوٹ میر ص ۳)

۱۴۱۔ سید احمد شیخ الہند قادری گیلانی قدس سرہ

والد کا نام سید عبدالرزاق بن تاج العارفین کھچا تھا۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار سے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد عرب سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آکر پنجاب میں وزیر آباد کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک گاؤں کوٹلہ بھی آباد کیا تھا۔ تمام عمر ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۳۶ھ میں سکھوں کی غارت گری میں شہید ہوئے۔ آپ کے بھائی یسین بھی بزرگی و کرامت میں دور و دراز تک شہرت رکھتے تھے۔ مزار موضع خانپور میں مصافات کوٹلہ میں ہے۔

رفت احمد چور بہشت بریں وصل آں شیخ دیں دحق آگاہ
اعظم الادبیار ولی گفتم
۱۱۳۶ھ

۱۴۲۔ سید بدر الدین گیلانی قادری لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید علی بن حاجی سید ہاشم تھا۔ اپنے زمانے کے فاضل متبحر اور عارف کامل تھے۔ جمادات و ریاضت، زہد و اتقا اور توکل و استغناء میں بے نظیر تھے۔ درس و تدریس اور اعلائے کلمۃ الحق میں شہرہ آفاق تھے۔ بڑے باعرب و پرمیبت تھے۔ آپ کے سامنے کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمد معز الدین بن بہادر شاہ بن عالم گیر خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد اور چند قطعات اراضی نذرانہ پیش کئے مگر آپ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۱۳۶ھ میں لمبہ محمد شاہ بادشاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بدر چرخ زمانہ بدر الدین ! شد چو روشن باوج باغِ جناں
سالِ تاریخِ رحلتش سرور بدر دین پیر دین شریفؒ بخوان
۱۱۳۶ھ

۱۴۳۔ شاہ شرف لاہوری قادری قدس سرہ

اصلی نام سعادت مند تھا۔ قصبہ بلالہ کے رہنے والے تھے۔ آباؤ اجداد قوم لہری پوری سے تھے۔ آپ کے دادا مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو بلالہ میں قانون گو کے عہدہ پر مامور تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ تیس سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے بھائی عبدالرحیم وفات پا گئے۔ آپ از رو ہمدردی و خبرگیری اپنی بھالہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کو ان کا بہ سلوک ایک آنکھ نہ بھایا اور انہیں متہم کیا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر لاہور چلے آئے اور شیخ محمد فاضل قادری شطاری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمت مرشد میں رہ کر سلسلہ قادریہ کی تکمیل کی۔ خرقہ خلافت پایا اور شاہ شرف کے خطاب سے متاثر ہوئے۔

اس دوران میں آپ کی اہلیہ حاضر خدمت ہوئیں اور واپس بلالہ جانے کی تحریک کی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ تمام عمر لاہور میں گزار دی۔ دس و تدریس اور ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ شاہ رضا قادری شطاری آپ کے پیر بھائی تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

رفت از دنیا چو در غلہ بریں شد شرف شیخ یقین تاج الشرف
سال تاریخ وصال آن جناب شد عیان محبوب دین تاج الشرف

۱۱۳۷ھ

۱۴۴۔ شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حافظ برخوردار کے پسرِ پنجم تھے۔ نہایت بزرگ، عالم و فاضل، فقیر کامل، متقی اور عارف کامل تھے۔ زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ تحصیلِ علوم حافظ محمد تقی سے کی تھی۔ ابتدا میں شیخ رحیم داد فرزند شاہ سلیمان کی خدمت میں بھی رہے اور فوائدِ عظیم حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ پیر محمد سچیا رفاضی رضی الدین و سید شاہ محمد خلفائے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر اخذ فیض کیا۔ آخر میں حضرت شیخ عبدالرحمن المعروف بہ پاک رحمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیلِ سلوک کی۔ صاحبِ حال و قال و وجد

سماع تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق بے حد غالب تھا۔ حالت سکون میں جس پر نظر ڈالتے تھے وہ مست و بے ہوش ہو جاتا تھا۔ کشفِ صریح کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے بتا دیتے تھے کہ حضرت شیخ فلاں جگہ پر اور فلاں کام کر رہے ہیں۔ حالت وجد میں کئی دفعہ بالا خانہ سے گھر کر صحن میں آ پڑے مگر کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب آپ کے کشف و کرامات کی مشہوری انصائے عالم میں ہوئی تو حضرت شاہ محمد غوث (لاجوری) عطف حضرت سید حسن پشاور سی آپ کے فضل و کمال کا تسکون کر حاضر خدمت ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا اور مردِ کامل ہوئے۔ شیخ محمد عظیم آپ کے فرزند اور شیخ ابو سعید جو آپ کے برادر زادہ اور داماد بھی تھے، اس قدر کامل و مکمل ہوئے کہ ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے دوسرے بھتیجے شیخ سلطان محمد نے بھی آپ کی توجہ سے سلوک و معرفت میں درجہ کمال حاصل کیا تھا۔ آپ پر حالت جذب و سکون اس درجہ طاری رہا کرتی تھی کہ کئی کئی روز بغیر کھائے پئے گزر جاتے تھے حتیٰ کہ بارہ سال تک کچھ نہ کھایا۔ آپ کے ہم شیر زادہ شیخ عبد الجلیل نے بھی آپ ہی کی نظر فیض اثر سے عرفان میں مرتبہ بلند پایا تھا اور ایسی حالت جذب حاصل ہوئی تھی کہ ساہا سال تک طعام کا تقرر گلے سے نیچے نہ اُترا، ان پر بھی حالت استغراق اکثر و بیشتر طاری رہتی تھی۔ آخری عمر میں کشمیر چلے گئے تھے وہیں وفات پائی۔ شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی کہتے ہیں کہ ایک روز میں حاضر خدمت تھا، میرے دل میں خیال گزرا کہ شیخ نجم الدین کمراہی قدس سرہ جب کسی کچے گھڑے پر نظر ڈالتے تھے تو وہ پک جاتا تھا اور اگر پکتے پر نظر ڈالتے تو وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے۔ آپ اُسی وقت نورِ باطن سے میرے خیال آگاہ ہو گئے۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جن کی نظر میں یہ تاثیر ہے اُسی وقت گردن اٹھا کر سامنے ٹیٹھے کی طرف دیکھا جو طاق پر پڑا تھا، اسی وقت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کی وفات بارہویں رجب مطابق انیسویں چیت سوموار کے دن شام کے وقت نازکی حالت میں ظہور میں آئی کہ دو رکعت نماز قیام کی حالت میں پڑھی، تیسری رکعت کے سجدہ میں وفات پائی، آپ کا سال وفات ۱۱۲۷ھ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے، اول شیخ شیر محمد جو آپ کے بعد مسندِ سجادگی پر قائم ہوئے۔ دوسرے شیخ گل محمد جو اسم با مستی تھے۔

تیسرے شیخ محمد عظیم جو عظیم المرتب تھے۔

حضرت شیخ عصمت اللہ کو شیخ عبدالرحمن کی طرف سے "امیر حمزہ پهلوان نوشاہ ثانی" کا

خطاب ملا تھا۔

ز عالم شد در خلد معلق
جناب شیخ صادق عصمت اللہ
ز دل حتم چو سال ارتحالش
خرد فرمود عاشق عصمت اللہ

۱۱۳۴

۱۲۵۔ شیخ احمد بیگ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلفا سے تھے۔ بارگاہ مرشد سے نور محمد نوری کے خطاب سے متاثر تھے۔ پہلے علم ظاہری میں حضرت نوشاہ عالیجاہ کے شاگرد تھے بعد ازاں مرید ہو کر کمال کو پہنچے۔ بڑے بزرگ، صاحب علم و عمل اور زاہد و مابہ تھے۔ نقل ہے ایک روز موضع نوشہہ کا ایک معلم بلاول نام حضرت نوشہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ دیا اور عرض کیا کہ حضرت توجہ فرمائیے اور دعا کیجئے کہ میری حالت شیخ احمد بیگ کی سی ہو جائے۔ آپ نے مقبسم ہو کر فرمایا، ہر ایک کو مرتبہ اس کے حوصلہ اور ظرف کے مطابق دیا جاتا ہے تو اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ معلم اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ حتیٰ کہ تڑپتے تڑپتے مکان کی ایک منزل سے نیچے صحن میں آگرا اور کئی روز کے بعد ہوش میں آیا۔ اس پر ایسی حالت وارد ہوئی کہ اپنے گھر میں بیٹھا بنو نایک لغت انتہائے اضطراب و بے چینی میں اٹھ کھڑا ہوتا۔ اہل خانہ اس بے قراری کا سبب پوچھتے تو کہتا کہ حضرت نوشاہ اپنے گھر میں اپنی جگہ سے اٹھیں اور میں ان کی تعلیم کے لئے اٹھاؤں۔ غرض وہ اپنی اس حالت میں بڑے بے قرار و بے چین رہنے لگا۔ کسی وقت بھی اسے سکون حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر عاجز و درماندہ ہو کر حضرت نوشہ کی خدمت میں لے احمد بیگ نام غلطی سے لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ ذکر شیخ نور محمد سیالکوٹی کا ہے۔

مٹے مفتی غلام سرور صاحب کی بیان غلطی لگ گئی ہے۔ انہوں نے احمد بیگ کو نور محمد نوری لکھ دیا ہے، حالانکہ احمد بیگ لاہوری، شیخ نور محمد کامریہ تھا۔

حاضر ہوا۔ عرض کیا: حضور دُعا فرمائیے کہ مجھے اپنی اصل حالت نصیب ہو جائے۔ آپ نے پانی منگوایا۔ کچھ اُس میں سے آپ پیا، کچھ اُسے پلایا۔ وہ پانی پیتے ہی اپنی اصل حالت پر آگیا۔
حضرت شیخ احمد بیگ کے بڑے بڑے کامل و اکمل مرید و خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے شہر و آفاق ہوئے ہیں۔ مثلاً سید انور رہتاسی،
بولادری رہتاسی، محمد صدیق رہتاسی بڑے مابہ و زاہد، صائم الدہر اور قائم الہیل ہوئے ہیں۔
آٹھویں روز اظہار کرتے تھے۔ بدھو درزی کو فرمایا تھا کہ تمہارے سماع کے وقت ہوائی جانور
بھی مست ہو جایا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا رہا۔ اسی طرح حافظ محمد مخدوم رہتاسی ساکن
چک حافظان بڑے صاحب ذوق و شوق و وجد و سماع بزرگ تھے اور اکثر و بیشتر حالت جذب و
استغراق میں رہا کرتے تھے۔ بوقت سماع ایسے یخ و مد ہوش ہو جاتے تھے کہ ایک ایک ہفتہ
ہوش میں نہ آتے تھے۔ میاں حاجی خلیفہ بھی ان کے ایک نامور سیف اللسان مستجاب الدعوات
مرید ہوئے ہیں۔ جو کہتے تھے ویسا ہی ظہور میں آتا تھا۔ مولانا محمد حیات صاحب تذکرہ نوشا ہی
آپ ہی کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اور عرصہ خلافت پایا تھا۔ ۱۱۴۰ھ میں بعد محمد شاہ وفات
پائی۔ مزار سیا کوٹ میں ہے۔ لد

لہ یہ واقعہ مفتی غلام سرور صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ تذکرہ نوشا ہی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بلاول سیا کوٹ کا معلم تھا اور شیخ نور محمد سیا کوٹی کا مرید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اُس کے پیر بجائی احمد بیگ کی حالت بہت بہتر ہے تو اپنے مرشد شیخ نور محمد سے عرض کیا کہ مجھ پر بھی ایسی توجہ کریں کہ احمد بیگ جیسا میرا حال ہو جائے۔ الم مفتی صاحب کو مضمون سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ احمد بیگ اور نور محمد کو ایک شخصیت قرار دے دیا۔

لہ یہ سب خلفاء جو شیخ احمد بیگ کے کلمے ہیں، یہ حضرت سید شاہ عصمت اللہ کے ہیں۔ سید حافظ محمد حیات نوشا ہی نے تذکرہ نوشا ہی میں ایک پوری فصل خلفائے شاہ عصمت اللہ کے متعلق لکھی ہے۔ مفتی صاحب کو یہ فاش غلطی لگ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو تذکرہ نوشا ہی کا کوئی پراگندہ اوراق مخطوط ملا ہوگا۔ خلفائے شاہ عصمت اللہ والا کوئی درق شیخ نور محمد صاحب کے ذکر میں پڑا ہوگا، جس سے وہ حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے۔ مفتی صاحب نے تین افراد کو ایک بنا دیا ہے۔ شیخ نور محمد متوفی ۱۱۰۱ھ، مرزا احمد بیگ متوفی ۱۱۰۸ھ، شاہ عصمت اللہ متوفی ۱۱۱۴ھ۔ یعنی ان کے حالات کو مخلوط کر دیا ہے۔

چونور محمد ولی خدا ز دنیا ئے دوں شد بخلدِ بریں
 بچوں سال "رجل او میر فیق" دگر "نور پُور نور لیتیں" ! لے

۱۴۶۔ شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری قدس سرہ

والد کا نام پر محمد تھا۔ قوم کے باغبان تھے۔ لاہور سے نقل مکانی کر کے قصور جا رہے تھے شاہ عنایت بھی قصور ہی میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر مکمل علوم کے لئے قصور سے نکلے۔ لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ استاد کی زبردست شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہی کے ماتھے پر سلسلہ قادریہ کی بیعت کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر ہو کر تکمیلِ سلوک کی اور غورِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر مرشد کے حکم کے مطابق قصور آکر ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ حلقہ درس بڑا وسیع تھا۔ قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ مرجعِ خلافت ہونے کے باعث حسین خاں افغان حاکمِ قصور کو آپ کی شہرت و مقبولیت ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ آپ کو قصور سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ قصور کو خیر باد کہہ کر پھر لاہور آ گئے اور از سر نو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے علوم ظاہری و باطنی سے عوام و خواص کو فیض بخشا۔ آپ کے حلقہ درس و فکر سے اچھے اچھے بالکمال تکمیل پا کر نکلے۔ چنانچہ حضرت میر بلّی شاہ قصوری پنجابی کے مشہور شاعر آپ کے ہی شاگرد و مرید تھے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ غایتِ الحواشی، شرح کنز الدقائق آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۱۴۱ھ میں بہ عہدِ محمد شاہ و فات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

لے شیخ نور محمد کا صیغ سال وفات ۱۱۰۱ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۵۳۲ از سید شرافت نوشاہی)

چوں از فضل عنایات الہی! عنایت رفت از دنیا بہ جنت
 ز "مشتاق کرم" چو دھاکش دگر "تاج یقین اہل عنایت"
 ۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۷۔ سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید اسماعیل بن سید اسحاق تھا۔ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔
 عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متوکل و مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ عمر بھر درس و تدریس اور
 ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ کسی امیر و سلطان کے دروازے پر نہیں گئے۔ دنیا و اہل دنیا
 کچھ سروکار نہ تھا۔ نواب زکریا خاں ناظم لاہور اور اس کے امراء آپ کے عقیدت مندوں میں داخل
 تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ مزار سید اسماعیل محدث لاہوری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! سید عبد اللہ پیرِ رحمن
 سالِ رحیلش بخوان "ماشوقی" نیز فرما "اہلِ نعمت مقتدا"
 ۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۸۔ شیخ جمال اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حافظ برخوردار کے فرزند ششم تھے۔ عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و
 تقویٰ، عبادت و ریاضت اور ترکِ علالت میں بے نظیر تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق و وجد و سماع
 بھی تھے۔ حالتِ وجد میں جس پر نظر ڈالتے تھے اُسے بھی بے خود و مدہوش بنا دیتے تھے، وہ
 مست بادۂ الست ہو جاتا۔ بہالتِ خواب آپ کے دل بیدار سے ذکرِ جُہو کی آواز مسلسل آتی
 رہتی تھی جس کو تمام حاضرینِ گوشِ ہوش سنتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد حیات صاحبِ تذکرہ
 نوشاہی رقم طراز ہیں۔ ایک روز آپ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار کی زیارت کو گئے۔ دیکھا کہ
 وہاب نامی ایک زمیندار موضع اگر دیہ کا مزار کی طہرہ زمین پر اپنے مویشی چاربا ہے۔ آپ نے اسے
 ایسا کرنے سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے صبر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ اُسی

رات بکلم الہی اس کے تمام مویشی مر گئے۔ اس پر بھی وہ شرارتی نابکار نہ تائب ہوا نہ اپنے مذموم فعل سے باز آیا۔ دوسری رات چور اس کے مکان میں آئے اور تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔ یہاں تک کہ وہ دعویٰ کے ٹکڑے کو بھی مناج ہو گیا۔ شیخ جمال اللہ کی وفات بقول تذکرہ نوشاہی ۱۲۔ ربیع الثانی بروز شنبہ ۱۱۴۲ھ میں بہ ہمد محمد شاہ شام کے وقت ہوئی۔ مزار موضع ساہنپال میں ہے۔

گشت چوں روشن باغِ جنی ! آن جمالِ با کمالِ معرفت
سالی تزلزلِ بمرور شد عیساں قبلہ عالمِ جمالِ معرفت

۱۴۹۔ مولانا حافظ معموری قادری نوشاہی قدس سرہ

شاخِ نوشاہیہ قادریہ میں اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزے ہیں۔ آپ نہایت بزرگ اور مابد و زاہد صاحبِ شوق تھے۔ ذوق و وجد و سماع سے بھی معمور تھے۔ حضرت نوشہ گنج بخش صاحب کے مرید و خلیفہ اور داماد تھے۔ حضرت نوشہ صاحب کی دختر حضرت سائرہ ان کے نکاح میں تھیں۔

آپ کے چار فرزند تھے :

ایک شیخ تاج الدین جو اہل معرفت کے سر کے تاج تھے اور باطنی فیض شیخ در محمد سے پایا۔ خواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیارت سے شرف ہوئے۔

دوم شیخ ہدایت اللہ صوفی۔

سوم شیخ نظام الدین۔

چہارم شیخ امام الدین جو قلندر مشرب اور آزاد منش تھے۔ ہمیشہ غنوی مولانا روم کا مطالعہ رکھتے۔ شیخ معموری کی وفات ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔

لے شیخ امام الدین کا نام غلط درج ہوا ہے، ان کا صحیح نام تذکرہ نوشاہی میں عبدالرحمن دہق ہے (شریف التوایح جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطهار قلمی ص ۵۵ از سید شرافت نوشاہی)

درجناں شد از جہاں با صد صفا
شیخ معموری جو آں شیخ زباں
ظاہر از مظهر شدہ تاریخ او
مجتبیٰ مخدوم ہم آمد عیاں لے
۱۱۳۵ھ ۱۱۳۵ھ

۵۰۔ حضرت شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوری قدس سرہ

سید حسن پشاورى رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انھنی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے فاضل و مارت تھے۔ ہندوستان کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس دوران میں دیگر مشائخ کبار کی ملاقات و محبت سے بھی اغذہ فیض کیا تھا، خاص کر حافظ عبد الغفور نقشبندی پشاورى، سید محمد سعید الخطاب بہ میراں شاہ بھیکہ چشتی صابری، شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہی سے کثیر و عظیم فوائد حاصل کئے۔

لے حافظ معموری کا صحیح سال وفات ۱۱۰۶ ھ ہے۔ (شریف التواریخ - جلد سوم، حصہ اول - موسوم بہ تحابین الاما علی)

لے حافظ قرآن و صاحب علم و عمل تھے۔ زہد و ورع و عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ تمام رات مجلس دم سے مراقبہ و مجاہدہ کرتے تھے۔ بڑے مستغنی المزاج تھے۔ داد و دہش اور جود و سخا میں لاثانی تھے۔ مساکین اور مسافروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ مبلغ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ ظاہری مال و دولت نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی امیر و سلطان کے ان میں گئے نہ کسی کا نذرانہ قبول کیا۔ تمام کام دستِ فیض سے چلتے تھے۔ ۱۱۱۶ ھ میں وفات پائی۔ مزار پشاور میں ہے۔

لے سید محمد سعید نام، والد کا نام سید محمد یوسف تھا۔ میراں شاہ بھیکہ خطاب - حضرت شاہ ابو بلعالم چشتی صابری کے موررید و خلیفہ تھے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باعث مشائخ متاخرین میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کے ملحقہ ارادت سے بڑے بڑے ہاکمال تربیت پا کر نکلے ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ فارسی اشعار اور ہندی دہے کجرت کئے ہیں۔ رنگ کلام مار فانا ہے۔ ۱۱۳۱ ھ میں وفات پائی۔ آپ کا منسل ذکر بزرگان سلسلہ چشتیہ میں ملے گا۔ انشا اللہ

لے آپ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

رسالہ خوشیہ کے مصنف ہیں۔ اس میں رقم طراز ہیں، جب میں تلاش حق کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو حضرت میاں میڑ کے مزار پر کئی انیس گز ایس۔ ایک دن آپ ظاہر ہوئے اور میری طرف توجہ فرمائی اور ایک شعل میں مشغول رہنے کا حکم کیا اور ارشاد فرمایا، یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔ میں صبح اٹھ کر شیخ صاحب مدقادرسی کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب فیض ہوا۔ فرمایا، رات جو ہمیں حضرت میاں میر نے شعل عطا فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ اسی رسالے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں، آپ ایک صاحب دل پورے قادری و رویش مرد ہیں جو پیر علی گنج بخش بجزیری قدس سرہ کے مزار کے متصل رہتے ہیں۔

آپ کے ایک ہم نام بزرگ جو آپ کے مرید بھی تھے، پشاور میں رہتے تھے۔ جب نادر شاہ ایرانی نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور پشاور پہنچا تو ان سے استمداد کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا، حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی طرف رجوع کرو۔ اُس نے آپ کو پشاور بلا بھیجا۔ آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ ہمارے پیروں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور ان کی مدد کریں۔ اللہ ہی مددگار کافی ہے۔ نادر شاہ یہ جواب پا کر بڑا برہم ہوا اور کہا: اچھا لاہور پہنچ لوں اس گستاخی کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔ جب پشاور سے کوچ کیا تو راستے میں ایک ندی کی غلبانی نے ایسا راستہ روکا کہ اس کا عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ کئی روز انتظار بھی کیا مگر غلبانی کسی طرح کم نہ ہوئی بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر پریشان ہو کر شاہ محمد غوث پشاور سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے جواب بھیجا: یہ غلبانی تمہارے اس ارادہ بد کا نتیجہ ہے جو تم نے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی نسبت کیا ہے۔ یہ سن کر تائب ہوا اور لاہور پہنچ کر عقیدت و خلوص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہی۔

حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رغبت شک کے پوتے تو نہال سنگھ نے جہلاہور میں برسر حکومت اٹھا اپنے ایک انگریز مشیر کی تجویز سے لاہور شہر کے ارد گرد دو درود تک درخت اور عمارات گر کر میدان بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس نے آپ حضرت شیخ محمد میر المودب بہ میاں میر کے مبعصر اور فیض یافتہ تھے اور آپ سے ایک سال قبل ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی تھے۔ ان کا مزار حضرت میاں میر قدس سرہ کے مزار سے متصل ہے۔ یہ حادثہ دہری جن سے آپ نے زندگی میں ملاقات کی ہے کوئی اور اس نام کے بزرگ ہوں گے۔

تجویز کے تحت بہت سے درخت اور عمارتیں مہدم کی گئیں۔ جب حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی عمارتوں اور درختوں کے گرانے کی باری آئی اور کچھ بیرونی درخت اور عمارتیں گرانی جا چکیں اور اندرونی چار دیواری کی نوبت آئی تو نہال سنگھ کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا اور بیٹا باپ کی لاش کو ہلا کر واپس آیا اور قلعہ میں داخل ہوا تو قلعہ لاہور کی دیوار سے ایک پتھر گر کر اس کے سر پر آ پڑا جس کے مدد سے وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ ۸۴۰ھ میں رونما ہوا اور اس کی وہ تمام تجاویز دھرمی کی دھری رہ گئیں۔ آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پشاور سے لاہور آکر اقامت گزریں ہوئے تھے۔ آپ کے والد ماجد سید حسن پشاور سیالکوٹی ۱۱۱۵ھ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ نے بقول مولف تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بیرون اکبری دروازہ زیارت گاؤ خلق ہے۔

چوں محمد غوث رفت از دار فنا سال وصل آں ولی متقی !
عارف محمد دم سالک کن رقم ہم بغیرا ز ہر سید سخی !

۱۵۱۔ شیخ پیر محمد المعروف بہ سچیا قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ خورد سالی ہی میں خدمت مرشد میں حاضر ہو کر تربیت اور تکمیل پائی تھی۔ بڑے صاحب ذوق و شوق تھے۔ وجد و سماع میں غفلت رکھتے تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی نظر فیض اثر سے صاحب وجد و محال ہو جاتا تھا۔ اپنی راست گفتاری اور تقویٰ کے باعث بارگاہ مرشد سے سچ یا یعنی راست گفتار کے خطاب سے معزز تھے۔ وفات مرشد کے بعد موضع نوشہرہ منٹلاں میں جا رہے تھے جو دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہے اور گجرات سے چھ کوس مشرق کی طرف ہے۔ شیخ پیر محمد نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔

لے حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مستند حالات کے لئے تذکرہ علماء و مشائخ سرحمد، تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ اور تذکرہ سید عبداللہ شاہ مٹھوی از تصانیف حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاور دیہیہ کی ضروری ہیں۔ پیام شاہ جاما نجدی نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب "تذکرہ شاہ محمد غوث" تصنیف کی ہے۔

فیخ میں پیر محمد مقتدا، تندہ از دنیا بخت را بگید
سالِ ترحیلش چو جہم از خود شد عیاں معصوم پیر دستگیر

۱۱۵۲ھ

۱۵۲۔ مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہی قدس سرہ

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کھم یاروں اور محرم راز دوستوں اور مشور غلیفوں سے تھے قاضی صاحب پہلے قصبہ وزیر آباد میں عمدہ قضا پر مامور تھے۔ پھر نرک سلاٹ کر کے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں تکمیل پاکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شہرہ آفاق تھے۔ صاحب ذوق و شوق اور عشق و محبت اور وجد و تواجد ہو گئے۔ مرشد کی وفات کے بعد تادمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔

رفت از دہر چوں بہ غلہ بریں ! رکن دیں صاحب یقین قاضی
سالِ تاریخِ ارحامِ او !! بہت "مصباح اہل یں قاضی" سے

۱۱۵۲ھ

۱۵۳۔ شیخ عبدالرحمان المعروف پاک رحمان قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے کبار غلیفوں سے تھے۔ آپ کی ذات پر مرشد کی توجہ و التفات بے حد و نہایت تھی جیسی کسی دوسرے خلیفہ کے حال پر نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ نے حضرت پر محمد سچا کی صیح تاریخِ وفات ۲۵۔ ربیع الاول ۱۱۲۰ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول، موسم بہر تالیف الاطہار قلمی ص ۱۱، مولفہ سید شرافت نوشاہی)

لے رکن الدین نام غلط ہے۔ صیح نام قاضی رضی الدین ہے۔ (مذکرہ نوشاہی۔ کنز الرحمت) (فاروقی)
لے قاضی رضی الدین کا صیح سال وفات ۱۱۱۳ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول تالیف الاطہار

آپ عرفان و حقیقت شناسی کے مقام اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ مرشد کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں کو تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت نوشاہ گنج بخش کی وفات کے بعد بھی جاری رہا کہ حضرت نوشاہ مالی جاہ کے بہت سارے خلیفے شیخ عبدالرحمن کی خدمت سے تکمیل کو پہنچے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ برخوار کے فرزندوں اور حضرت نوشاہ کے پوتوں نے بھی آپ ہی کی زیر نگرانی تربیت و تکمیل پائی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ناکام نہیں رہتا تھا۔ کمالِ علم و فضل کے ساتھ آپ پر غلبہِ صمدیت بھی بے انتہا تھا۔ کئی کئی روز بغیر کچھ کھائے پئے گزر جاتے تھے۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حاضر خدمت ہو کر طعام نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا، مجھے طعام کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کسی وقت کوئی نقدہ منہ میں ڈال بھی لیتا ہوں تو وہ حلق سے نیچے نہیں اترتا۔

نقل ہے ایک روز حضرت نوشاہ گنج بخش موضع بھڑی ضلع گوجرانوالہ کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں رات رہے۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت نوشاہ کی نظرِ کیمیا اُتر ایسی پڑی کہ بخود ہی اور جذب و مستی اسی عمر میں پیدا ہو گئی۔ اپنے گاؤں میں رحمان دیوانہ مشہور ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر ان کے والدین انہیں حضرت نوشاہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے نہایت مسرت کے ساتھ انہیں اپنی نگرانی و سرپرستی اور غلامی میں لے کر ان کے والدین کو رخصت کر دیا اور انہیں اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی ظاہری و باطنی تربیت بہ حدِ کمال کی۔ روزانہ کام کے طور پر ان کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعین کو کھانا پہنچایا کریں۔ چنانچہ آپ ہر روز مزارعوں کو کھانا سر پر اٹھا کر کھیتوں میں لے جاتے اور اپنے حصے کا جو کھانا مطبخ سے لیتے وہ فقراء اور اہل حاجت کو کھلا دیتے۔ چالیس روز اسی طرح گئے اور ایک قدم بھی نہ کھایا۔ حضرت نوشاہ کو بے نورِ باطن یہ حال معلوم ہو گیا۔ آپ پر بڑے خوش ہوئے اور آپ کی ذات پر بے حد توجہ و عنایت فرمائی۔ اپنے سامنے بلا کر کھانا کھلایا اور تمام کلفت سے مستغنی کر دیا۔ عبادت و ریاضت میں باکمال تھے۔ مجاہدہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ تمام رات بہ حبس دم ذکرِ خفی کرتے اور بعض اوقات معکوس ٹک کر رات بھر ذکر میں مشغول رہتے۔ غلوت اختیار کرتے تو قبر کھدوا کر اس میں مٹیجھ جاتے اور اوپر سے بند کر دیتے۔ چالیس چالیس روز ایسی حالت میں مراقبہ

اور ذکر و فکر میں محو رہتے۔ اس ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ذوقِ سماع و وجد بھی بے اندازہ تھا۔ حالتِ سماع و وجد میں بے خودی و مدہوشی کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو گمانِ مرگ ہونے لگتا تھا۔ اور کبھی اپنے آپ کو بیلوں کے پیچھے باندھ کر زمین پر گھسیٹتے جاتے۔ گرمیوں کے موسم میں سورج کی دُھوپ میں بیٹھتے اور سردیوں میں برہنہ تن رات کو جنگل میں جا کر بیٹھتے اور کبھی سردیوں کے موسم میں دریا میں کھڑے ہو کر ذکرِ حق میں مشغول ہوتے۔ آپ کی گرمی ذکر سے دریا کا پانی گرم ہو جاتا، جس شخص پر نگاہِ شفقت ڈالتے وہ صاحبِ کشف و کرامت ہو جاتا۔

صاحبِ کشفِ صمیم اور مستجاب الدعوات تھے۔ نقل ہے ایک روز آپ اپنے ایک خادم شیخِ سعدی پر بنے حدِ معربان ہو کر فرمانے لگے: شیخِ سعدی ہم نے اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے یہ چاہا ہے کہ جس مریض پر تیری نظر پڑے وہ صحت یاب ہو جائے۔ جس مردہ کی طرف تو متوجہ ہو وہ زندہ ہو جائے اور جس فاسق و فاجر پر تیری نظر پڑے وہ ولیِ کامل ہو جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی یہ دُعا قبول ہو گئی کہ ایک روز ایک عورت اپنے خور و مال بچے کو جو مریض تھا اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلی کہ شیخِ سعدی سے اس کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرائے۔ اتفاقاً وہ بچہ راستے ہی میں وفات پا گیا۔ وہ عورت بچے کو اسی حالت میں روٹی چٹتی لے کر شیخِ سعدی کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے تسلی و تشفی دی اور بچے کی طرف متوجہ ہوئے خداوند تعالیٰ نے اُسے زندگی بخش دی۔ وہ عورت بھی خوش ہوئی اور چاندی کا ایک زیور شیخِ سعدی کی نذر گزارا۔ شیخِ سعدی وہ زیور مرشد کے گھر لے گئے اور ان کی صاحبزادی کو پہنا دیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو شیخِ سعدی کو بلا کر بڑا اظہارِ ناراضی فرمایا اور کہا: سعدی تو نے اس عورت کے بچے کو زندہ کر کے اُجرت لے لی تو اس بزرگی کے لائق ہی نہیں ہے۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد شیخِ سعدی سے یہ تصرف جاننا رہا۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا اور آپ تادمِ زیست ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ حضرت عبدالرحمن نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضعِ بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

لے سعدی نام نہیں بلکہ صمیم نام شادی ہے جو کیلا نوالہ کے باشندہ تھے (تذکرہ نوشاہی)

آپ کے بھائی شیخ الداد آپ کے ہی مرید و خلیفہ تھے۔ ذوق و شوق کمال رکھتے تھے۔ آپ کے جوار میں ہی مدفون ہیں، معنی نہ رہے کہ خاندان عالیہ نوشاہیہ میں سب لوگ صاحب حال اور ذوق و سماع ہیں۔ جماعت عالیہ پاک رحمانی میں حد سے زیادہ مستی ہے۔ جس شخص کو وجد کی حالت ہوتی ہے، اس کے پاؤں میں رستہ ڈال کر اُٹا لٹکا دیتے ہیں اور اگر اس عمل میں ہوش میں نہ آئے تو پاؤں میں رستہ ڈال کر زمین پر کھینچتے ہیں اور پیر محمد مچیار کی جماعت بھی اگرچہ صاحب حالت اور سماع ہیں مگر اس قدر مستی نہیں رکھتے۔

چوں جناب عبد رحمان شیخ پاک شہ بہ جنت از جہاں بے قال و قیل
ہست مالی مرتبت" تاریخ اد ہم مکرم عاشق رحمان حبیل!"

۱۱۵۳ھ ۱۱۵۳ھ

۱۵۴۔ سید عبدالقادر المشہور بہ شاہ گدگیلانی قدس سرہ

والد کا نام سید عمر بن حاجی محمد ماتم تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ سید عبداللہ گدگلی، سید عبدالرحمن سید محمد بن سید علاء الدین حسینی ایسے باکمال بزرگوں سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ علوم تفسیر و حدیث و فقہ کی سند اپنے خال مولانا سید اسماعیل گیلانی سے حاصل کی تھی۔ طب مولانا شاہ عبدالرسول نجفانی

سے شیخ الداد اپنے بھائی شیخ عبدالرحمن کے مرید نہ تھے بلکہ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مرید و خلیفہ تھے۔ (رسالہ احمد بیگ۔ تذکرہ نوشاہی)

ملک شیخ عبدالرحمن کا صیغ سال وفات ۱۱۱۵ھ ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ عبدالرحمن پاک مصنفہ سید شرافت نوشاہی اور شریف التوابع کی دوسری جلد موسوم بہ طبقات النوشاہیہ طبقہ پنجم۔)

ملک اپنے عہد کے عالم باعمل اور شیخ کامل تھے۔ شیخ عبداللہ موقت مراج السالکین کے مرید اور شاگرد تھے۔ سلسلہ بیعت حضرت شاہ محمد غوث گویا راجی تک پہنچی ہوتا ہے۔ دھل محلہ لاہور میں رہتے تھے۔ مزار محلہ کاندکوبان میں ہے۔

لاہوری سے پڑھی تھی۔ اپنے عہد کے باکمال عالم و عارف تھے۔ بڑے شہ زور تھے۔ شکار کا بھی شوق تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں شیر سے مقابلہ آ پڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایسا جھنجھوڑا کہ اس کے ہاتھوں کے جوڑاں گنگ ہو گئے۔ آپ نے جہاں اپنے علمی و روحانی فضل و کمال سے دنیا والوں کو فیض بخشا وہاں طبابت سے بھی خلق خدا کی بڑی خدمت کی۔ صاحب قلم تھے۔ کتاب کشف الاسرار خرد، کتاب کشف الاسرار بزرگ اور رسالہ اسرار الگتھانی علم خفائی و معارف میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بقول صاحب شجرۃ الاولاد ۱۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ چار فرزند، سید یوسف، سید محمد غوث، سید اصغر علی صاحب شجرۃ الانوار، سید ابوصالح اولاد امجاد سے قطع تاریخ ولادت و وفات :

شاہ عالم شیخ عبدالقادر است	میر اکبر پیشوا اور بسنا !
شد عیاں تولید صابر حق پرست	نیز فرما مرشد دیں مقبلی !
ارتجاش بگو مالی مرثیت !	نیز مہدی متقی مقتدا !
۱۱۵۴ھ	۱۱۵۴ھ

۱۵۵۔ شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید محمد علی بن سید علی بن سید فتح علی تھا۔ سادات حسینی بھاکری سے تھے۔ دریائے پنجاب کے کنارے پر رسول نگر میں سکونت رکھتے تھے۔ حضرت پیر محمد سمیاز قادری نوشاہی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ طبع مالی پر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ ذوق وجد و سماع بھی تھا۔ تکمیل سلوک کے بعد مرشد نے خرقہ خلافت سے نوازا اور لاہور میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ لاہور آکر قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے نام پر کولہ شاہ فرید آباد کیا۔

لہ دیا نے پنجاب کے کنارے پر رسول نگر ۱۱۶۹ھ میں آباد ہوا اور شاہ فرید کے آباؤ اجداد کی اس سے توسل پر، کس طرح رسول نگر میں سکونت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ (تاریخ عباسی قلمی مستند ثرائف نوشاہی)

تمام عمر دس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ بقول صاحب تذکرہ نوشاہی ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

چوں فرید زمانہ سیدِ دیں ! فرد و کیا باغِ غلہ رسید
حلتش موالیٰ خلافتِ داں ہم بخواں و آفتابِ فقر فرید !
۱۱۵۸ھ ۱۱۵۸ھ

۱۵۶۔ شیخ فتح محمد قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے مرید تھے۔ آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ حضرت نوشاہ نے انہیں خواب میں آکر اپنا تعارف کرایا اور ارشاد کیا کہ تمہارا حقہ ہمارے پاس ہے سا بن پال آکر لے لو۔ اس نے کچھ تغافلِ شکاری سے کام لیا۔ جب دوسری تیسری مرتبہ آپ نے پھر خواب میں آکر انہیں تنبیہ کیا تو یہ فوراً روانہ ہو گئے۔ جب بمقام ساہنپال پہنچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آ رہا ہے اور ایک جم غفیر اس کے ساتھ ہے۔ یہ بھی از روِ ثواب جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ نمازِ جنازہ کے بعد جب لوگوں نے آخری زیارت کے لئے متوفی کا منہ کھولا تو یہ بھی وہاں پہنچے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے خواب میں آکر حقہ باطنی کے لئے لینے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ آپ کا نام پوچھا۔ لوگوں نے حاجی محمد نوشاہ گنج بخش بتایا۔ سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک طویل عرصے کے بعد ہوش میں آئے۔ جب ہوش میں آئے تو متنازع وار دشتِ فردوسی کرنے لگے۔ حضرت نوشاہ کی روحانی توجہ سے عرش سے فرش تک ان پر اسرار و رموز منکشف ہو گئے اور کمالِ ان وقت سے ہو گئے۔ ان کا کام یہاں تک ترقی کر گیا کہ باشندگانِ علاقہ پوچھ رہے تھے کہ آپ کی عقیدت مندوں سے ہو گئے۔ آپ وحوش و طیور سے

لے مفتی غلام سرور صاحب کی فاششِ علمی ہے۔ کتاب تذکرہ نوشاہی ۱۱۶۶ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ فرید کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مفتی صاحب اس کے حوالہ سے وفاتِ شاہ فرید ۱۱۵۸ھ لکھتے ہیں، اس کی تصنیف سے بارہ سال بعد کا واقعہ ہے۔

بائیں کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار ملک پوٹھوہار میں ہے۔ سن
 شیخ دین فتح محمد نورِ حق! شد چو از دنیا بفرودس بریں
 سن و سال اترحالِ آنجناب مست "مفتاحِ ولایت حسن دین" ۱۱۵۸ھ

۱۵۷۔ شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ محمد بن خوردار کے فرزند ارجمند تھے اور حضرت شاد حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پوتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرحمن المشہور پاک رحمان قدس سرہ سے تربیت و تکمیل پائی تھی۔ صاحب فضل و کمال تھے۔ حالتِ استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ گیارہ سال تک طعام نہیں کھایا۔ صائم الدہر اور قائم الیل تھے۔ صاحب تذکرہ نوشاہی بختاورد نامی ایک شخص کی زبانی جو موضع ٹھٹھہ عثمان کا مقدم تھا، بیان کرتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ زیادہ تر اپنی زرعی اراضی پر ہاکرتے تھے اور وہاں اپنے رہنے کے لئے ایک حجرہ بنالیا تھا۔ ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے گیا۔ جب حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھا جو آپ کا ایک پیشتن بدن سے جدا ہوا پڑا ہوا ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا نہ جانے کون ظالم ہے رحم قزاق نارت گر آپ کو شہید کر گیا ہے۔ میں ابھی اسی عالم حیرت میں تھا کہ آپ کے بھائی شیخ عصمت اللہ تشریف لے آئے۔ فرمایا: بختاورد یہ مقام حیرت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ شیخ عنایت اللہ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا رفت چوں در غلہ اعلیٰ شہ جن و بشر میر عنایت
 وصالِ ادبیاں شد مظہرِ حمد دگر عالی قدر میر عنایت ۱۱۵۸ھ

۱۔ شیخ فتح محمد کاسی وفات ۱۱۱۹ھ ہے۔ مزار ساگری ضلع جلم میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم عماد ص ۳۶)
 ۲۔ حضرت عنایت اللہ کامیج سن وفات ۱۱۳۰ھ ہے۔ (ادکارِ نوشاہیہ ص ۴)

۱۵۸۔ شیخ محمد سلطان لاہوری المشہور بہ مرگ نینی قادری قدس سرہ

سلسلہ قادریہ میں عظیم القدر بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شاہ کے مرید و خلیفہ تھے عجیب و غریب احوال و مقامات کے مالک تھے۔ مجذوبوں میں مجذوب اور ساکوں میں سالک تھے۔ طبع عالی پر مجذب و سکرا و عشق و محبت کا غلبہ طاری رہتا تھا۔ قدرت نے انہیں بڑی خوبصورت دی تھیں اس لئے بارگاہِ مرشد سے مرگ نینی یعنی آبِ حیات کا خطاب حاصل تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے شاہ نواز خاں صوبہ دار لاہور نے آپ کا مزار تعمیر کرایا تھا۔

چو سلطان دنیا دیں بادشاہ !	ز دنیا ئے دوں شد بہ ملک جناب
وصالش شدہ روشن از نور بخش	دگر شیخ سلطان محمود خواں
۱۱۵۸ھ	۱۱۵۸ھ

۱۵۹۔ سید شاد حسین بن سید نور محمد بن شاہ امیر سجادہ نشین حجرہ قدس سرہ

اپنے علمی و روحانی فضل و کمال کے باعث مشائخِ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت شیخ گزرے ہیں۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ مکارمِ اخلاق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ کسی حادثہ کے باعث آپ کے ساتھی سواروں میں سے ایک سوار کے گھوڑے کی آنکھ کا ڈھیل نکل گیا۔ فرمایا: ابھی یہ ڈھیل گھوڑے کی آنکھ میں رکھ کر پٹی باندھ دو۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: گھوڑے کی آنکھ سے پٹی کھول دو۔ چنانچہ پٹی کھول کر گھوڑے کی آنکھ کو دکھایا تو درست اور صحیح و سلامت تھی اور اسے نظر آ رہا تھا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ رات کو ایک جگہ پر قیام فرمایا۔ آپ آرام فرما رہے تھے کہ چند قزاقوں نے آکر سامانِ ٹوٹا شروع کر دیا۔ اتنے میں خادم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آپ کو پکارا کہ تشریف لائیے، مدد کیجئے۔ قزاق سامانِ ٹوٹ رہے ہیں۔ فرمایا: کچھ غم نہ کرو، ٹوٹے دو واپس لے آئیں گے۔ قزاق سامانِ ٹوٹ کر ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ دیوانے ہو گئے اور گتوں کی طرح آواز نکالنے لگے۔ اُلٹے پاؤں حاضر خدمت ہو کر معذرت چاہی۔ آپ نے اپنے

لوٹے سے پانی لے کر ان کے منہ پر چھڑکا۔ اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آگئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ بقول صاحب سراج الاولیاء ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

بعد حسن چوں از جہاں رفت بست شہِ محسن آں پیرِ کامل حسین !
 بگوئے عجبی شاہِ فناں وصال دگر سید بو فضا ل حسین

۱۶۰۔ میاں شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ برغوردار ابن حضرت نوشاہ مالِِجاؤ کے فرزند سوم تھے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ زہد و ورع، عبادت و ریاضت اور سخاوت و شجاعت میں شہرہ آفاق تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے آپ کے دادا حضرت نوشاہ گنج بخش نے آپ کے لئے دمائے درازی عمر فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے طویل عمر پائی۔ بڑے پُر جلال تھے۔ ایک دفعہ حاکم پرگنہ نے ادائیگی مالیہ کے لئے اپنا پیادہ بھیجا۔ اس پر جلال میں آگئے۔ اُسی وقت حاکم پرگنہ کے پاس گئے۔ فرمایا کہ جب میں خود بخود مالیہ ادا کر دیتا ہوں تو پھر پیادہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو مسندِ حکومت کے لائق نہیں ہے تجھے معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی روز صوبہ دارِ لاہور کی طرف سے اسے اپنا معزولی نامہ وصول ہو گیا۔

مستی نور محمد ترکھان جو آپ کے خادموں سے تھا، موضعِ بابوکی میں کھیتی باڑی کرتا تھا وہاں کے مقدم مہربان نامی کچھ لگان بڑھا کر ایک سوار و صولی کے واسطے نور محمد کی طرف بھیجا، اس نے یہ واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ مہربان کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو نصیحت کی، وہ باز نہ آیا۔ اس بات سے آپ جلالت میں آگئے اور دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور کہا کہ تم کو خدا تعالیٰ ویران کر دے گا، اٹھ کر گھر چلے آئے۔ ابھی آپ رستہ میں ہی تھے کہ اتفاقاً غیب سے اس گاؤں میں کہیں سے آگ لگ گئی اور سارا گاؤں جل کر راکھ ہو گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ساہن پال کے کچھ زمیندار بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں محمد قلی نامی ساہن پال کے بیٹے نے اپنی گھوڑی دوڑا کر

آپ کے گھوڑے سے آگے بڑھائی اور جاتے جاتے ایک کوڑا آپ کے گھوڑے کو بھی مارا۔ آپ نے اُسے بڑا غصہ دیکھا اور فرمایا۔ اب تو گھوڑی پر سوار نہیں ہو سکے گا۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اس کی گھوڑی جس کی قیمت تو بیس چار سو روپے تھی گر کر فوراً مر گئی۔ پھر اس واقعہ کے بعد اس پر تنگ دستی و بد مالی ایسی مسلط ہوئی کہ مرتے دم تک خوشحال نہ ہو سکا اور کبھی گھوڑی میرزا ہوئی۔ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے جدِ بزرگوار کے متصل ہے۔

شد چو رحمت ازیں جہاں پرورد بہت تاریخ آں شہِ ابرار!
رحمت اللہ ولی رہبر نیز رحمت اللہ معدن الانوار!

۱۶۱۔ شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ برغوردار ابن حضرت نوشاہ عایبہؒ کے فرزندِ چارم تھے۔ عالم متبحر اور عارفِ کامل و اکل تھے تحصیلِ علومِ سیاکوٹ میں کی تھی۔ اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کی تکمیل کی تھی اور ریاضت و مجاہدہ سے ولایتِ باطنی کو کمال تک حاصل کیا۔ پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد احمدیگ سے بھی اغذینیش کیا تھا۔ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے والدِ گرامی کے مزار کے قریب ہے۔

رفت از دنیا چو در حسلہ بریں نصرت اللہ رہبر کون و مکان
”رستم عشق“ است سالش کن رقم نیز ”نصرت واصل کامل“ بخوان

۱۶۲۔ میر سید علی شاہ قادری شطاری قصوری قدس سرہ

ساداتِ عظام سے تھے۔ وطنِ قصبرِ قصور تھا۔ حضرت عنایت شاہ قادری شطاری کے عظیم المرتبت مرید و خلیفہ تھے جن کا سلسلہ بیعت حضرت شیخ محمد غوث گویاری تک نہتی جوتا ہے۔

اپنے زمانے کے عالم و فاضل ، عابد و زاہد ، عارفِ کامل اور شاعرِ بے بدل تھے۔ پنجابی زبان میں آپ کی کافیاں زبانِ زورِ خاص و عام ہیں۔ تمام کلامِ موحدانہ اور عارفانہ ہے اور اپنے اندر ایک عجیب لذت و تاثیر رکھتا ہے۔ قوال اب بھی آپ کے کلام سے مجالسِ سماع کو گرماتے ہیں۔ ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ مزارِ قصر میں زیارت کا وخلق ہے۔

چوتھے شاہ شیخ ہر دو عالم مقامِ خلیش اندر خلد و زید !!
رقم کن "شیخ اکرم" ارتماش دگر آدمی اکبر مستِ توحید

۱۶۳۔ سعد اللہ قادری نوشتا ہی قدس سرہ

مولانا حافظ برخوردار کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ فنِ طبابت میں بھی مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ ظاہری و باطنی طور پر مریضوں کی خبر گیری بھی کیا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ جب آپ کے والد مولانا حافظ محمد برخوردار نے آپ کی شادی کرانے کے بعد شیخ سعد اللہ اور نصرت اللہ دونوں بھائیوں کو اپنے اپنے گھروں میں الگ کیا تو شیردار بھینس شیخ نصرت اللہ کو دی اور اس کا بچہ (گٹا) شیخ سعد اللہ کو عطا فرمایا۔ یہ بات آپ کو گراں گزری اور عرض کیا، یا تو یہ گٹا بھی نصرت اللہ کو دے دو یا بھینس میرے حوالے کر دو اور اگر یہی تقسیم آپ کو منظور ہے جو کہ کر دی ہے تو میں نے خدا تعالیٰ سے منظور کرایا ہے کہ یہ دونوں مرجائیں۔ چنانچہ

۱۔ حضرت بٹے شاہ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے ضمیمہ اورنٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۹ء میں ایک مخطوطہ (مجموعہ و خلافت) پر حضرت بٹے شاہ کی ثبتِ مہرجں پر ۱۱۷۱ھ درج ہے، کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ بٹے شاہ ۱۱۷۱ھ تک زندہ تھے۔ مولوی صاحب کا یہ تحقیقِ مضمون کلیاتِ بٹے شاہ شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور کے دیباچہ مرحومہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر میں من و عن درج ہو چکا ہے۔

واقعی دونوں میں بھینس اور گنا دونوں مر گئے۔

نقل ہے کہ آپ موضع بھاگت کی میں اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ وہاں کا مقدم (نمبر دار) سید انام معاملہ وصول کرنے پر آپ کو بہت تکلیف دیا کرتا، آپ صبر کیا کرتے۔ جب اس کی دشمنی اور بد اعمالی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے فرمایا، اے سید! اب وقت آپہنچا۔ کہ تو اب اپنی بد اخلاقی کے باعث غضبِ الہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کے دونوں بیٹے جو بڑے لائق تھے، مر گئے اور مال و اسباب چوروں نے لوٹ لیا اور وہ خود اندھا ہو کر بد حالی میں ایسا گرفتار ہو کہ در در گدائی کرتا ہوا مر گیا۔ شیخ سعد اللہ نے ۵، ۱۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعد اللہ ولی دو جہاں
گفت مقرر شیخ سعد اللہ بختِ قریب
شد چار دنیا بخت شد قریب
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب

۱۶۴۔ شیخ محمد عظیم قادری قدس سرہ

حضرت شاہ مقیم ملک الدین صاحبِ حجرہ کی اولادِ اجماع سے تھے۔ موضعِ بیگم کوٹ لاہور میں سکونت تھی۔ اپنے وقت کے زاہد و عابد، عالم و عامل اور صوفیِ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملے کرنے شروع کئے تو اس کے لشکر کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لاہور کی کئی مضافاتی آبادیاں خالی ہو گئیں۔ بیگم کوٹ کے گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اکثر و بیشتر لوگ افغانی غارت گری کے خوف سے اپنے مال و متاع اور متعلقین کو لے کر نقل مکانی کر گئے ہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو کوئی بیگم کوٹ میں آ جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی علود پر پیر ہوا اور بیگم کوٹ افغانوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہا۔ ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

چوں محمد عظیم اعظم وقت !! شد بعد غفلت از زمانہ جدا
جلالتش نافصل کریم آمد نیز شیخ جلال اہل صفا
۱۱ ۸۱ ۱۱ ۸۱

۱۶۵۔ شاہ سُر قادی قدس سرہ

مصاحب ناں کلاں قادی کے مرید و خلیفہ تھے جنہوں نے حضرت شاہ میر سجادہ نشین
حجہ سے ظاہری و باطنی فیض پایا تھا۔ اپنے عہد کے جید عالم اور صوفیِ کامل تھے۔ علومِ تفسیر و
حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ موضع بابک وال جو لاہور شہر سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر
سکونت رکھتے تھے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔
احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں جب افغانی لشکر نے لاہور کے گرد و نواح میں تاخت و تاراج
کا سلسلہ شروع کیا تو مضافات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، دعا فرمائیے کہ
ہم افغانی غارت گری سے مصون و مامون رہیں۔ آپ نے اپنا خرہ تار کر انہیں دیا اور فرمایا:
اے اپنے اپنے گاؤں کے گرد پھرائیں۔ چنانچہ جن جن گاؤں والوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق
عمل کیا وہ ہر طرح سے امن و امان میں رہے۔ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں زیارت گاہ
خلق ہے۔

شاہ مزار آں ولی متقی ! شد چو از دنیا بخت جست راہ
گشت روشن از خرد و خورشید دین سال وصل شاہ بچو مہر و ماہ
۱۱ ۸۴ ۱۱ ۸۴

۱۶۶۔ سید میر محمد شاہ عبد الرزاق خلیفہ شاہ محمد ثانی برادر شاہ حسین صاحب حجر قادی قدس سرہ

میر محمد شاہ نام، عبد الرزاق لقب تھا۔ جامع علومِ ظاہری و باطنی تھے۔ زہد و تقویٰ اور
عبادت و ریاضت میں وجید العہد اور تجربہ و تفرید میں فرید العہد تھے۔ کشف و کرامت میں بڑے
اختصاص سے کام لیتے تھے۔ بے حد مستغنی المزاج تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ بقول

صاحب اسرار الاولیاء ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرو میں ہے۔ چار فرزند شاہ نادر الدین الملقب بہ شیر خدا، شاہ سعد الدین ثابت قدم، شاہ سیف الدین، شاہ طالب الدین اولاد تھے۔ شاہ سیف الدین حیات والدہ میں وفات پا گئے تھے۔

عبد رزاق میر عالی جاہ ذات پاکش بدو جہاں طاق است
بست غیب انسان سالش نیز مفتی میر عبد رزاق است

۱۶۷۔ شیخ مصاحب خاں خرد قادری لاہوری قدس سرہ

سید شاہ سہدار کے کامل و اکمل مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد میں علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ وفات مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور چھ سال تک درس و تدریس اور ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ آپ کے حلقہ درس سے پانچ سو حافظ حفظ قرآن کی نعمت سے مالا مال ہو کر نکلتے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

چوں مصاحب بہ رحمت باری! یافت در بار گاہ جنت بار!
جو وصالش زہ میر نعمت فقر! بار دیگر زہ مخزن الاسرار!

۱۶۸۔ شاہ صد الدین بن سید میر محمد عبد الرزاق قدس سرہ

صاحب علم و عمل تھے۔ سخاوت و شجاعت، عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں مقام بلند اور درجہ ارجحند رکھتے تھے۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر جو آتا تھا، محروم نہ جاتا تھا ایک خلق کثیر نے آپ سے اغذ فیض کیا۔ شوق شہادت پیدا تھا۔ اسی شوق میں سپاہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ کفار سے اکثر معرکہ آرا رہتے تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرو میں ہے۔
قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

صدر عالم صدر دین صدر الصدور منظر دین مصدر فیض نبی

بدھ گرشد از خود، متاب غلہ
سرو را تولید آن والا ولی
سال وصل آن شہ عالی جناب
بست صدر الدین امیر متقی

۱۶۹۔ سید سعد الدین بن سید میر محمد عبدالرزاق قادری صاحب حجرہ قدس سرہ

علم و فضل، صدق و صفا اور جود و سخا میں شہرہ آفاق تھے۔ تمام عمر ظاہری و باطنی جہاد میں مصروف رہے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کی ذات گرامی سے اکتساب فیض کیا۔ آپ تمام عمر درس و تدریس اور اشاعت دین میں مصروف رہے۔

بقول صاحب اسرار لاویا، ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

باسعادت شد چہ از دار فنا
اسعد دورِ زمان شیخِ نفلور!
گوشہ فیض است تارِ بخش و گر
سیدالابار ہادی شمع نور

۱۷۰۔ شیخ جان محمد قادری لاہوری قدس سرہ

شیخ مصاحبِ فنا خرد لاہوری قادری کے باکمال اور صاحبِ کرامت مرید و خلیفہ تھے۔ علم و عمل اور ہدایت و تلقین میں ممتاز الوقت تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تا دمِ زلیست عوام و خواص کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کی ٹوٹ مار کے باعث پنجاب میں ہر طرف بے چینی و بدمذہبی پھیلی ہوئی تھی مضافاتِ لاہور کی آبادیاں افغانی لشکر کی غارت گری اور سکھوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے دیوانِ پوربی تھیں۔ اکثر و بیشتر آبادیاں نقل مکانی کر گئی تھیں۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے، طالبِ دعا ہوئے اور بچاؤ کی تدبیر کی درخواست کی۔ فرمایا: میرا عصا لے جاؤ اور اپنے اپنے گاؤں کے گرد اس سے خط کھینچ دو، ان شاء اللہ محفوظ رہو گے چنانچہ آپ کی دعا اور توجہ سے ایسا ہی ہوا۔ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضعِ بابک وال میں ہے۔

ز دنیا شد چو در حسلہ معلیٰ شہ عالم ولی جان محمد
وصال اوز شیخ رہنا جو دگر فرما غنی جان محمد

۱۲۰۶ھ ۱۲۰۶ھ

۱۷۱۔ شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوری قدس سرہ

مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔ صاحب علم و فضل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں قماز الوقت تھے۔ ذات کے بلوچ تھے۔ سار بانی پیشہ تھا۔ صاحب ثروت تھے۔ شیخ شرف الدین پانی پتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلہ بیعت چار واسطوں سے حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر قدس سرہ تک منتہی ہوتا ہے۔ حب سلوک میں قدم رکھا تو تمام مال و متاع راہِ خدا میں ٹا دیا۔ تکمیل سلوک کے بعد حکمِ مرشد کے مطابق لاہور آکر لوگوں کی ظاہری و باطنی تہذیب و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ موضعِ مزنگ میں اپنے نام پر ایک محلہ آباد کیا جو اب تک کوٹ عبداللہ شاہ کے نام پر مشہور ہے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلیفہ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے مولانا مفتی شیخ فیض بخش لاہوری قریشی ہاشمی، مولانا غلام محمد نے مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفا کے ہم جہاد حضرت مولانا مفتی قاضی طیف محمد مکرم کے پوتے تھے۔ جنہیں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۰ھ لاہور کا مفتی اعلیٰ مقرر کر کے عمدہ افتاء و قضا دونوں آپ کے سپرد کر دیے تھے۔ مولانا فیض بخش اپنے والد کے جید عالم، فقیہ فاضل اور عارف کامل تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ وطنِ مرشد کے مزار کے متصل ہے۔ مولانا محمد صیدی کے فرزند ارجمند تھے۔ حافظِ قرآن اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسجد وزیر خان کے امام رہے۔ کتابتِ قرآن سے رتقی حلال حاصل کرتے تھے اس میں سے بھی اپنا حق نکال کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بڑے شفیق و حلیم تھے۔ درس و تدریس میں طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ کتاب شمس التوحید۔ فارسی نثر میں اور گنجِ مخفی نظم میں آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ مرقد مسجد وزیر خان کی جنوبی دیوار کے باہر ہے۔

المشہور امام گاموں امام مسجد نواب وزیر خاں، مولانا حافظ الدیار پشاور سی قابل ذکر ہیں جو اپنے کمال علم و فضل کے باعث مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔ مولانا شیخ مراد بخش بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں علم کیسیا کا شائق ہوں۔ بڑی محنت اور دہیہ صرف کرنے کے باوجود میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ معلوم نہیں آیا یہ کوئی علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں تو ممنونِ احسان ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: بہتر۔ جاؤ کچھ تانے کے پیسے، سم الفار اور گندھک لے آؤ۔ وہ اسی وقت بازار جا کر یہ سب چیزیں لے آیا۔ مجھے فرمایا کہ جس مٹی کے پیالے میں ہم کھانا کھاتے ہیں وہ امٹالاؤ اور تانے کے پیسے اس میں ڈال کر سم الفار اور گندھک بھی شامل کر دو۔ اوپر کوئلے بھر کر آگ دے دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: چھٹے سے پکڑ کر ایک پیسہ باہر نکالو۔ میں نے پیسہ نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس ہندو سے فرمایا: اسے کوٹو۔ جب سیاہ پردہ دور ہو گیا تو زرخاں نکل آیا۔ وہ ہندو اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔

نقل ہے ایک شخص نے عملیات کے ذریعے ایک جن کو مستخر کر رکھا تھا اور اسے کسی پرانی قبر کے نیچے چھپا کر اس سے جو چاہتا، کھواتا۔ اس چیز نے اسے عوام میں صاحبِ کرامت مشہور کر رکھا تھا اور اکثر جہلاء اس کے دام فریب میں گرفتار تھے۔ ایک روز یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگر آپ کو دعوائے فقر ہے تو مجھے کوئی کرامت دکھائیے، نہیں تو میں دکھاتا ہوں۔ پھر

لے صاحبِ علم و عمل و صوفی کامل تھے۔ مرشد نے براہِ راست بتایا خود پشاور جا کر مرید کیا اور درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ مزار پشاور میں ہے۔

مولانا مفتی شیخ فیض بخش کے فرزند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ بزرگوار سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ بلوچ سے بھی اختیافِ نبی کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دوسرے حقیقی برادر مولانا شیخ امام بخش المتوفی ۱۲۳۲ھ بڑے عابد و زاہد اور صوفی بالکمال تھے۔ کتابتِ قرآن سے رزقی حلال حاصل کرتے تھے۔ تمام مدرس و تدیس میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے ہمداری تھے۔

آپ کو میرا مرید ہو جانا پڑے گا۔ میں مردہ صد سالہ کو زندہ کر کے گویا کرتا ہوں اور یہ کرامت مجھ سے کئی مرتبہ ظہور میں آچکی ہے۔ میرے ساتھ آئیے میں آپ کو اس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ آپ کو گورستانِ یبانی میں لے گیا اور کہا، بتائیے، کس مردہ کو زندہ کروں۔ آپ نے ایک قبر کا نشان دیا۔ اس نے قبر کے سر پرانے کھڑے ہو کر کہا، یسین!۔ اندر سے ندا آئی۔ والقرآن الحکیم۔ کہنے لگا، دیکھئے مردہ زندہ ہو گیا ہے، اب آپ اس سے جو چاہیں پوچھیں یہ آپ کی ہر بات کا جواب دے گا۔ آپ نے قبر پر پاؤں مار کر فرمایا، جو شخص اس قبر کے اندر چھپا ہوا ہے وہ باہر آ جائے۔ اسی وقت ایک چوہہ پندرہ سالہ لڑکا قبر سے باہر آ گیا۔ آپ نے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں جتن ہوں اور کئی سالوں سے اس شخص کی قید میں ہوں۔ اس کے حکم سے قبر کے اندر جا کر سوا لوں کا جواب دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تجھے اللہ کے حکم سے آزاد کرتا ہوں اور اس شخص کے عملِ تسخیر کو باطل کرتا ہوں۔ جتن اسی وقت غائب ہو گیا۔ حاضرین جو آپ کے ساتھ گورستان گئے تھے انہوں نے خوشی و مسرت کے ساتھ نعرہٴ تکبیر بلند کیا اور وہ شعبہٴ بازتاب ہو کر آپ کے حلقہٴ ارادت میں آگیا۔ ۷۔ ماہ جمادی الاول ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضعِ مزنگ کوٹ عبداللہ شاہ میں زیارت گاہِ وطنی ہے۔

چو عبداللہ شاہ مردِ عجیب
جسمِ از دل چو سالِ تارِ خیش
شد ز دنیا بسوئے دوستِ قریب
گفت ہاتفِ بگوشِ ہوشِ غریبؑ

۱۲۱۲ھ

۱۷۲۔ شیخ محمد بن محمد عظیم قادری لاہوری قدس سرہ

مشائخِ قادریہ میں مردِ صالح و عجیب الدعوات گزرے ہیں۔ سید صدر الدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حسنِ سیرت اور حسنِ صورت دونوں کے جامع تھے۔ ترکِ علاقہ،

لذتِ مزہ عیالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ عبداللہ شاہ بلوچ، "موقف محمد بن کلیم" مطبوعہ ۱۹۷۱ء

تجربہ و تفرید اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھی۔ تمام عہدِ رس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں مصروف رہے۔ ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ دو فرزند سید غلام نبی اور سید غلام علی اولاد سے تھے۔ دونوں صاحبِ زادے عابد و زاہد اور صاحبِ کرامت تھے۔

رفتِ خوش محمود زینِ دارِ فنا	چوں برویش گشت بابِ خلد باز
سالِ ترحیلش بہ سرور شد عیاں	مختتمِ محمود میرِ بے نیاز
	۱۲۱۵ھ ۲۱

۱۶۳۔ سید عادل شاہ مشہور سید نتمو گیلانی بن سید فضل بن حاجی محمد ہاشم قدس سرہم العزیز

عالم و عامل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں یکانہٴ آفاق تھے۔ دعوتِ اسمائے الہی میں کامل و اکمل تھے۔ روزانہٴ خرج اللہ تعالیٰ کے خزانہٴ غیب سے حاصل ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی حاضر خدمت ہوتا، محروم نہ جاتا۔ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ وطن موضع لکھوال ضلع گجرات تھا۔ مراد لاہور میں ہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور رقم طراز ہیں، آپ کے نواسہ سید محمد شاہ گیلانی صاحبِ علم و فضل اور مظہرِ کمالاتِ ظاہری و باطنی ہیں۔ کئی دفعہ شرفِ ملاقات حاصل ہو چکا ہے۔ یگانگت و الفت میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح آپ کے فرزند سید شاہ سرور صاحبِ حال و قال بزرگ ہیں اور میرے کرم فرماؤں سے ہیں۔ دونوں حضرات لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔

قطرہٴ تائیدِ ولادت و وفات:

سید و الامراتب نیک ذات	شاہ عالم عادلِ دورِ زمان
سالِ ترحیلش بہ احوالِ صبیح	عادل و فضلِ علیم آمد عیاں
گشت سالِ انتقالش جودہ گر	مخرم اسرارِ عشق اے مہیاں
	۱۲۲۰ھ ۲۱

۱۴۴۔ سید شادی شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

ترکِ علاقہ میں بے مثال اور اخلاقی محسوس کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ موضع لکھوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ طویل عرصہ تک حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزارِ اقدس پر محکم رہے اور بے اندازہ فیوض و برکات حاصل کئے۔ پھر ایمائے باطنی لاہور ہی میں مقیم ہو گئے اور تادمِ ذلیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چو از روئے زین مانند خورشید

بیان شد فاضل برحق و دانش

۱۲۲۱

۱۲۲۱

۱۴۵۔ شاہ سمر قادری قدس سرہ

شیخ جان محمد قادری لاہوری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ بڑے بزرگ اور مابد و زابد عبادت و ریاضت میں اپنائی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے افغان تھے۔ کابل وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت بھی کابل ہی میں پائی۔ سنِ رشد کو پہنچے تو تلاشِ حق میں نکلے۔ کئی ایک مشائخ کی خدمت میں رہے۔ آخر لاہور آئے اور موضع بابک وال پہنچ کر شیخ جان محمد کی خدمت میں شرفِ یاب ہوئے اور مرشد کے زیر سایہ معلومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ محنت و مزدوری سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شاہدِ رہ کی منڈی سے گندم اٹھا کر لاتے اور لاہور کی منڈی میں فروخت کرتے۔ نقد و جنس سے جو مزدوری میں ملتا اس میں سے اپنا حصہ نکال کر باقی فقر و فاقہ میں تقسیم کر دیتے۔ آج کی کمائی سے کل کے لئے باقی نہ رکھتے تھے۔ زندگی کا زیادہ عرصہ شاہدِ رہ میں گزارا۔

نقل ہے ایک روز سید قطب الدین بن سید صدر الدین گیلانی صاحبِ حجرہ آپ کی ملاقات کے لئے شاہدِ رہ تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں سید قطب الدین نے فرمایا، اس سال عادت کے خلاف ہم خربوزہ پکنے کے موسم میں شاہدِ رہ نہیں آئے اگر موسم ہوتا تو شاہدِ رہ کے

خوبزے کھاتے۔ یہ سن کر حضرت شاہ سردار مجلس سے اٹھے اور اپنے حجرے کے کوٹھے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے نہایت عمدہ و شیریں خوش رنگ خوبزے اٹھا لائے اور سید قطب الدین کے سامنے رکھ دیے۔ عرض کیا: اگر یہ خوبزے پکے کا موسم نہیں ہے مگر وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے فیروز کے پاس نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر سید قطب الدین بڑے خوش ہوئے۔ اُن خوبزوں کو اپنے ہاتھ سے چیرا خود بھی تناول کیا اور حاضرین میں بھی تقسیم کیا۔ فرمایا: یہ بھتی میوہ ہیں اور تمہیں شاہ سردار کے وسیلے سے میسر ہوا ہے۔

۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

یافت سرداری چور غلہ بریں ! آں شہ جن و بشر سردار شاہ
سالِ تحریل وصالِ آں جناب داں "دلی" رہبر سردار شاہ
۱۲ ۲ ۵

۱۷۶۔ سید علی شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

ساداتِ گیلان سے ہیں۔ سلسلہ طریقت بھی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ تک پہنچتا ہے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں احمد آباد وکن سے لاہور آکر اپنے لئے ایک مختصر سی جگہ دیا نئے راوی کے کنارے تجویز کر کے سکونت اختیار کر لی تھی۔ شب و روز عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ دریا میں طغیانی آئی کہ پانی شہر لاہور کی فصیل تک پہنچ گیا حتیٰ کہ آپ کی خانقاہ بھی گرنی شروع ہو گئی۔ رغبتِ سنگھ مالک لاہور و پنجاب نے آپ کو شہر میں لانے کے لیے کشتی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا: میرا خدا حافظ و ناصر ہے، میں نے اس سے دعا کی ہے کہ آئندہ دریا کا پانی بارش کے موسم کے سوا یہاں نہ آئے۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ دریا وہاں سے دُور چلا گیا پھر احرارِ موسمِ برسات کے سوا کبھی پانی نہیں آیا۔

۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور جھنگی چراغ شاہ میں ہے جو آپ کے مرید و سجادہ نشین تھے۔

قطب تارخِ وفات ۱۔

رفت زین نیاے دن فانی چو در ملک بشت
حضرت علی شاہ زماں شیخ زماں !
رطش سید علی نور ذمن محمود مگو
"فضل نورانی" ہاں ثم شیخ نورانی بخاں
۱۲ ۲۰ ۱۲ ۲۴

۱۷۷۔ سید سردار علی شاہ شہید مقیم شاہی صاحب حجرہ قدس سرہ

جامع بیاد و شرافت تھے۔ علم و علم، زہد و تقویٰ اور شجاعت و سخاوت میں یکاثر آفاق تھے۔ تمام عمر ہدایت و ارشاد خلق میں گزاری۔ ۱۲۲۸ھ میں شہادت پائی۔ یہ سانحہ اس طرح پر ہوا کہ جب رنجیت سنگھ تمام پنجاب پر قابض ہو گیا تو صاحب سنگھ بیدی جو گرو نامک کی اولاد سے تھا اور موضع اونہ میں مقیم تھا اور رنجیت سنگھ اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں پر ناروا ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ اس بداندیش نے چاہا کہ حضرات پیران حجرہ کی بھی زمین و جائیداد پر قابض ہو جائے۔ اس وجہ سے وہ ان حضرات سے معاندانہ رویہ اختیار کئے رہتا۔ پہلے تو حضرت سردار علی شاہ نے بہ دہن سگ لقمہ دوختا بہ پر عمل کرتے ہوئے اسے کچھ زرد نقد دے کر اہل حجرہ کو اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا۔ لیکن جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو آپ چند خدام اپنے ہمراہ لے کر اس مفسد و حریص کی افہام و تفہیم کے لئے اونہ تشریف لے گئے۔ اس نے وہاں نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے آپ کو اور آپ کے خدام کو گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس پر اہل حجرہ بڑے مشوش ہوئے اور آپ کی رہائی کے لئے سوچنے لگے۔ آخر طے پایا کہ یہاں سے چودھری قادر بخش لاہور کو اونہ بھیجا جائے اور وہ کسی نہ کسی طرح حضرت کو وہاں سے رہا کر لے۔ چنانچہ اس تجویز کے تحت اس نے اونہ میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور چند روز کے بعد ایک رات کو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور داخل ہوتے ہی تمام پابند زنجیروں کی زنجیریں کاٹنی شروع کر دیں۔ مگر حضرت نے ازراہ شفقت و عنایت یہ نہ چاہا کہ پہلے ان کی رہائی عمل میں آئے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دوسرے قیدیوں کو رہا کر لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اور آپ کے ہم جد دھوٹن شاہ کی اور ایک خادم کی رہائی عمل میں نہ آ سکی اور صبح نمودار ہو گئی۔ چودھری قادر بخش، اس کے ہمراہی اور دیگر

خدا م توفیق کی دیوار پہنچا نہ کر بھاگ گئے۔ مگر آپ اور آپ کا ایک بھائی قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔ ڈھولن شاہ نے پاہ زنجیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو قلعہ کی دیوار کے نیچے گرا دیا جس سے وہ سخت مجروح ہوئے اور ایک خادم انہیں اپنے گھوڑے پر اٹھا کر لے گیا۔ اتفاقاً راستے میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سید ڈھولن شاہ گھوڑے سے گر پڑے۔ خادم نے اس خوف سے کہ صاحب سنگھ بیدی کے آدمی اسے آکر پکڑ لیں انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ ڈھولن شاہ نے بہ ہزار وقت اپنے آپ کو ایک کھیت میں چھپایا اور دن بھر وہیں پڑے رہے۔ رات کو کھیت کے مالک کا لڑکا وہاں آیا اس نے ڈھولن شاہ کو وہاں نہایت خستہ حالت میں پڑے ہوئے پایا اور یہ حالت جا کر اپنے باپ سے کہی باپ بیٹا سمجھ بونے کے باوجود انہیں اٹھا کر لے گئے اور صلاح یہ ٹھہری کہ رات گزرنے پر صبح کو انہیں اپنے گاؤں پہنچا دیا جائے۔ اُس سکھ نے اپنے ایک مسلمان ہمایہ کو جو رافت میں بھی اس کا شریک کار تھا یہ بات بتا کر اُسے تاکید کی یہ راز کسی پر کھلنے نہ پائے۔

مگر اس نادر اور لالچی مسلمان نے صبح ہوتے ہی اُس ظالم و مفسد صاحب سنگھ بیدی کو جا کر اس کی اطلاع دے دی۔ اُس نے فوراً اپنے سوار بھیجے کہ ڈھولن شاہ، اُس سکھ کو اور اس کے لڑکے کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اسیر ہو کر اُس کے سامنے آئے۔ اُس نے بلا توقف ان تینوں کو نیز حضرت سردار شاہ کو اور ان کے ایک بھائی کو قلعہ کے اندر قتل کر دیا اور اس مقتول سکھ کی تمام جائیداد اس مخبر مسلمان کو دے دی۔

صاحب اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۹۵ھ اور شہادت ۱۲۲۸ھ میں واقع ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید بد علی شاہ سجادہ نشین ہوئے جو علم و فضل اور ارشاد و ہدایت خلق میں اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات،

شہ و سردار محبوب الہی	شریف و سید و اشراف و دیندار
شد ازل دل عارف مشتاق پیدا	پے تولید آں سردار و ابرار
بوصلش متقی زاہد شہنشاہ	دگر برخواں مقدس یہ انوار

۱۷۸۔ حضرت شاہ غلام نبی قدس سرہ صاحبِ حجرہ

اپنے عالی مرتبت والد حضرت محمود بن محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد اور مرید و خلیفہ تھے۔
پدر بزرگوار کے فیضِ نظر سے صاحبِ علم و فضل و خلاق و کرامت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے
استفادہ کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ موسمِ برسات میں دریائے راوی بڑی طغیانی پر تھا۔ امواجِ دریا شہر
لاہور کی فصیل سے ٹکرا رہی تھیں۔ جتنی کشتی میں سفر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہی ایام میں
حضرت سید علی جویری داتا گنج بخش کا سالانہ عرس آگیا۔ آپ نے اپنے مریدِ عمر الدین سے کہا: آج
میں عرس پر جانا ہے۔ اس نے عرض کیا، حضرت پانی اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ کشتی میں بھی عبور کرنا
مشکل ہے۔ فرمایا: غم نہ کرو۔ اِنَّ اللہَ مَعَنَا (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) پس آپ نے
موضعِ بگم کوٹ سے دریا میں قدم ڈال دیا اور عمر الدین سے کہا، میرے قدم بقدم چلے آؤ اور
دل میں کچھ اندیشہ نہ لاؤ۔ آج پانی ہمارے ٹخنوں تک ہے۔ چنانچہ وہ بھی حکمِ مرشد کے مطابق آپ
کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اس طرح دریا عبور کر کے مزار حضرت داتا گنج بخش پر پہنچ گئے۔ ۱۲۲۰ھ میں
وفات پائی۔ مزار لاہور میں مضافاتِ بگم کوٹ میں بیان کیا جاتا ہے۔

دلت زیں دیر چوں بخلد بریں ! حاکم دین شاہ غلام نبی
گفت بتاریخ و صالشی خود طالب اللہ و غلام نبی

۱۷۹۔ سید قطب الدین المعروف بہ قطب الانام گیلانی قدس سرہ

قطب الدین نام، قطب الانام لقب، سید صدر الدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ
کے نامور فرزندِ ارجمند تھے۔ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ علم و حلم، زہد و ورع، عبادت و
ریاضت اور جود و سخا میں یکاؤ آفاق تھے۔ تمام عرطلہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں مگزار می —
ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ کے جدِ بزرگوار سید عبدالرزاق بیمار ہو گئے، جب بیماری طویل ہو گئی تو آپ کے والد ماجد سید صدر الدین نے بارگاہِ خداوندی میں منت مانی کہ میں اپنے پدر بزرگوار کی صحت یابی کے لئے اپنے بیٹے قطب الدین کو تصدق کر دوں گا۔ ابھی آپ نے یہ بات پوری بھی نہ کی تھی کہ قطب الدین جن کی عمر اس وقت چودہ برس کی تھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنے جدِ امجد کے گردسات بارطوان کیا اور دادا جان کی دستار مبارک کو چار پائی سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ان کے والد نے جب ان کی یہ حرکت دیکھی تو اپنے والدِ محترم کی ناراضی کے پیشِ نظر خاموش رہے۔ سید عبدالرزاق نے اسی وقت فرمایا: اے صدر الدین! پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تیری نذر کو قبول فرمایا ہے اور وہ طوان کر کے تصدق ہو گیا ہے۔ سر پر پگڑی رکھنے سے یہ اشارہ ہے کہ وہ کسی اور کے توسل کے بغیر میرا جانشین ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا اپنے والد کی وفات کے بعد ہی سجادہ نشین ہوئے باوجودیکہ سردار علی خلیفہ سید مد علی موجود تھے۔ سید نعمت علی اور ان کی محترمہ بشیر نے بھی آپ ہی کی سجادگی پر اظہارِ رضا مندی کیا۔

نقل ہے محمد شاہ اور احمد شاہ قریشی دونوں بجائی آپ کے مرید تھے اور قصبہ جھنگ سیالان میں سکونت رکھتے تھے ان کی بشیرہ ولدہ تھی۔ ایک دفعہ آپ جھنگ تشریف لے گئے تو اس خاتون نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک آپ مجھے فرزند کی بشارت نہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا تیری قسمت میں فرزند نہیں ہے مگر ہمارے ہاں ایک فرزند کا ہونا مقدر ہے وہ فرزند ہم نے تجھے دیا۔ یہ مرد و سن کر اس خاتون نے آپ کے قدم چھوڑ دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند سے نوازا اور اس کا نام بہادر شاہ رکھا گیا۔

صاحبِ اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۸۶ھ میں ہوئی اور وفات ۶۔ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں پائی۔ پہلے بگم کوٹ میں مدفون ہوئے پھر سید مد علی شاہ نقشبند مبارک کو نکال کر بمقام حجرہ لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ قطعہٴ تاریخِ ولادت و وفات :

قطبِ قطاب آں شہِ قطبِ لانام	میر قطب الدین ولی متقی !
سالِ تولدش ز چرخِ چار میں	طرفہٴ خورشیدِ نبی شد منجلی
جلتِش مخدومِ نعمت سن رقم	نیزہ قطبِ الافصالیں کامل ولی

۱۸۰۔ شیخ مسلم خاں قدس سرہ

پنجاب کے طبقہ امراء سے تھے۔ ترک علاقہ کر کے راہِ سلوک میں قدم رکھا اور شاہ سرمد قادری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تکمیلِ سلوک کی اور خرقہ خلافت پایا۔ مرشد کے کامل تریں اور فاضل تریں خلفاء سے تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر ارشاد و ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

جناب شیخ مسلم خان والا بہ جنت رفت زین دنیا پر شور
چون تاریخ وصالِ او بچشم ندا آمد ز دل "محبوب منظور"

۱۲۵۴ھ

(الحمد للہ کہ اردو ترجمہ مخزنِ اول و دوم مکمل ہوا)

کتبہ: محمد شریف کڑیالوی

Maktabah Mujaddidiyah

www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.